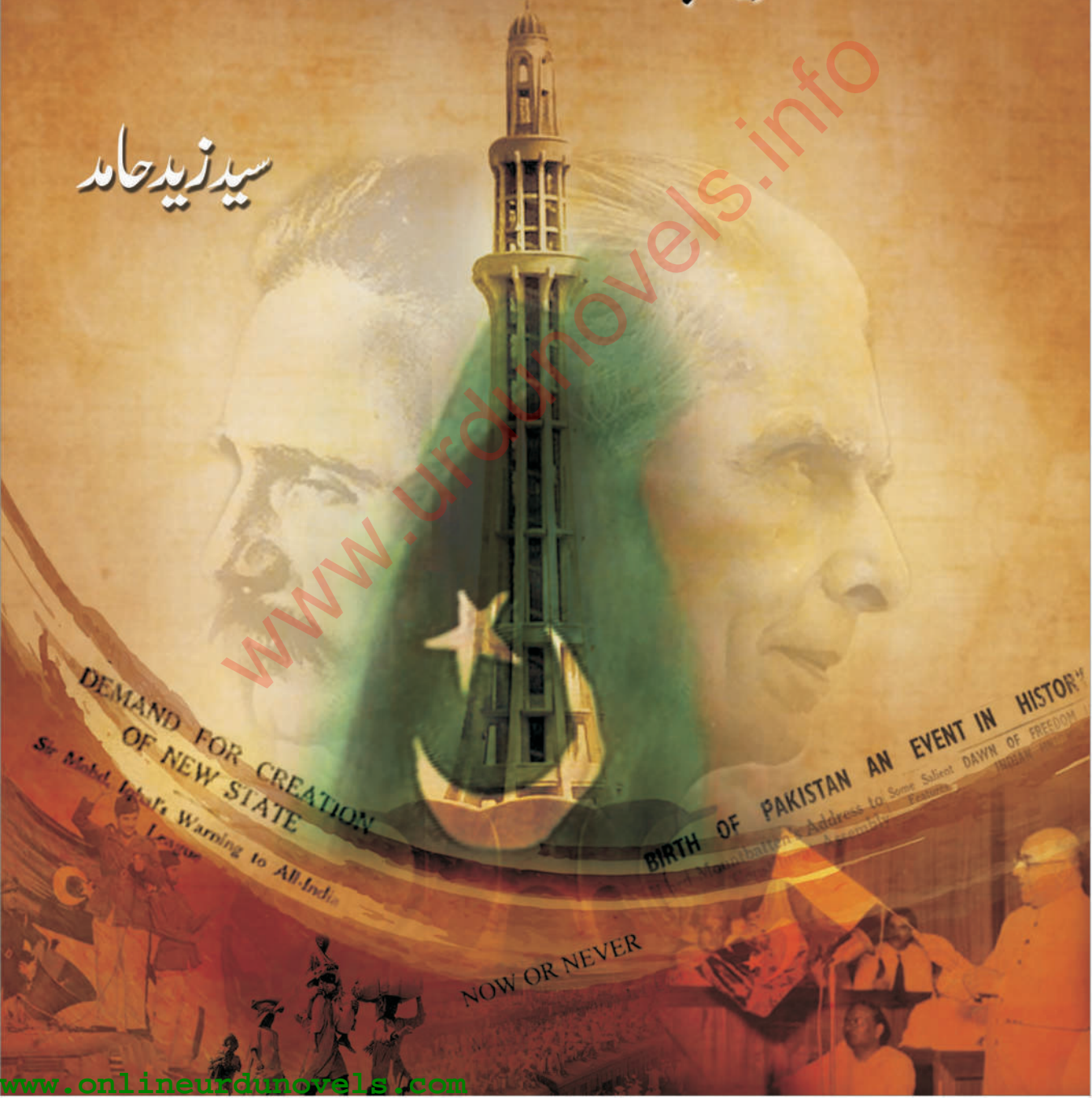


شادباد منزل مراد

تحریک پاکستان کی رومانوی تاریخ

سید زید حامد



شاد باد منزل مراد

تحریک پاکستان کی رومانوی تاریخ

سید زید زماں حامد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیدی و مرشدی رسول اللہ ﷺ
کی خدمتِ اقدس میں
ہدیہ عشق و ادب

نام تصنیف : شاداب منزل مراد

مصنف : سید زید زمان حامد

ناشر : براس ٹیکس، راولپنڈی

تقلیبِ حروف : براس ٹیکس ٹیم

مجلسِ ادارت : سمیع اللہ بخاری، شائلہ مہدی، فاطمہ حسین، رملہ کلیم، رملہ مریم

کتابت و آرائش : وٹا ویڈیو

مطبع : سہل پرنٹنگ پریس (0333-5255256)

تاریخ اشاعت : جنوری، ۲۰۱۸ء

قیمت : ایک ہزار روپے



راولپنڈی، پاکستان

www.zaidhamid.pk

syedzaidzamanhamid@gmail.com

نوٹ: اس کتاب کو مصنف کی اجازت سے امت مسلمہ کی فلاح کیلئے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

فہرست

حصہ اول		
۱	زمانے کے سمندر سے نکلا گوہر فردا	۲
۲	ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے	۱۸
۳	کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی	۳۲
۴	اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے	۴۶
۵	بے یار بیضاء ہے پیران حرم کی آستین	۵۲
۶	وطن کی فکر کرنا داں! مصیبت آنے والی ہے	۶۸
حصہ دوم		
۷	نہ بکنے والا، نہ جھکنے والا	۸۲
۸	میرے لیے وہ ایک دوست، رہنما اور نظریہ ساز تھے	۹۲
۹	آنے والی دور کی اک دھندلی سی تصویر دیکھ	۱۰۰

۱۰۸	محمد علی جناح سے قائد اعظمؒ تک	۱۰
۱۱۸	اقبالؒ کے ہاتھوں قائدؒ کی تربیت	۱۱
۱۳۴	۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخابات	۱۲
۱۴۲	پاکستان یا شہادت!	۱۳
۱۷۴	عہد جانثاری!	۱۴
۱۹۴	طلوع صبح آزادی!	۱۵
۲۱۶	شاد باد منزل مراد	۱۶
۲۴۸	سفر آخرت	۱۷
۲۶۲	رخصت اے بزم جہاں	۱۸
۲۶۸	نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز	۱۹
۲۷۶	قائد کا مذہب و مسلک	۲۰
۲۸۲	۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر	۲۱
۲۹۴	قرار داد مقاصد (۱۹۴۹ء)	۲۲
۳۱۴	قومی ترانہ	۲۳
۳۱۸	تکمیل پاکستان	۲۴
۳۲۷	گردش ایام..... تاریخ کے آئینے میں	۲۵

لاکھوں شہداء کے خون سے خیانت بھی ہے اور ہماری آنے والی نسلوں کے ساتھ غداری بھی۔ وہ ملت کہ جس کو بشارت ہے: ”لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا“، اپنی تاریخ اور ماضی کے حیرت انگیز کارناموں سے اس قدر گمراہ کر دی گئی ہے کہ خطرہ ہو چلا ہے کہ ہمارے آباء کی خون جگر سے کی گئی آبیاری رائیگاں نہ چلی جائے.....

زیر نظر کتاب کا مقصد تحریک پاکستان کی حیرت انگیز انقلابی لہر کو ایک بالکل نئے انداز میں نوجوان نسل کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یہ اسلوب اس حقیقی انقلابی تحریک کی روح کی نمائندگی کرتا ہے، اور تحریک پاکستان کے عشق و جنون کا بھی ترجمان ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ولولہ، تازہ بھی اس نوجوان نسل میں بھی پھونکتا ہے کہ اس کو آنے والے دور کیلئے ”نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پر سوز“ بنائے۔

یہ کتاب پوری تحریک پاکستان پر ایک طائرانہ نظر ڈالتی ہے، تاریخ کے فلسفے کو سمجھاتی ہے، قوموں کے عروج و زوال کے اسباب بیان کرتی ہے اور تاریخ کے اس دور میں امت مسلمہ کے کردار کو واضح کرتے ہوئے تحریک پاکستان کی غیر معمولی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اس کتاب کا مقصد تاریخیں رٹوانا نہیں، بلکہ تاریخ کی حکمت سمجھانا ہے، فطرت کے رازوں سے آگاہ کرنا ہے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے حیرت انگیز وجود کے ارد گرد گھومتا ہے۔ وہ مرد درویش کہ جو مرد آہن بھی ہے اور اپنے دور سے برسر پیکار بھی، کہ جسکی مٹھی میں اس کی امت کی آنے والی نسلیں بند ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ اقبالؒ کی اس شاہکار تخلیق پر ہے کہ جسے دنیا ”قائد اعظم“ کے نام سے جانتی ہے۔ ان دو عظیم وجودوں کے ذریعے انسانی تاریخ کا جو مسخور کن اور پراسرار انقلاب برپا ہوتا ہے، اسے تاریخ ”تحریک پاکستان“ کے نام سے جانتی ہے۔

بنیادی طور پر یہ کتاب مطالعہ پاکستان کی ایک نصابی کتاب کی حیثیت سے پیش کی جا رہی ہے۔ اس کا ہدف ہر وہ طالب علم اور علم کا متلاشی ہے کہ جو تحریک پاکستان کی حقیقی روح کو جاننا چاہتا ہو۔ چاہے وہ میٹرک کا طالب علم ہو، چاہے اے لیول کا یا جامعہ کا۔ اس کتاب میں موجود قیمتی اور نادر تاریخی حوالے اور اخباری تراشے اور نایاب تصاویر کسی بھی تاریخ کے طالب علم کے لیے جو ہر گراں مایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان شاء اللہ، پاکستان کی آئندہ نسلیں اس کتاب سے فیض حاصل کریں گی اور اس ”منزل مراد“ کو ”شاد باذ“ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گی۔

اللہ پاکستان کا حامی و ناصر ہو، ٹیم براس نیکیس کی جانب سے اس پاک سرزمین کی نظریاتی و روحانی سرحدوں کے دفاع اور، سیدی رسول اللہ ﷺ کی اس امانت کی حفاظت کیلئے، اپنی اس امت مرحوم کی خدمت میں یہ محبت اور ادب کا تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

سید زید زمان حامد

دسمبر ۲۰۱۷ء

پیش لفظ

تحریک پاکستان، امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کی ایک حسین ترین اور رومانوی داستان ہے۔ عشق و مستی، سرفروشی و جاٹاری کا ایسا حیرت انگیز سفر، کہ جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مدینہ منورہ کی پہلی ریاست کے بعد، کہ جس کا قیام سیدی رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے ہوا تھا، یہ پاک سرزمین، یہ مدینہ ثانی، یہ منزل مراد ”پاکستان“ حیرت انگیز طور پر مدینہ اول کے نقش قدم پر چل کر قائم کی جاتی ہے۔ پاکستان کے قیام سے قبل، تقریباً پچھلے تین سو برس سے، امت مسلمہ بحیثیت مجموعی زوال کا شکار ہونا شروع ہو چکی تھی۔ خلافت عثمانیہ اور مغلوں کی حکومتیں تو باقی تھیں، مگر علم و تحقیق و اجتہاد کا دروازہ تقریباً بند ہو چکا تھا۔ صدیوں کی عملی اور غفلت کا پھر عبرتناک انجام یوں ہوتا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان، بیسویں صدی کے آغاز تک، غلام بنالے جاتے ہیں۔ نہ مغلوں کی حکومت رہتی ہے، نہ عثمانیوں کی خلافت..... نیل کے ساحل سے لیکر تاجخاک کا شغیر، صرف ذلت و غلامی اس قوم کے نصیب میں آتی ہے کہ جس نے کبھی روند ڈالا تھا قیصر و کسریٰ کے غرور و تکبر کو!

اس ذلت و رسوائی کے دور میں جب اللہ اس امت مرحوم پر رحم اور کرم فرماتا ہے تو اسکی سب سے پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس امت میں ”اقبال“ کو پیدا کرتا ہے۔ اقبال کا آنا اس ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی مانند تھا کہ جو ابر رحمت کے آنے کی نوید دے رہا ہو۔ اور پھر چشم فلک نے انسانی ہمت، عظمت، جرأت کردار، صداقت، دیانت اور شجاعت کا ایک ایسا نظارہ دیکھا کہ جو صدیوں میں نہ دیکھا گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک بکھرا ہوا شکست خوردہ، راہ گم کردہ جہوم، ایک مرد آہن، قائد اعظم کی قیادت میں یوں ایک قوم بنتا ہے کہ جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار!

یہ داستان حیرت انگیز بھی ہے اور ناقابل یقین بھی۔ وجود میں روئنگے کھڑے کر دینے والی بھی ہے اور دلوں کی دھڑکن تیز کرنے والی بھی۔ مگر بد نصیبی سے پاکستان کے تعلیمی نصاب میں ”مطالعہ پاکستان“ کو کچھ اس قدر بے اثر اور بے رنگ بنا کر آنے والی نسلوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ طالب علم و نوجوان اس عظیم الشان تحریک پاکستان سے بدنظر ہو کر محض اسے رسمی اور فضول مضمون کے طور پر لیتے ہیں۔ تاریخ کا دھارا تبدیل کرنے والی تحریک کو، صرف تاریخیں رٹنے پر محدود کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان کے تعلیمی نظام میں ہونیوالا یہ ظلم ہمارے ان



سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ
(۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء)

حصہ اول

زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

یہ قوم بہت بدنصیب ہوگی اگر اقبالؒ کو نہ جان سکی۔ اقبالؒ محض ایک شاعر نہ تھے۔ اگر حقیقت پوچھیے تو اقبالؒ مجددِ وقت تھے۔ علامہ اقبالؒ ایک غیر معمولی وجود ہیں۔ وہ صرف مفکر پاکستان ہی نہیں بلکہ امت مسلمہ کے حکیم، دانشور اور ایک ایسی صاحب بصیرت ہستی ہیں کہ جن کا دور آج بھی ہے اور آنے والی کئی صدیوں تک بھی رہے گا.....

ایران کے ملک الشعراء بہار نے علامہ کے بارے میں فرمایا کہ ہمارا دور اقبالؒ کا دور کہلائے گا۔ تاریخ اس دور کو اقبالؒ کے نام سے یاد کرے گی۔ پروفیسر آرنلڈ جو کہ علامہ اقبالؒ کے استاد تھے، اور جن کو اقبالؒ آخری وقت تک انتہائی ادب اور احترام سے یاد کیا کرتے تھے، اقبالؒ کے بارے میں کہتے ہیں:



"Iqbal is a man of his age.

He is a man ahead of his age and he is a man at war with his age."

Prof. Arnold

”اقبال اپنے عہد کے انسان ہیں، اپنے عہد سے آگے کے انسان ہیں اور عصر حاضر کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔“

کتاب کے اس حصے میں ہم اقبالؒ کے وجود کے ان پہلوؤں پر، کہ جو آج تک قوم کی نگاہوں سے چھپے رہے ہیں، بات کریں گے، تاکہ اس مرد پر اسرار کا حقیقی تعارف پہلی مرتبہ نوجوان نسل کے سامنے لایا جاسکے۔ اس اعتبار سے یہ اقبالؒ کا ایک ایسا غیر معمولی تعارف ہے کہ جس سے ہماری قوم پہلے واقف نہیں تھی۔

اقبالؒ بیک وقت ایک مفکر، فلسفی، نظریاتی رہنما، صاحب بصیرت درویش، سیاسی دانشور اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ولی اللہ تھے۔

جہاں وہ جغرافیائی سیاست کے ایک ماہر تجزیہ کار تھے وہیں وہ تحریک پاکستان کے نظریہ ساز اور مسلم لیگ کی صدارت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے تھے۔ یہ تمام کمالات اس ایک شخصیت میں کچھ اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ اس غیر معمولی وجود کی کسی ایک جہت کو سمجھنے کیلئے بھی طویل عرصہ درکار ہے.....

انسانی تاریخ میں ایسے بہت سے لوگ آئے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے ادوار کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔ ہمارے دور میں یہ فرد بلاشبہ اقبال ہیں۔

چودہ سو سال کی مسلم تاریخ کو اگر آپ مختلف ادوار میں تقسیم کرتے چلے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں واقعات کی ایک غیر معمولی ترتیب پائی جاتی ہے۔ علامہ اقبال جس عہد میں پیدا ہوئے، اس دور میں پورے عالم اسلام میں مکمل طور پر اندھیرا چھا چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو شکست ہو چکی تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک بہت بڑی مسلم تہذیب ”سلطنت مغلیہ“ کا خاتمہ ہوا اور پورا ہندوستان انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں خلافت عثمانیہ ٹوٹنے کے قریب تھی اور جنگ عظیم اول کے بعد امت مسلمہ کا کوئی ملک ایسا نہیں رہ گیا تھا کہ جسے مغربی طاقتوں نے اپنی نوآبادی نہ بنالیا ہو۔ پوری مسلمان دنیا مغربی استعمار کے قبضے میں جا چکی تھی، سوائے مکہ، مدینہ اور افغانستان کے کچھ علاقوں کے، اور وہاں بھی استعماری طاقتیں شورش اور فساد پر ماکر نے میں مصروف تھیں۔

پوری امت مسلمہ پر مایوسی کی وہ کیفیت طاری تھی کہ جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ تین سو سال سے امت مسلمہ کا انحطاط جاری تھا۔ ایک طرف خلافت عثمانیہ زوال پذیر تھی۔ انیسویں صدی میں اسے ”یورپ کا مرد بیمار“ کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ خلافت اب آہستہ آہستہ ٹوٹتی ہوئی اپنی موت کی طرف جا رہی تھی۔ بالآخر بیسویں صدی کے آغاز میں، پہلی جنگ عظیم کے بعد، خلافت عثمانیہ مکمل طور پر تباہ ہو جاتی ہے۔ اس سے چند دہائیاں قبل مغلوں کی حکومت کا بھی تختہ الٹا جا چکا تھا۔ ایسے تاریک دور میں اقبال کا آنا اور ایک ایسی روحانی انقلابی سوچ دینا کہ جو اپنے وقت سے صدیوں آگے ہو، مسلمانوں بلکہ ساری انسانیت کیلئے تاریخ اور تقدیر کا بہت بڑا تحفہ تھا۔

اگر ہم فکر اقبال کا ادراک نہ کر سکتے تو یہ اس قوم کی بہت بڑی بد نصیبی ہوگی۔ ہماری تمام جغرافیائی سیاست، تاریخ، تہذیب اور نظریہ پاکستان کی بنیاد فکر اقبال پر ہے۔ صرف ہندوستان پر ہی نہیں بلکہ علامہ اقبال کا جو اثر امت مسلمہ، خصوصاً فارسی اور اردو بولنے والی دنیا پر ہے، وہ اتنا غیر معمولی ہے کہ ناقابل یقین لگتا ہے۔

اقبال نے آج کے جدید دور کو جس طرح بے نقاب کیا ہے، اس سے پہلے مغرب یا مشرق میں، کسی فلسفی، مفکر یا صاحب بصیرت شخص



عالمی استعماری طاقتیں خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کرتی ہیں



خدا رامت میر جعفر، لارڈ کلائیو کا برصغیر میں استقبال کرتا ہے

بہادر شاہ ظفر رنگون میں کسپیری کی تصویر بنے ہوئے

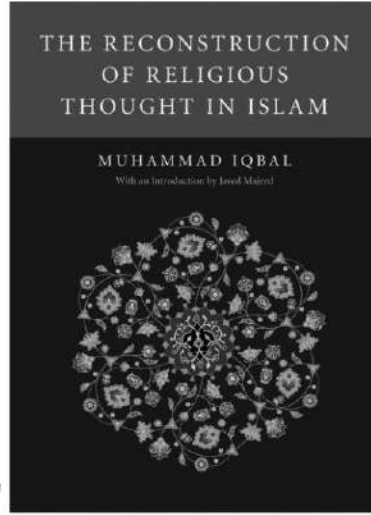
برصغیر میں علما کو توپوں کے آگے باندھ اڑا دیا گیا



نے مغربی تہذیب، سیاست، اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کو، اس طرح بے نقاب نہیں کیا۔ اقبالؒ نے نظریاتی طور پر جدید مغربی تہذیب کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ اقبالؒ نے جدید بینکاری نظام، جدید سرمایہ دارانہ نظام، کہ جن کی بنیاد سود اور ربا پر ہے، پر بھی کاری ضرب لگائی۔ اپنی شاعری میں صیہونیوں اور فتنہ گر ملاؤں کو بے نقاب کیا۔ اور اشتراکی نظام کی تو جڑ ہی کاٹ ڈالی۔ اشتراکی نظام حکومت کس طریقے سے انسانوں کو غلام بناتا ہے، اور یہ کس قدر خلاف فطرت ہے، اسے اقبالؒ نے واضح کیا۔ اس کے مقابل انہوں نے یہ ثابت کیا کہ انسانیت کی فلاح صرف نظام شریعت میں ہے۔ انہوں نے اپنی تمام تر سوچ اور فکر کی بنیاد قرآن پاک پر رکھی، حضور ﷺ سے تعلق اور محبت پہ رکھی۔ اقبالؒ جیسے مفکر اور فلسفی کو دنیا کیلئے رد کرنا بھی آسان نہیں کیونکہ اس مرد درویش کا ڈنکا مشرق و مغرب میں بچتا ہے۔

عالمی استعماری صیہونیوں کی ایک سوچ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کروڑوں کی آبادی اور لاکھوں کی فوج سے کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن ہمیں خطرہ ہے تو ایک ایسے مفکر اور دانشور سے کہ جو مردہ قوم میں زندگی کی نئی روح پھونک دے، لوگوں کو آزادی کی نئی سوچ و فکر دے اور ہمارے پورے نظام کو بے نقاب کر دے۔ ہم ایسے کسی شخص کو باقی نہیں رہنے دیں گے۔ علامہؒ بھی ایسی ہی ایک شخصیت ہیں کہ جو کفر کے پورے نظام کیلئے خطرہ ہوتی ہیں۔ آج کلام اقبالؒ کو اور ان پر کام کرنے والے دانشوروں کو قصداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسلام کے بارے میں واضح طور پر اقبالؒ خود اپنی شاعری میں کہتے ہیں کہ مغرب کے نظام کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ آنے والے وقت میں ان کے سامنے جو نظام اور نظریہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہوگا، وہ اسلام ہے۔ چونکہ اقبالؒ نے اپنے تمام نظریات کی بنیاد قرآن اور اللہ کے رسول ﷺ سے تعلق پر رکھی ہے، لہذا اقبالؒ کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ فکر اقبالؒ کو کسی جگہ پروان نہیں چڑھنے دیا جاتا۔ ان کی صرف وہ نظمیں کہ جو بے ضرری لگتی ہیں، مثلاً ”لب پہ آتی ہے دعابن کے تمنا میری“، یا ”پہاڑ اور گلہری“ اور ”جگنو اور بلبل“ وغیرہ تو بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں، لیکن ان کی وہ شاعری، ان کے وہ پیغامات، ان کی کتاب "Reconstruction of Religious Thought in Islam" ان کا



وہ فلسفہ کہ جو دنیا میں انقلاب برپا کرتا ہے، اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظاموں کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے، جو مسلمانوں کو حوصلہ اور امید دیتا ہے، ان کو شاپن بناتا ہے، اپنے پیروں پر کھڑا کرتا ہے، انہیں خودی، خودداری، عزت اور وقار کا درس دیتا ہے، کو یوں غائب کر دیا گیا ہے کہ جیسے وہ تھا ہی نہیں۔ یہی اس کتاب کے اہداف میں سے اولین ہے کہ ہم اقبالؒ اور ان کے کلام کو پھر سے زندہ کریں اور اسے اپنی نوجوان نسل کے سامنے، ایک عملی پیغام کے طور پر پیش کریں۔ مسلمان قوم کو یا ہمیں بحیثیت ایک ملک کے اگر اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے، عزت و خودداری کا کوئی سبق سیکھنا ہے، تو اس کیلئے ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم علامہ اقبالؒ کی طرف رجوع کریں۔

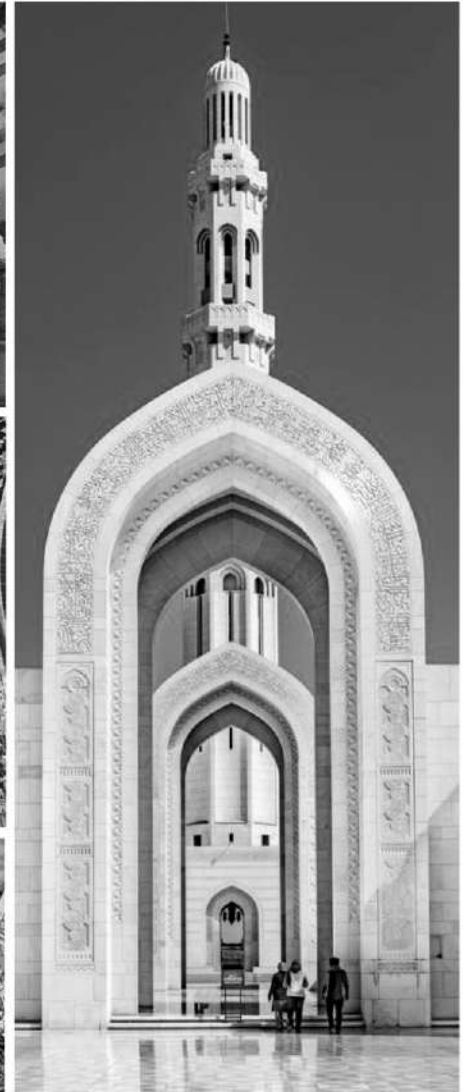
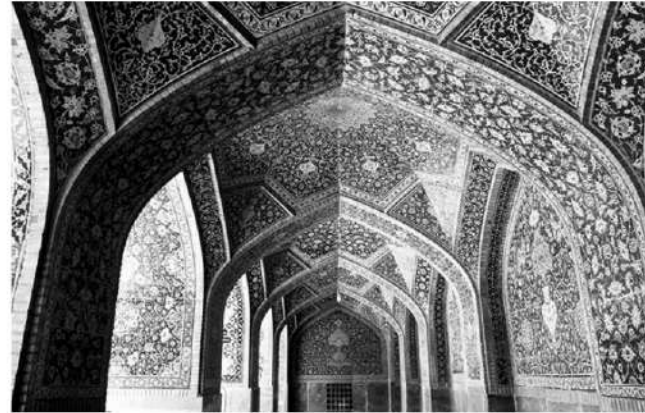
اگر آپ چودہ سو سال کی مسلم تاریخ کو اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو اس میں تین بڑے واضح ادوار نظر آتے ہیں: پہلا دور قرون اولیٰ کا ہے کہ جب حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد خلافت راشدہ قائم ہوتی ہے، جس میں مسلمان تہذیب پوری دنیا میں پھیلتی ہے۔ پچاس ساٹھ سال کے اندر حال یہ تھا کہ چین سے لیکر مغربی افریقہ اور سپین کے اندر تک مسلمان تہذیب تین براعظموں میں داخل ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کی صدیوں میں بھی جو اسلامی سلطنت قائم ہوتی ہے، چاہے بنو امیہ کے دور میں ہو، یا بنو عباس میں، اندلس میں ہو یا ایشیا وسطیٰ میں، خلافت عثمانیہ میں ہو یا ہندوستان میں، اسلام ایک مضبوط تہذیب اور نظریے کے طور پر دنیا میں پھیلتا ہے۔ عسکری قوت کی بات کی جائے یا نظریاتی پختگی کی، ہر سطح پر مسلمانوں کا غلبہ واضح نظر آتا ہے۔ معیشت ہو، سائنس ہو، انجینئرنگ ہو، ریاضی ہو، تعمیرات ہوں، غرضیکہ جس مرضی شعبے میں آپ دیکھ لیجئے، اس وقت اسلامی تہذیب ہی دنیا کا مرکز تھی۔ پوری دنیا سے لوگ مسلمان علاقوں میں آتے تھے۔ قرطبہ، غرناطہ، بغداد، دمشق جیسے شہر تہذیب کے مراکز ہوا کرتے تھے۔ مسلمان تہذیب وسط ایشیاء میں بخارا سے لیکر روس اور چین تک پھیل چکی تھی۔ یہ مسلمانوں کے عروج کا دور تھا۔

اس کے کئی سو سال کے بعد دوسرا دور وہ تھا کہ جب مسلم تہذیب پھیلنا بند ہو چکی تھی مگر اپنی جگہ مستحکم تھی اور مغرب خود کو منظم کر کے مسلمانوں پر حملے کر رہا تھا۔ یہ صلیبی جنگوں کا دور تھا۔ صلیبی جنگیں بھی کئی سو سال چلیں کہ جن میں کبھی نور الدین زنگی اور کبھی سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہدین پیدا ہوتے رہے کہ جن کی تلواریں امت مسلمہ کی آبرو کی حفاظت کرتی رہیں۔

اگر آپ نوٹ کریں تو یہ وہ دور تھا کہ جب مسلمان اپنی سرحدوں سے نکل کر دوسرے ممالک پر حملے نہیں کر رہے تھے، بلکہ دشمن ممالک کی جانب سے مسلمانوں پر حملے ہو رہے تھے اور مسلمان صرف اپنے علاقوں میں دفاعی جنگیں لڑ رہے تھے۔ یہ وہ دور تھا کہ جب ہم اپنی عزت و آبرو کا دفاع اپنے گھروں میں رہتے ہوئے کر رہے تھے اور جو تہذیب ہم نے پہلے اپنے عروج کے دور میں قائم کی تھی، اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کو بہت نقصانات بھی ہوئے، مثلاً چنگیز خان اور اس کی قوم کہ جو منگولیا سے اٹھی، وہ پوری مسلم دنیا کو روندتی چلی گئی۔ بغداد کا نقصان اتنا شدید تھا کہ امت مسلمہ کی تاریخ میں کبھی اتنا شدید صدمہ مسلمانوں نے اس سے پہلے نہیں اٹھایا تھا۔ خلافت کا مرکز، بغداد روند دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی خلافت کا دار الخلافہ، تاخت و تاراج ہوا، خلیفہ کو قالین میں لپیٹ کر گھوڑوں کے نیچے روند دیا گیا، لاکھوں مسلمانوں کو قتل عام کے بعد جلع میں پھینک دیا گیا اور مسلمانوں کی کتابیں، لائبریریاں اور تہذیب جلا کر رکھ دی گئی۔ اس کے باوجود مسلمان نظریاتی طور پر اتنے مضبوط تھے کہ جلد ہی اپنے پیروں پر اٹھ کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد خلافت عثمانیہ قائم کی اور پھر اپنے عروج پر جا پہنچے۔

تیسرا دور تقریباً آج سے اڑھائی سو سال پہلے، خاص طور پر ۱۵۷۱ء کی جنگ پلاسی کے بعد، شروع ہوتا ہے کہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی بنگال پر قبضہ کرتی ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال شروع ہوتا ہے۔ ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ کی شہادت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان شہید ہوتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں ہم جنگ آزادی بارتے ہیں۔ یہی وہ دور ہے کہ جب خلافت عثمانیہ بھی اپنی جگہ پر کمزور ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ تیسرا دور زوال کا دور ہے۔ یہ زوال کا دور ۱۹۲۳ء تک چلتا ہے کہ جب خلافت عثمانیہ مکمل طور پر تباہ کر دی جاتی ہے۔ اسی دور میں اقبال پیدا ہوتے ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو ان کے تینوں ادوار میں عہد حاضر سے زیادہ تاریک دور مسلمانوں پر کبھی نہیں آیا۔ پوری مسلم دنیا مغربی طاقتوں کی نوآبادیات میں تبدیل ہو گئی تھی اور پہلی مرتبہ مسلمان سیاسی خلافت کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیئے گئے۔

اقبالؒ کے آنے کے بعد ایک نیا دور شروع ہوتا ہے کہ جو دوبارہ عروج اور نشاۃ ثانیہ کا دور ہے۔ اس کو ہم آگے بیان کریں گے۔



مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور اقبال تینوں بزرگ تاریخ ساز شخصیات ہیں۔ یہ تینوں وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں مسلمانوں کی تقدیر تبدیل کر دی۔ مجدد الف ثانی کا تو لقب ہی ”مجدد الف ثانی“ ہے کہ جس کا مطلب ہے کہ دوسرے ہزار سال کے مجدد۔ ان کے بعد شاہ ولی اللہ اور پھر علامہ اقبال، یہ تین بڑے معاشرتی مفکر، فلسفی، صوفی، ماہر عمرانیات، صاحب بصیرت اور ایسے روحانی وجود ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے دور میں امت مسلمہ، خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کو سنبھالا دیا۔

تینوں کے ادوار مختلف ہیں۔ یہ مسلم تہذیب کے وہی تین ادوار ہیں کہ جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

مجدد الف ثانی اکبر بادشاہ کے زمانے میں تھے۔ یہ وہ دور تھا کہ جب مغل حکومت اپنے عروج کی طرف جا رہی تھی اور اکبر گمراہ ہونے لگا تھا۔ اس نے ”دین الہی“ کے نام سے ایک نئے مذہب کا اعلان کر دیا اور اسلام کے نام پر خرافات شروع کر دی تھیں۔ وہ اسلام کو ہندو مذہب کے ساتھ جوڑ کر ایک نیا دین ایجاد کرنے کی کوشش میں تھا۔ اکبر سے پہلے آٹھ سو سال سے مسلمان ہند پر حکومت کر رہے تھے۔ اکبر اور اس کے بعد مغلیہ دور کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت مجدد کی حکمت عملی مختلف تھی، چونکہ حکمران وقت مسلمان تھے۔ مسلمانوں کی حکومت تھی کہ جو کئی سو سال سے چلی آرہی تھی۔ حکمران گمراہ ہو گیا تو مجدد الف ثانی نے ریاست کے خلاف بغاوت برپا کرنے کے بجائے آس پاس کے مسلمان حکمرانوں، جرنیلوں، وزراء، دانشوروں اور علماء وغیرہ پر کام کیا تاکہ بادشاہ کی گمراہی کے فتنوں کو روکا جاسکے۔

جب اکبر کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے بیٹے جہانگیر پر انہوں نے اتنا زیادہ کام کیا ہوا تھا کہ وہ تمام فتنے کہ جو اکبر نے شروع کرائے تھے، جہانگیر نے خود اپنے ہاتھ سے ان کو ختم کیا۔ مجدد الف ثانی نے ریاست سے بغاوت نہیں کی حالانکہ ان کو جیل میں بھی بند کیا گیا، سختیاں بھی کی گئیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے مکتوبات کے ذریعے مسلمان حکمران کے وزراء اور مشیروں پر جس طرح کام کیا وہ تاریخ کا ایک غیر معمولی باب ہے۔

اس زمانے کا تقاضا تھا کہ ریاست کے خلاف بغاوت نہ کی جائے۔ اگر ریاست کے خلاف بغاوت کی جاتی تو پھر ہندوؤں کو سرائٹھانے کا موقع مل جاتا۔ مسلمان چونکہ ہندوستان میں اقلیت میں تھے تو ہندوؤں، مرہٹوں یا سکھوں کو موقع ملتا کہ مسلمان ریاست کی جڑ کاٹ دیں، لہذا حضرت مجدد الف ثانی نے اس نظام کے اندر رہتے ہوئے، حکمرانوں اور نظام کی اصلاح کی۔ اُس وقت کی حکمت عملی مختلف تھی، کیونکہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔

اس کے مقابلے میں شاہ ولی اللہ کا دور دیکھیں، کہ جو اس کے تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد، اور نگ زیب عالمگیر کے بعد آتا ہے، تو وہ فتنوں کا دور تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب مغلیہ حکومت تقریباً ختم ہونے کے قریب تھی۔ حال یہ تھا کہ دہلی کا مرکز مضبوط نہیں رہا تھا۔ مرہٹوں نے سر اٹھالیا تھا اور وہ قتل و غارت کرتے ہوئے دہلی کے قریب آ پہنچے تھے۔ مرہٹہ ریاست جنوب میں تھی، لیکن شمالی ہندوستان



میں بھی مسلمانوں کی جان، مال، عزت و آبرو اور سیاسی طاقت، کچھ بھی محفوظ نہ رہ گیا تھا۔ اس دور میں شاہ ولی اللہ نے ایک طرف تو مسلمانوں کی تربیت کا آغاز کیا تو دوسری طرف ایک سیاسی صاحب بصیرت ہونے کے ناطے انہوں نے مسلمانوں کی ریاست کو بچانے اور مستحکم کرنے کی کوشش بھی کی۔

لیکن اقبال کا دوران دونوں بزرگوں کے ادوار کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے دشوار گزار، تاریک تر اور کٹھن تر تھا.....

حالی نے اپنی مسدس میں بھی اس صورتحال پر آنسو بہاتے ہوئے نہایت ہی دلگداز شعر کہے ہیں:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

پستی کے اس دور میں مسلم دنیا میں دو بڑی تحریک بھی شروع ہوتی ہیں۔ ایک تحریک ”اعتدال پسندوں“ کی تھی کہ جو یہ سمجھتے تھے کہ حالات اب بہت خراب ہو چکے ہیں، لہذا اب تصادم اور انقلاب کا راستہ ترک کر کے ہمیں انگریزوں کے ساتھ مصالحت سے چلنا چاہیے، مثلاً سرسید احمد خان و دیگر ہم خیال۔ دوسری جانب جمال الدین افغانی کی تحریک تھی کہ جس کا مقصد خلافت عثمانیہ کے تحت مسلمانوں کو متحد کرنا اور انگریز استعمار کے خلاف بغاوتیں برپا کر کے امت کو دوبارہ عروج کی جانب لے کر جانا تھا۔ مگر حقیقت اور وقت کا دھارا ان دونوں تحریک کے خلاف تھا۔ گو کہ سرسید نے مسلمانوں کی تعلیم پر کچھ کام کیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی خطرات میں گھری مسلمان امت کو ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالنے کا کوئی بھی پائیدار حل نہ دے سکے۔ دوسری جانب جمال الدین افغانی کی تحریک بھی اپنی موت آپ مر گئی کہ جب خلافت عثمانیہ اپنے ہی بوجھ تلے دب کر دم توڑ گئی۔

اس سے پہلے کہ ہم اقبال کی طرف جائیں تو ہوا اس دور اقبال پر بھی نگاہ ڈالتے ہیں۔

ہندوستان کی جو صورتحال اس دور میں تھی، وہ مولانا الطاف حسین حالی کے ان الفاظ سے بالکل واضح ہو جاتی ہے:



The Muslim nation is devastated. Those who were in power are now living in disgrace. Those who were leading an honorable life are in dust. Knowledge has vanquished and religion is there only in name. Everyone is crippled by the customs and rituals; ignorance and blind following is paramount. The prosperous class that could help the nation is in oblivion. The Ulema who can play a greater role in reforming the nation are ignorant of the needs and welfare of the nation.

Altaf Hussain Hali

”مسلمان تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ ان میں سے جو اقتدار اور اختیار رکھتے تھے رسوا ہو چکے۔ جو ایک باعزت زندگی گزار رہے تھے وہ اب ذلیل و خوار ہیں۔ علم اٹھ چکا ہے۔ مذہب صرف نام کو باقی رہ گیا ہے۔ لوگ رسوم و رواج کی پیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جہالت اور اندھی تقلید طول و عرض میں پھیل چکی ہے۔ امراء کہ جن سے امیدیں وابستہ تھیں، حالات کے ادراک سے قاصر ہیں۔ علماء کہ جو مذہب کے احیاء اور تجدید کے معاملے میں کوئی کردار ادا کر سکتے تھے، قوم کی ضروریات اور فلاح سے قطعاً بیگانہ ہیں۔“



سرسید احمد خان و دیگر مسلمان اکابرین کے ساتھ، گود میں اپنے صاحبزادے کو اٹھائے ہوئے

جس میں اقبال تشریف لائے، کہ اس پس منظر کے بغیر نہ تو آپ اقبال کو جان سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی بلند اقبالی کو۔ اقبال کی شخصیت کی تعمیر میں ان کے عہد کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جس کرب سے اس دور میں انسانیت بالعموم اور امت مسلمہ بالخصوص گزر رہی تھی، وہ اس آتش فشاں کی مانند تھا کہ جس کی حدت نے اقبال کے پورے وجود کو پگھلا کر کندن کر دیا۔ اس قیامت خیز عہد میں امت مرحوم کی اتنی بے بسی نے اقبال کے پورے وجود کو اس قدر احساس زیاں میں مبتلا کر دیا کہ ان کی تمام تر حسیات، لطافت کی آخری حدوں تک بیدار ہو گئیں۔ اب اقبال نہ صرف مادی دنیا کی بصارت رکھتے تھے بلکہ ان کی بصیرت باطنی دنیا کے پردوں کو بھی چیر کر ذات الہی کی رازدار بن چکی تھی۔

اگر ہم اقبال کے فکری ارتقاء کا جائزہ لیں تو ہمیں وہ اپنی نوجوانی کے دور ہی سے ایک علمی عمق (genius) کے طور پر نظر آتے ہیں کہ جو مادی علوم میں بھی اتنی ہی مہارت رکھتے تھے کہ جتنی روحانی اور مابعد الطبیعیاتی (metaphysical) میں۔ اقبال کے علوم اس قدر حیرت انگیز تضادات کا مجموعہ تھے کہ جس کی مثال نہ تو شرق و غرب میں کہیں ملتی ہے اور نہ ہی ان کے بعد آج تک کوئی ان کا ثانی پیدا ہو سکا ہے۔ فطرت کی طرف سے اقبال کو عطا کردہ کمال اس قدر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا تھا کہ ان کے ہم عصر دانشور بھی بے ساختہ ان کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی اقبال کے حقیقی، علمی اور روحانی مقام کی گرد بھی نہ پاسکا۔



مشہور نوبل انعام یافتہ جرمن ناول نگار و شاعر ہرمن ہس (Herman Hesse) نے اقبال کو ان الفاظ میں خراج تحسین



Iqbal belongs to three domains of the spirit and intellect, the source of his tremendous work: the worlds of India, of Islam, and of Western thought.

Herman Hesse

پیش کیا:

”اقبال کے شاندار روحانی و فکری کام کو ہم

تین دائروں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

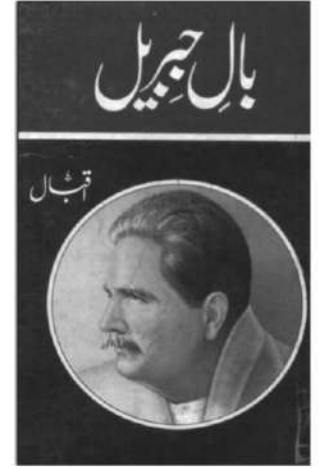
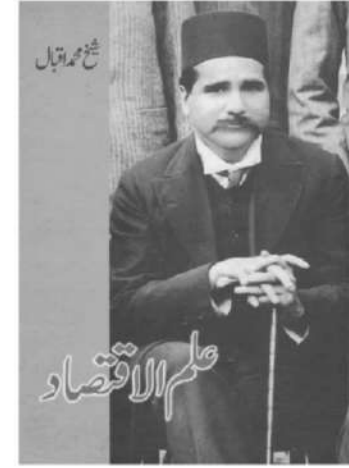
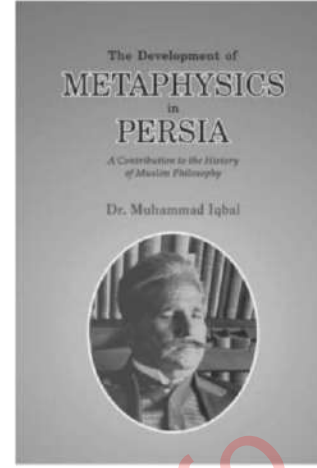
ہندوستان کا میدان عمل،

اسلام، اور مغربی فکر و فلسفہ۔

ان دونوں تحریک کے متوازی ایک تیسری اور منفرد سوچ بھی پیدا ہوئی کہ جس کی بنیاد اقبال نے رکھی۔ اقبال نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے، حقیقت پسندی کی بنیاد پر، نظریاتی اور روحانی بنیادوں کو از سر نو تعمیر کرنے کا ایک ایسا رومانوی تصور دیا کہ جو اس سے قبل امت مسلمہ کی تاریخ میں کسی صاحب نظر نے پیش نہیں کیا تھا۔ اقبال کے مطابق جب تک مسلمان اپنی اصل حقیقت یعنی ”حقیقت انسانیہ“ کو نہیں پہچانیں گے، اس وقت تک کوئی بھی تدبیر، سیاست یا سائنسی ترقی مسلمانوں کی تقدیر تبدیل نہیں کر سکتی۔ اقبال نے اسی روحانی نظریے کو ”فلسفہ خودی“ کا نام دیا کہ جس سے امت مسلمہ اس سے پہلے نا آشنا تھی۔ یہ معرفت اور حقیقت کی معراج کے ساتھ جدید دنیاوی تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہوا ایک ایسا انقلابی نظریہ تھا کہ جس کی بنیاد پر ”جنیدی“ اور ”اردشیری“ نے یکجا ہو کر امت مسلمہ کا احیاء کرنا تھا۔ یہ ایک ایسا حیرت انگیز تصور حیات تھا کہ جس کی زد میں ساری خدائی تھی۔ اس سے زیادہ مسحور کن، انقلابی، روحانی اور جدید نظریہ حیات انسانی تاریخ میں اس سے قبل کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ اسی لیے اقبال کو ”مرد استقبال“ بھی کہتے ہیں کہ جو آنے والے دور کو بھی اپنی مٹھی میں مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

مسلم دنیا اور خصوصاً ہند کی تاریخ اور سماجی حالات مختصر بیان کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ اس ماحول سے کچھ حد تک آشنا ہو جائیں کہ

اسی طرح اقبالؒ نے بھی شروع شروع میں ہندوستانی قومیت پرستی کی جانب نگاہ کی۔ اسی دور میں انہوں نے وہ مشہور ترانہ ہندی لکھا: ”سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا“۔ آج بھی یہ نظم ہندوستان میں ایک قومی ترانے کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر اقبالؒ کے فکری ارتقاء کا یہ دور مختصر ہی تھا اور جلد ہی آپ کی توجہ امت مسلمہ کی جانب مبذول ہو گئی۔ ۱۹۰۵ء تک کہ جس سال اقبالؒ یورپ کے لیے روانہ ہوئے، اقبالؒ ”پین اسلامک“ یعنی اتحاد بین المسلمین کے داعی ہو چکے تھے، اور اس کے بعد آپ نے ”چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا، مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا“ لکھا۔ یعنی آپ کی فکر ہندوستان کی حدود سے نکل کر آفاقی ہو چکی تھی۔ یہ اقبالؒ کے سیاسی و فکری ارتقاء کی محض ایک جھلک ہے۔



اقبالؒ کے علم اور روحانی مقام کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب وہ نوجوانی میں بطور ایک فلسفی اور مفکر ابھر رہے تھے تو اسی دور میں آپ نے چار کتابیں بھی لکھ ڈالیں۔ ان میں سے ایک حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے شاگرد عبدالکریم الجلیلی کی معرکہ الآراء کتاب ”الانسان اکامل“ پر مختصر شرح تھی۔ الجلیلی کی یہ کتاب اسلامی تصوف میں کسی بھی انسان کو حاصل ہونے والے بلند ترین روحانی مقام پر فائز وجود کی خصوصیات پر ہے۔ یہ کتاب معرفت اور حقیقت کی معراج کے اتنے دقیق اور نازک معاملات پر بحث کرتی ہے کہ ہر دور میں شاز و نادر ہی کوئی ایسا وجود ہوا ہے کہ جو اس عظیم کتاب کی روح کو سمجھ سکا ہو۔ جس بحر معرفت کے کنارے بڑے بڑے علماء، صوفیاء اور ابدالوں نے خاموشی اختیار کی، اقبالؒ جوانی میں ہی اس بحر بیکراں سے سیراب ہو چکے تھے۔ آنے والے دور میں جب اقبالؒ نے معرفت اور حقیقت کی معراج کو اپنے کلام میں بیان کرنا شروع کیا تو ہمیں اس میں واضح طور پر حضرت محی الدین ابن عربیؒ اور شیخ عبدالکریم الجلیلی کا فیض بھی نظر آتا ہے۔

اسی دور میں اقبالؒ نے ایک دوسری کتاب برطانیہ کی سیاسی تاریخ پر لکھی کہ جس کا مقصد مغربی تہذیب کے پس منظر کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اقبالؒ کی تیسری کتاب سیاسی معاشیات پر تھی کہ جس میں انہوں نے اس دور کی سیاسی معاشیات، بشمول سرمایہ داری نظام و اشتراکیت کی حقیقت کو واضح کیا۔ چوتھی کتاب اقبالؒ نے اقتصادیات پر لکھی کہ جس کا عنوان ”علم الاقتصاد“ تھا۔ اس کتاب میں علامہؒ نے کرنسی کا تصور، اس کا اتار چڑھاؤ، روپے کی گردش، اشیاء کی قیمت کے تعین کے اصول وغیرہ کو واضح کیا، کہ جو معاشیات کی بنیادیں ہیں۔ بیس بائیس کی عمر میں قدرت کی طرف سے اقبالؒ کو ان علوم سے لیس کیا جا رہا تھا کہ جو آنے والے دور میں اقبالؒ کا وہ ہتھیار بننا تھے کہ جن سے انہوں نے زمانے کے طاغوتوں کے خلاف ضرب کلیم لگانی تھی۔ امت رسول ﷺ کے ابھرتے ہوئے اس ستارے کو نوجوانی میں ہی جہاد زندگانی کی شمشیروں سے مسلح کر دیا گیا تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبالؒ کو بھی حضرت ابراہیمؑ ہی کی طرح ایک فکری ارتقاء کے عمل سے گزرا گیا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اول اول ستارے، پھر چاند اور پھر سورج کو اپنا خدا جانا تھا کہ جس کے ڈوبنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ”میں ڈوبنے والوں کو نہیں چاہتا“۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے

ہم نے پچھلے باب میں امت کے تین مختلف ادوار میں اٹھنے والے مجدد دین کا ذکر کیا۔ ان میں پہلا نام مجدد الف ثانی کا ہے، کہ جنہوں نے اکبر کی اسلام میں تحریفات کی کوششوں کا سد باب کیا۔ دوسرا نام شاہ ولی اللہؒ کا ہے، کہ جنہوں نے عوام الناس کی تربیت کا فریضہ سرانجام دیا، قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا، کئی کتابیں لکھیں، کئی مقالے لکھے، دعوت و تبلیغ کے ذریعے دوبارہ سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور سیاسی سطح پر احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کے خلاف جنگ کی دعوت دے کر ہندوستان میں مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی طاقت کو سہارا دینے کی کوشش کی۔

شاہ ولی اللہؒ کے بعد، جو تیسرا وجود مسلمانوں کو بیدار کرنے کے حوالے سے ہمیں نظر آتا ہے، وہ علامہ اقبالؒ ہیں۔ اگر آپ تینوں ادوار کا موازنہ کریں تو مجدد الف ثانی اس دور میں تشریف لاتے ہیں کہ جب مسلمان عروج پر تھے۔ شاہ ولی اللہؒ اس دور میں تشریف لاتے ہیں کہ جب مسلمانوں میں زوال کا آغاز ہو چکا تھا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ علامہ اقبالؒ ایسے دور میں تشریف لاتے ہیں کہ جب مسلمانوں پر زوال اور غلامی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا پوری طرح چھا چکا تھا۔

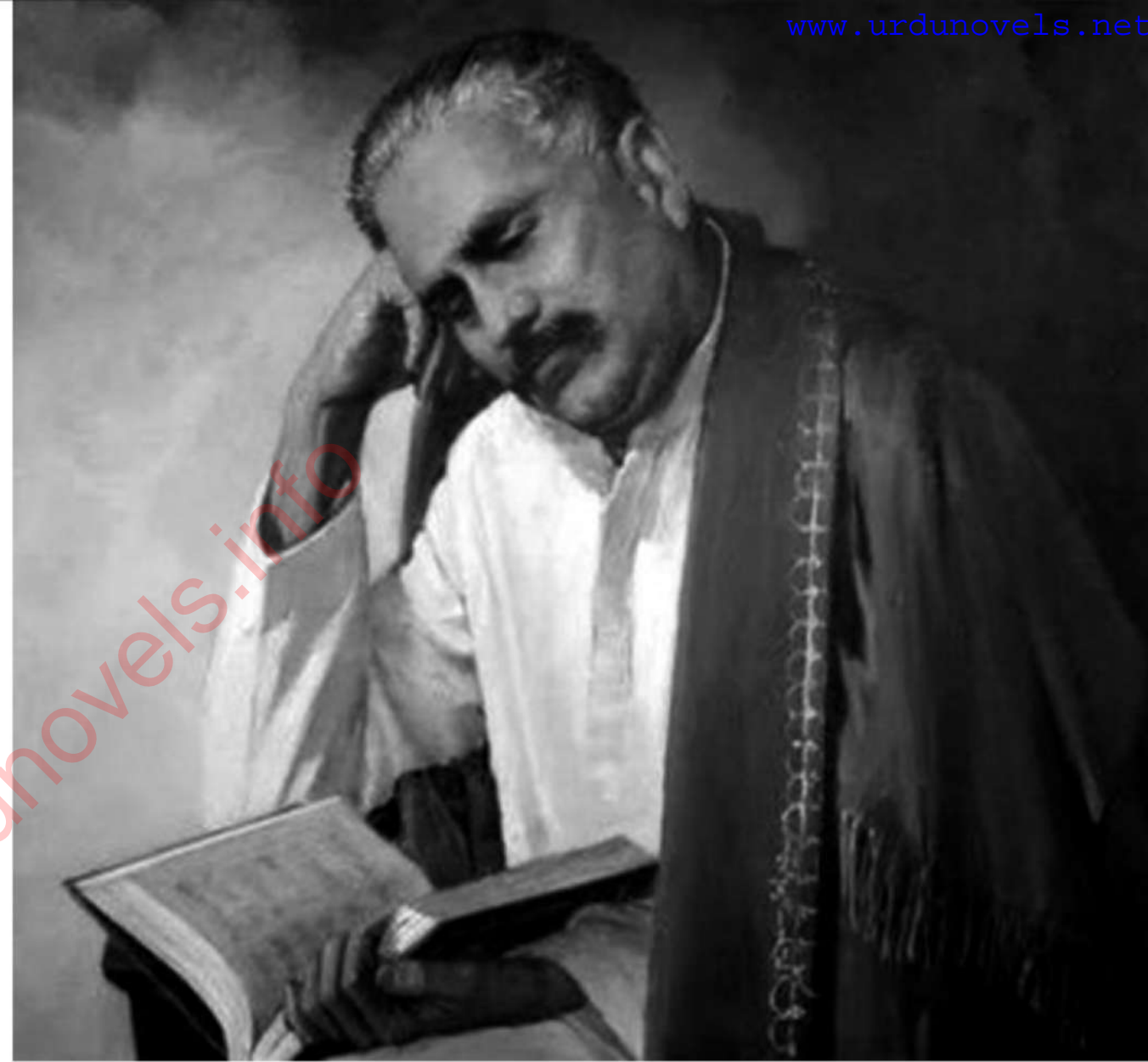
ان تینوں کا کام ایک ہی تھا، حالات، واقعات اور تاریخ کے ادوار البتہ مختلف تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی جب اپنے دور میں کام کا آغاز کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کی:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی



اگر آپ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کے مختلف ادوار کو اٹھا کر دیکھیں تو آغاز میں قیادت عربوں کے پاس تھی۔ اس کے بعد قیادت ترکوں کو منتقل ہو گئی کہ جس کا ظہور خلافت عثمانیہ کی شکل میں ہوا۔ اقبال کا اس دور میں آنا ایک بہت بڑی نوید اور بشارت ہے کہ اب قدرت کی طرف سے قیادت فطری اور تاریخی طور پر اس خطے کے مسلمانوں یعنی مسلمانان ہند اور خراسان، یعنی وہ تمام علاقے کہ جو ایران، افغانستان اور وسط ایشیا کے علاقے بنتے ہیں، کو دی جائے گی۔ اقبال جیسے مفکر، دانشور اور مجدد کامت مسلمہ کے دور زوال میں آنا ہی بذات خود ایک بہت بڑی روحانی بشارت ہے۔ اقبال کی آمد سے وہ بہت بڑا خلاء پر ہو گیا کہ جو حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے بعد پیدا ہو گیا تھا۔

اگر آپ اس بات کو نوٹ کریں تو خاص طور پر برصغیر، کہ جس میں پاکستان بھی شامل ہے نیز ایران، افغانستان اور ایشیا وسطی کے علاقوں میں اقبال کے کلام نے جو اثر ڈالا ہے وہ انتہائی غیر معمولی ہے۔ اقبال نے اس پورے خطے کے بارے میں، جو کچھ آگے ہونے والا ہے، سے متعلق انتہائی حیرت انگیز پیش گوئیاں کی ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے ایران کے بارے میں کہا کہ:



یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ کیونکہ تین سو سال سے ہند میں روشنی کی کوئی کرن نہیں، کوئی امید نظر نہیں آتی، مکمل اندھیرا چھا چکا ہے، لہذا اب وقت ہے کہ آپ اس امت پر اپنا کرم فرمادیں۔ اسی لیے اقبال نے اپنے کلام کے بارے میں کہا کہ میری شاعری کو تم محض شاعری سمجھ کر نظر انداز نہ کر دینا۔ میں محرم راز ہوں، یعنی اندر کے راز جانتا ہوں۔ تاریخ اور تقدیر کے جو فیصلے اللہ نے اس امت، اس ملت کے بارے میں کیے ہوئے ہیں، میں ان رازوں سے آگاہ ہوں، اور جو کچھ میں اپنی شاعری کے ذریعے تمہیں پیغامات دینا چاہتا ہوں، وہ آئیو الے کل کی خوشخبریاں اور بشارتیں بھی ہیں۔



۱۹۹۲ء: تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبہ میں انقلابیوں کا جلوس

ہم اقبالؔ کے اس خطے میں بھیجے جانے کی حکمت سے متعلق بات کر رہے تھے۔ آج اگر آپ پاکستان کا کردار دیکھیں تو پاکستان امت مسلمہ کی آخری چٹان نظر آتا ہے۔ ہم مسلم دنیا کی واحد ایسی طاقت ہیں۔ امت کا مرکز نقل پاکستان ہے۔ خدا نخواستہ، اگر پاکستان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کے بعد امت مسلمہ کے دفاع کیلئے کوئی طاقت باقی نہیں بچے گی۔

آج افغانستان میں فساد ہے۔ ایران بھی ایک مشکل دور سے گزر رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں بھی مسلمان ممالک کو تقسیم کیا جا رہا ہے اور وسط ایشیا میں بھی تبدیلی کی لہر اٹھ رہی ہے۔ پوری دنیا کی نگاہیں اسی خطے پر ہیں۔ پاکستان اس وقت پوری مسلم دنیا کے دشمنوں کا ہدف ہے، اور امت مسلمہ کی امیدیں بھی اسی سے وابستہ ہیں۔ آنے والے دور میں کیا ہونے والا ہے؟ اس میں کیا تبدیلیاں واقع ہوگی؟ اس میں امت کو کیا شاندار عروج ملے گا؟ اور مسلم امت کا مرکز اس خطے کو کیونکر بنائے؟ اس سے متعلق بشارتیں اقبالؔ ہمیں دے کر جا چکے ہیں۔

اقبالؔ اس آنے والے وقت کو دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جایگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہ ناقابل یقین محسوس ہونے والی بشارتیں انہوں نے اس خطے کے مسلمانوں ہی کیلئے دی ہیں۔

آنکھ جو دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

طہران ہو گر عالم مشرق کا جینوا
شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے!

یعنی اگر طہران ایک مشرقی جینوا بن جائے، یعنی امت مسلمہ کیلئے اقوام متحدہ کی طرز کا ایک مرکز بن جائے تو پوری انسانیت کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

افغانستان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ:

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان در آں پیکر دل است
از فساد او فساد آسیا
در کشاد او کشاد آسیا

ایشیا ایک جغرافیائی اکائی ہے اور اس میں افغانستان کو دل کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر افغانستان میں فساد ہوگا تو پورے ایشیاء میں فساد ہوگا۔ اگر افغانستان میں امن ہوگا تو پورا ایشیاء پر امن رہے گا۔ اور اب حقیقت بھی یہ ہے کہ ۱۹۷۹ء کے بعد سے افغانستان میں فساد ہے اور اس کی وجہ سے پاکستان اور پورے خطے میں مختلف نوعیت کی جنگیں اور شورشیں برپا ہیں۔ اقبالؔ کی دوراندیشی دیکھیے کہ انہوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں ہی ان فتنوں کا اندازہ کر لیا تھا کہ جو صدی کے آخر اور اکیسویں صدی میں برپا ہونے والے تھے۔

۱۹۹۲ء وہ دور تھا کہ جب تاجکستان میں انقلاب برپا ہو رہا تھا۔ وہاں لاکھوں کا مجمع حکومت وقت کے خلاف سرکوں پر ہوتا تھا، اور علامہ اقبالؔ کا یہ شعر انقلابی نغمے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا:

معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز

اے وہ کہ جس نے حرم کی تعمیر کی تھی، اٹھو! اور دوبارہ زمانے کی تعمیر کرو، اور جس گہرے خواب میں تم ڈوبے ہوئے ہو، اس سے بیدار ہو جاؤ!

اقبالؔ کا یہ غیر معمولی کلام ۱۹۹۲ء میں وسطی ایشیاء میں انقلاب برپا کر رہا تھا۔ اس سے قبل ۱۹۷۹ء میں ایران میں بھی آنے والے انقلاب کی نظریاتی اور روحانی اساس کلام اقبالؔ پر ہی تھی۔

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

اس غیر معمولی وجود کا اس سرزمین میں آنا، برصغیر پاک و ہند اور فارسی بولنے والے خطے یعنی ایشیاء وسطی، افغانستان اور ایران کے مسلمانوں کیلئے ایک بہت بڑی بشارت ہے۔ یہ تاریخی طور پر اس بات کی نشانی ہے کہ آنے والے دور کی قیادت اس خطے کے مسلمانوں کے پاس ہوگی اور اس میں ایک بہت بڑا کردار پاکستانی مسلمانوں کا ہوگا۔

علامہ اقبالؒ بنیادی طور پر اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے۔ ان کی نگاہ عالمی بلکہ آفاقی تھی۔ ۱۹۰۶ء میں اقبالؒ جب ایک طالب علم کی حیثیت سے برطانیہ گئے تو وہاں انہوں نے کیمبرج میں پہلے سے موجود اسلامک سوسائٹی کا نام تبدیل کر کے ”بین اسلامک سوسائٹی“ رکھ دیا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اقبالؒ میں اتحاد بین المسلمین کے لیے تڑپ اور جذبات اوائل سے ہی بھڑک رہے تھے۔ وہ قوم پرست نہیں بلکہ اتحاد امت مسلمہ کے داعی تھے۔ گوکہ انہوں نے شروع میں ہندی قومیت سے متعلق سطحی سی شاعری بھی کی کہ جس کا پس منظر ہم آگے بیان کریں گے، لیکن اتحاد بین المسلمین ہی ہمیشہ اقبالؒ کے پیش نظر رہا۔ وہ امت مسلمہ کے زوال سے کبیدہ خاطر تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ لارنس آف عربیہ کس طرح مقامی عرب قبائل کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ خلافت کے ٹوٹنے کا اقبالؒ کو گہرا صدمہ تھا۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

جس وقت یہ عرب انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کے ساتھ غداری کر رہے تھے، اس وقت اقبالؒ نے وہ شعر کہا کہ جس نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں آگ سی لگادی۔ کہتے ہیں:

بچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ ﷺ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اقبالؒ جب یورپ گئے تو خاص طور پر مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو دیکھنے کیلئے چین گئے۔ مسجد قرطبہ میں جب انہوں نے وہاں کے مقامی گائیڈ سے سوال کیا کہ کیا میں یہاں دو رکعت نماز ادا کر سکتا ہوں؟ تو عیسائی گائیڈ نے ان سے کہا کہ آپ یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اس پر اقبالؒ جلال میں آگئے اور کہا کہ تم ہمارے ساتھ یہ سلوک کیسے کر سکتے ہو کہ جب ہم نے یہاں آٹھ سو سال حکومت کی تو ہم نے تو کبھی تمہیں عبادت کرنے سے نہیں روکا! یہ جواب سن کر وہ گائیڈ سناٹے میں آگیا۔ اس نے کہا کہ ٹھہریے، میں بڑے پادری سے پوچھ کر آتا ہوں۔ وہ بڑے پادری سے اجازت لینے گیا تو پیچھے اقبالؒ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں اذان بھی دی اور نماز بھی پڑھ ڈالی۔ اس موقع کی ایک یادگار تصویر بھی ہے۔ انہوں نے قرطبہ اور چین پر بہت ہی دل گداز شاعری کی۔



اقبالؒ مسجد قرطبہ میں نماز ادا کرتے ہوئے



بنیادی طور پر اقبالؒ کا دائرہ نگاہ پوری امت مسلمہ پر محیط تھا۔ آپ کا میدان عمل اس لحاظ سے تو محدود ہو سکتا ہے کہ آپ نے فارسی اور اردو زبان میں شاعری کی اور ہندوستان کی سیاسی تحریک میں شریک رہے، لیکن آپ کا تصور اور نگاہ آفاقی تھی۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تاجنک کا شگر

اقبالؒ دوبارہ اس خلافت کے احیاء کی بات کرتے ہیں کہ جس کو بچانے کیلئے ہندوستان کے مسلمانوں نے تحریک خلافت شروع کی تھی۔ طرابلس کی جنگ میں ”فاطمہ بنت عبداللہ“ کے نام سے انہوں نے ایک انتہائی جذباتی نظم لکھی۔ یہ ان کی ۱۹۱۲ء کی شاعری ہے، کہ جب اٹلی نے خلافت عثمانیہ پر حملہ کیا تھا اور ترک مسلمان بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ اس وقت اقبالؒ ہند کے مسلمانوں میں حریت کی آگ بھڑکاتے رہے اور ترکوں کے ساتھ ہند کے مسلمانوں کی یکجہتی کا اظہار اپنی شاعری کے ذریعے کرتے رہے۔

فاطمہ تو آبروئے امت مرحوم ہے
زرہ زرہ تیری مشیت خاک کا معصوم ہے

طرابلس کی جنگ میں ایک بارہ سال کی ترک بچی غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تھی۔ اس واقعے پر اقبالؒ کی شاعری نے پورے ہندوستان کو رلا دیا تھا۔

اسی طرح ۱۹۱۲ء میں بادشاہی مسجد میں ایک جلسہ ہوتا ہے۔ ۱۹۱۲ء کی بات کر رہے ہیں کہ جب ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی عمل ابھی ابتدائی مراحل میں ہی تھا اور اقبالؒ کی نگاہ دیکھیے کہ اتحاد بین المسلمین کے

حوالے سے ان کی سرگرمیاں اسی دور میں شروع ہو چکی تھیں۔ جنگ طرابلس کے حوالے سے بادشاہی مسجد لاہور میں انہوں نے ایک نظم پڑھی کہ جس کا ایک شعر ہے:

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

یعنی اس نظم میں اقبال رضویؒ کی خدمت میں ایک تحفہ پیش کر رہے تھے اور جب انہوں نے یہ شعر پڑھا تو اس کے بعد یہ بتایا جاتا ہے کہ پوری بادشاہی مسجد میں لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، شہر میں ہنگامہ برپا ہونے کا اندیشہ ہو گیا، لوگوں کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے تھے۔

اس کے بعد مسلمانوں کے وفادار لیکن ترکی جانا شروع ہوئے۔ عورتوں نے اپنے زیور بیچ دیئے۔ مسلمانوں نے اپنی جان، مال، عزت سب کچھ ترکوں کی مدد کیلئے داؤ پر لگا دیا۔ آج بھی ترکی کے مسلمان اس قربانی کو یاد رکھ کر پاکستان کے مسلمانوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں میں خلافت سے محبت کی یہ آگ لگانے والے علامہ اقبالؒ تھے۔ اقبالؒ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو پوری امت میں آگ لگا سکتا ہوں لیکن میری قوم ابھی اس بوجھ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ ابھی وہ منظم نہیں، فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے لہذا میں احتیاط سے کام لیتا ہوں۔

علامہ اقبالؒ نے جب پیام مشرق لکھی تو اسے افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خان کے نام معنون کیا۔ لوگوں نے اس پر بھی یہی سوال کیا کہ آپ نے اسے امان اللہ خان کے نام کیوں معنون کیا؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ وہی اس وقت ایک واحد آزاد مسلمان ریاست کا سربراہ ہے۔ باقی پوری مسلمان دنیا تو غلام ہو چکی تھی حتیٰ کہ مکہ اور مدینہ میں بھی خلافت کے خلاف عرب قبائل کی بغاوت برپا تھی۔ اقبالؒ کو مسلمان حکمرانوں سے بہت امیدیں تھیں۔ انہوں نے خاص طور پر افغانستان کے بادشاہوں پر بہت زیادہ کام کیا۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء کے دور میں آپ کو یاد ہوگا کہ ہندوستان میں ہجرت کے فتوے جاری ہو گئے تھے۔ تحریک ہجرت جاری تھی اور مسلمان بڑی تعداد میں افغانستان جا رہے تھے۔ کثیر تعداد میں لوگوں نے اپنے گھریلو، اپنے کاروبار ختم کر کے ہجرت کا آغاز کر دیا۔ یہ تحریک یوں برپا ہوئی تھی کہ چونکہ انگریزوں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد مسلمانوں کے ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا کہ جو مسلمانوں کیلئے متبرک تھے، قبلہ اول بھی انگریزوں کے پاس چلا گیا تھا اور خلافت عثمانیہ کو بھی توڑ دیا گیا تھا، چنانچہ انگریزوں کے خلاف اتنا غصہ تھا کہ کچھ مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب وہ انگریزوں کی غلامی میں زندگی نہیں گزاریں گے، لہذا بڑی تعداد میں مسلمان افغانستان ہجرت کر گئے۔



۱۹۳۳ء: اقبالؒ افغانستان کے بادشاہ نادر خان کے ساتھ

اقبالؔ نے اپنے شعر میں صاف صاف یہ بشارت دی کہ:

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

یعنی میں کوفہ و بغداد کی طرف نہیں دیکھ رہا، نئی بستیاں آباد کرنے کی بات کر رہا ہوں۔ ان کو اشارہ ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں اہل نظر اب ایک نئی بستی آباد کریں گے۔ ان کی نگاہ اتنا آگے تک دیکھ رہی تھی۔

آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

جو کچھ ہونے والا تھا، وہ سب اقبالؔ نے بتا دیا لیکن اس مشن کی تکمیل کیلئے ان کو ایک رہنما کی ضرورت تھی۔ مفکر اور فلسفی تو یہ خود تھے ہی، اب ان کو ایک ایسا سیاسی لیڈر چاہیے تھا کہ جو مسلمانوں کی قیادت سنبھال سکے۔ اس کام کیلئے ان کی نگاہ قائد اعظمؒ پر پڑی۔ قائد اعظمؒ تب تک مایوس ہو کر ولایت جا چکے تھے۔ علامہ اقبالؒ پہلی اور دوسری گول میز کانفرنس پر لندن گئے اور قائد اعظمؒ سے ملاقات کی۔ اپنے تمام تر فلسفے اور نظریات کے ساتھ قائد اعظمؒ سے گھنٹوں بات چیت کی اور بالآخر قائد اعظمؒ کو قائل کر کے ہندوستان واپس لے آئے، اور مسلمانوں کی قیادت ان کے حوالے کی۔ علامہ نے اپنے پورے علمی اور روحانی مقام کی طاقت قائد اعظمؒ کی پشت پر کھڑی کر دی تاکہ اس عظیم مقصد کی تکمیل کیلئے قائد اعظمؒ کی حفاظت و حمایت کی جاسکے۔ اس کا ذکر ہم کتاب کے دوسرے حصے میں تفصیل سے کریں گے۔

کانگریس اور ہندوؤں کے فوڈ آکر علامہ اقبالؔ کو ورغلانے کی کوششیں کرتے کہ آپ مسلمانوں کے اتنے بڑے مفکر اور فلسفی ہیں، آپ خود کیوں نہیں لیڈر بنتے۔ اس پر علامہ اقبالؔ بھڑک کر کہتے تھے کہ مسلمانوں کے لیڈر جناح ہی ہیں اور میں ان کا ایک ادنیٰ سپاہی۔ ۱۹۳۷ء میں کہ جب پوری دنیا کے مسلمانوں نے علامہ کی بیماری کی خبر پھیلنے پر انہیں خطوط لکھے کہ جن میں سے اکثر میں یہ لکھا تھا کہ ہم آپ کی صحت اور لمبی عمر کیلئے دعا گو ہیں، تو علامہ نے جواباً تمام دنیا کے مسلمانوں کو خطوط لکھوائے کہ اب میرے لیے نہیں، جناح کیلئے دعا کریں کہ اب وہ مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔



۱۹۲۸ء میں جب بچہ ثقہ نے امان اللہ خان کا تختہ الٹ دیا اور جنرل نادر شاہ یورپ سے افغانستان اپنی حکومت واپس لینے کیلئے جا رہے تھے، تو علامہ اقبالؔ لاہور ریلوے سٹیشن پر ان سے ملاقات کرتے ہیں اور اپنی زندگی کی جمع پونجی، دس ہزار روپیہ نقد، نادر خان کو دیتے ہیں تاکہ وہ اس عسکری مہم کا خرچ اٹھا سکے۔ گوکہ نادر خان نے ان سے یہ رقم تو نہیں لی مگر اقبالؔ کا جذبہ دیکھیں کہ وہ افغانستان کے معاملات کو اس قدر سنجیدگی سے لیتے تھے۔ وہ آنے والے وقتوں میں امت مسلمہ کے حوالے سے افغانستان کے کردار کو دیکھ رہے تھے۔ آج اقبالؔ کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے وہ بھی جنرل نادر شاہ غازی کی طرف سے تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔

اقبالؔ ایک طویل فکری ارتقاء سے گزرنے کے بعد ”اقبال“ بنے اور ”حکیم الامت“ کے خطاب کے مستحق ٹھہرے۔ انہوں نے امت کے تمام امراض کی تشخیص کی۔ اسے زوال کیوں آیا؟ معاشرتی، فلسفیانہ، تکنیکی غرضیکہ ہر پہلو سے انہوں نے دیکھا کہ مسئلہ کہاں کہاں ہے؟ امت کی روحانیت کیوں گم ہو گئی؟ کہاں ان کا قرآن سے تعلق ٹوٹا اور کہاں سے ان کا اخلاقی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی زوال شروع ہوا؟ ہندوستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے، کہ جہاں انگریز بھی موجود ہیں، ہندو بھی موجود ہیں، جہاں مسلمان بھی مختلف قسم کی جماعتوں اور فرقوں میں منقسم ہیں، حکیم الامت نے ملت کے زوال کے سد باب کا یہ حل تجویز کیا کہ جب تک ہند میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست نہ بنائی جائے، اس وقت تک وہ مرکز نہ بن پائے گا کہ جس کی بنیاد پر خلافت اسلامی کا احیاء اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ ممکن ہو سکے گی۔ پاکستان ان کی نظر میں اس عظیم مقصد کے حصول کا ایک کلیدی نقطہ آغاز تھا، ایک ایسا مرکز کہ جس پر متحد ہو کر امت مسلمہ دوبارہ دنیا کی قیادت سنبھال سکتی تھی۔

۱۹۱۴ء میں اقبالؔ نے اپنی کتاب ”اسرار خودی“ لکھی۔ اسرار خودی ان کا ایک فارسی زبان کا شاہکار ہے۔ اس وقت تک تو ہندوستان کے مسلمان علامہ اقبالؔ کی اس سیاسی فکر سے ٹھیک طرح سے واقف بھی نہ تھے۔ اس وقت اقبالؔ کی توجہ کا مرکز فارسی بولنے والی دنیا تھی۔ ان کے والد نے خاص طور پر ان سے کہہ کر یہ کتاب لکھوائی تھی۔ اس دور میں جب یہ کتاب نکلی تو پوری دنیا میں اس نے تہلکہ مچا دیا۔ پروفیسر نکلسن نے برطانیہ سے علامہ اقبالؔ سے اجازت طلب کی کہ ہم اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ اقبالؔ اس خط کو پڑھ کر رو دیئے اور کہنے لگے کہ یہ کتاب میں نے مسلمانوں کیلئے لکھی ہے اور مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اسے پڑھنا بھی نہیں چاہتے اور انگریز اس کا ترجمہ کر کے اس سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پورے یورپ میں اس دور میں اس کتاب کے کئی زبانوں میں ترجمے شائع ہوئے اور یورپ کے حکمران بڑے شوق سے ان کو پڑھتے تھے۔

۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے اجلاس میں، بالآخر آپ تمام غور و فکر کے بعد روحانی طور پر اس مقام پر پہنچے کہ اب ایک نیا ملک بنانا ناگزیر ہے۔

کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

جب علامہ اقبالؒ کو دنیا میں بھیجے کا وقت آیا تو اب اللہ تعالیٰ کو بھی فیصلہ کرنا تھا کہ اقبالؒ کی پیدائش کیلئے کس بابرکت گھرانے کا انتخاب کیا جائے، کیونکہ ایک ظاہری وجود کی بھی اس دنیا میں تربیت تو کی جاتی ہے، اس کو دی جانے والی عظیم الشان ڈیوٹی کیلئے تیار تو کیا جانا ہوتا ہے۔ گوکہ:

کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

یعنی فطرت اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے حالات و واقعات کو خود ترتیب دیتی ہے، ساز باز کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مجھے اپنا کوئی مجدد، فقیر، درویش، جرنیل یا اپنا کوئی مجاہد امت کو بیدار کرنے کیلئے بھیجنا ہے، تو اسے کسی عام گھرانے میں پیدا نہیں کرتا۔ اگر آپ اس گھرانے کا پس منظر دیکھیں اور پھر اس ماحول کو مد نظر رکھیں کہ جس میں اقبالؒ کی پیدائش اور تربیت ہوئی، تو آپ پر اللہ کی یہ حکمت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

اقبالؒ کے والد شیخ نور محمد کشمیری تھے۔ اقبالؒ اپنے والد کا تعارف کرواتے ہیں کہ وہ ایک صاحب کشف، اللہ کے ولی، درویش اور فقیر تھے۔ یعنی اقبالؒ جیسے مفکر، دانشور اور فلسفی کہ جو یورپ کو دیکھ چکے تھے اور پوری دنیا پر ان کی نگاہ تھی، کے یہ خیالات ہیں اپنے والد سے متعلق۔ اقبالؒ کو اقبال بنانے میں اس فیض کا بہت دخل ہے کہ جو انہوں نے اوائل زندگی میں اپنے والد سے حاصل کیا۔



علامہ اقبالؒ کے بچپن کی ایک نایاب تصویر

سے واقف تھے۔ یہ قافلہ کابل سے آرہا تھا۔ چند دنوں کے بعد جب وہ قافلہ شہر پہنچا تو وہ مریض صحت یاب ہو چکا تھا۔ اس کے صلے میں قافلے والے شیخ نور محمد کو تحائف اور انعام دینا چاہتے تھے، لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔

یہ انتہائی غیر معمولی واقعہ اقبالؒ نے خود عطیہ فیضی کو سنایا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر علامہ اقبالؒ قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ ان کے والد ان کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ بیٹا! تم قرآن میں کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ جیسے ہمارے ہاں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، میں بھی ویسے ہی کرتا ہوں۔ اس پر انہوں نے اقبالؒ کے پاس بیٹھ کر انہیں بتایا کہ بیٹا! قرآن اس طرح پڑھو کہ جیسے یہ تم پر نازل ہو رہا ہے۔ اقبالؒ نے اس کی وضاحت چاہی تو انہوں نے جو وضاحت کی وہ انتہائی غیر معمولی تھی۔ فرمایا کہ دیکھو! یہ قرآن حضور ﷺ پر نازل ہوا۔ جب مسلمان حضور ﷺ کی محبت میں خود کو گم کرتا چلا جاتا ہے اور حضور ﷺ سے اس کا تعلق بڑھنے لگتا ہے، تو پھر یہ قرآن بھی اس شخص پر اپنے راز اسی طرح کھولنا شروع کر دیتا ہے کہ جیسے یہ اس پر نازل ہو رہا ہو۔ قرآن ہر دور میں اپنے راز کھولتا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ قرآن میں ڈوب جاؤ، تمہارا کام یہ ہے کہ حضور ﷺ کی محبت میں گم ہو جاؤ۔ جتنا تمہارا حضور ﷺ سے تعلق بڑھے گا، اتنا ہی یہ قرآن تم پر اپنے راز کھولنے لگے گا۔



علامہ اقبالؒ کی والدہ: امام بی بی

علامہ اقبالؒ کے والد: شیخ نور محمد

تین نکات تھے کہ جن کے فہم اور ان پر عمل نے اقبالؒ کو بدل کر رکھ دیا۔ پہلا حضور ﷺ سے نسبت، تعلق اور عشق، دوسرا قرآن سے تعلق، اور تیسرا دین کی خدمت۔ حکمت کے یہ تینوں راز اقبالؒ نے اپنے والد سے سیکھے۔

ایک مرتبہ، ان دنوں جب اقبالؒ اپنی تعلیم مکمل کر رہے تھے، اقبالؒ کے والد نے ان سے کہا کہ بیٹا! میں نے تمہاری تعلیم و تربیت پر بہت زیادہ پیسہ خرچ کیا ہے اور محنت کی ہے، لیکن ایک قرض ہے کہ جو تم پر واجب ہے، وہ تم ادا کر دینا۔ اقبالؒ ذرا حیران ہوئے کہ وہ کونسا قرض ہے کہ جو انہیں ادا کرنا ہے۔ ان کے والد فرمانے لگے کہ جو قرض تمہارے اوپر ہے، وہ یہ ہے کہ تمہیں اب دین کی خدمت کرنی ہے، اپنی ساری زندگی اللہ کے دین کیلئے وقف کرنی ہے۔

یہ بنیادی اصول یعنی حضور ﷺ سے عشق، نسبت اور تعلق، قرآن سے تعلق، اور دین کی خدمت، یہ تینوں باتیں ہی اقبالؒ کے والد نے کم عمری میں ہی ان کے ذہن میں جاگزیں کر دیں تھیں۔ اقبالؒ کے والد کے حضور ﷺ سے عشق اور نسبت کے کچھ انتہائی غیر معمولی واقعات ہیں کہ جو اقبالؒ کے بچپن سے متعلق ہیں۔

ایک دفعہ گھر میں کوئی سائل آیا کہ جسے اقبالؒ نے سختی سے جھڑک دیا۔ اس پر ان کے والد بے چین ہو گئے اور تقریباً روتے ہوئے اقبالؒ کو ایک طرف لے گئے اور بولے کہ بیٹا! مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے رسوا نہ کرنا۔ قیامت کے دن جب انبیاء، شہداء، صدیقین، صالحین اور ان کے علاوہ فاسق و فاجر بھی جمع ہوں گے، تو اس دن اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے یہ سوال کریں گے کہ یہ بچہ اللہ نے تمہیں دیا

ان کے والد خود بیان کرتے ہیں کہ اقبالؒ کی پیدائش سے پہلے انہیں اشارے ملنا شروع ہو گئے تھے، کہ ان کے گھر میں کوئی غیر معمولی وجود پیدا ہونے والا ہے۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت پرندہ اڑتا پھر رہا ہے اور اس پرندے کو پکڑنے کیلئے کئی ہاتھ اٹھ رہے ہیں، لیکن وہ خوبصورت پرندہ بالآخر ان کی گود میں ہی آگرتا ہے۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گھر میں کوئی بہت بابرکت ہستی بھیجے والا ہے۔ یہ واقعات اقبالؒ نے خود اپنی کتابوں میں لکھے اور اپنے دوستوں سے بیان کیے ہیں۔ جن لوگوں نے اقبالؒ کی زندگی پر کام کیا ہے، انہوں نے بھی یہ واقعات تحریر کیے ہیں۔

اقبالؒ کے گھرانے میں فقراء اور اولیاء کی محفلیں ہوا کرتی تھیں، کہ جن میں علم و حکمت، فقر اور قرآن کے اسرار و رموز کی گہرائیوں میں اترا جاتا تھا۔ اقبالؒ کی تربیت بچپن سے ہی انہی محفلوں میں ہوئی۔ اقبالؒ خود ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ چھوٹے تھے، تو ایک مرتبہ رات کے وقت ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے والد کے گرد روشنی کا ایک ہالہ بنا ہوا ہے۔ ان کی والدہ چونکہ والد کی رازدار تھیں، لہذا وہ خاموشی سے اقبالؒ کو ایک طرف لے گئیں اور انہیں پیار سے سونے کیلئے بھیج دیا۔ صبح جب اقبالؒ اٹھے تو اس مشاہدے سے متعلق پوچھا کہ جس سے ان کے والد گزشتہ شب گزرے تھے۔ ان کے والد نے انکا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ شہر کے باہر ایک قافلہ آیا ہوا ہے اور مجھے روحانی طور پر مشاہدہ کروایا گیا ہے کہ وہاں ایک شخص بہت بیمار ہے، چنانچہ میں اسکا علاج کرنے کیلئے جانا چاہتا ہوں۔

اقبالؒ اپنے والد کے ساتھ شہر سے تیس میل دور گئے اور وہاں جا کر اس مریض کو دیکھا کہ جو لا علاج ہو چکا تھا اور مرنے کے قریب تھا۔ شیخ نور محمدؒ نے اسکا علاج کیا، کچھ دوائیاں دیں اور گھر واپس آ گئے۔ نہ قافلے والے ان کو جانتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے یہ قافلے والوں

تھا تا کہ تم اس کی تربیت کرو اور اسے اللہ کے دین کی خدمت کیلئے تیار کرو۔ اگر تم اسی طرح سے معاملات کرو گے تو مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے رسوا ہونا پڑے گا۔ اپنے والد کی اس بات پر اقبالؒ ہل کر رہ گئے۔ ایک چھوٹے سے بچے کو پہلی دفعہ یہ سبق ملا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سرخرو ہونا یا رسوا ہونا کیا معنی رکھتا ہے! پھر اس کے بعد ساری زندگی کیلئے ہی اقبالؒ کی سوچ اور فکر کا محور و مرکز ہی تبدیل ہو گیا۔

اقبالؒ نے جو معرکتہ آراء شاعری کی ہے، اس میں آپ کو یہ پہلو بار بار نظر آتا ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ حضور ﷺ کے آگے ان کو شرمندہ ہونا پڑے۔ ان کے وہ خوبصورت ترین اشعار کہ جن میں وہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ:

تو	غنی	از ہر	دو	عالم	من	فقیر
روز	محشر	عذر	ہائے	من	پذیر	
ور	حسبم	را	تو	بنی	ناگزیر	
از	نگاہ	مصطفیٰ ﷺ	پہاں	بگیر		

یا اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے۔ میں ایک فقیر، مسکین اور عاجز بندہ ہوں۔ اگر تو روز محشر یہ دیکھے کہ میرا حساب لینا لازم ہی ہے، تو کم از کم نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے چھپا کر میرا حساب لینا۔

اقبالؒ کے والد نے اس واقعے کے ذریعے ان کے ذہن میں حضور ﷺ کے آگے سرخروئی کا تصور بہت شدت سے داخل کر دیا تھا اور پھر ساری زندگی اقبالؒ پر اسی احساس کا غلبہ رہا۔ جب لوگوں نے اقبالؒ کی ذات اور ان کے کام پر شدید قسم کے اعتراضات کیے کہ آپ اسلام کے علاوہ کسی اور مقصد کی خدمت کر رہے ہیں تو اس وقت بھی اقبالؒ نے جواباً ایک ایسا چیلنج دیا کہ جو امت مسلمہ کی تاریخ میں کسی اور مفکر، عالم یا دانشور کی طرف سے نہیں دیا گیا۔ اتنا بڑا چیلنج کہ جس نے ان کے مخالفین کو لا جواب کر کے رکھ دیا۔ براہ راست حضور ﷺ کو مخاطب کر کے اقبالؒ نے اپنے حق میں دعا (یا بد دعا) کی اور فرمایا کہ:

پردہ	ناموس	فکرم	چاک	کن
ایں	خیابان	را	ز	خارم
روز	محشر	خوار	و	رسوا کن
بے	نصیب	از	بوسہ	پاکن

اگر میں نے اس پورے مشن میں آپ ﷺ کے دین اور قرآن پاک کے علاوہ کسی اور چیز کی نمائندگی کی ہو تو آپ میری فکر کا پردہ چاک کر دیجئے۔ اپنے چمن سے مجھ جیسے کانٹے کو نکال کر باہر پھینک دیجئے اور قیامت کے روز مجھے ذلیل و رسوا کر کے اپنی قدم بوسی سے محروم کر دیجئے گا۔

کسی کی جرنیل کی اور کسی کی بادشاہ وقت کی۔ علامہ اقبالؒ کے ان تصورات کی بنیاد وہیں سے پڑتی ہے کہ جب ان کے والد شیخ نور محمد حضور ﷺ، قرآن پاک اور اسلام کی روح ان کے وجود میں کوٹ کوٹ کر بھرتے ہیں۔

اسی طرح اقبالؒ کی والدہ بھی ایک غیر معمولی درویش اور فقیر خاتون تھیں۔ انکے فقر اور درویشی کا اس بات سے اندازہ کیجئے کہ اقبالؒ کی والدہ کو ایک مرتبہ صرف شک ہو گیا کہ اقبالؒ کے والد جہاں نوکری کر رہے ہیں، اسکی کمائی شاید حلال نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اقبالؒ کے والد حرام تو نہیں کما سکتے تھے، مگر اقبالؒ کی والدہ کو شک تھا کہ جس شخص کے ہاں وہ کپڑے سینے کا کام کرتے تھے، اس شخص کا رزق، انگریز کی ملازمت کے باعث، شاید ٹھیک نہیں ہے۔ اس وقت اقبالؒ ایک شیر خوار بچے تھے۔ ان کی والدہ نے انکو گھر سے کھلانا پلانا بند کر دیا، حتیٰ کہ اپنا دودھ پلانا بھی چھوڑ دیا۔ اپنے زیور بیچ کر ان حلال پیسوں سے ایک بکری خرید کر لائیں اور اس کے دودھ پر اقبالؒ کو پالنا شروع کر دیا تا کہ کوئی مشکوک رزق بھی اقبالؒ کے منہ میں نہ جائے۔ پھر اقبالؒ کے والد نے بڑی منت سماجت کر کے ان کو سمجھایا کہ میرا رزق حلال ہے۔ جب ان کی والدہ کوتلی ہو گئی تو پھر دوبارہ اپنے شوہر کی کمائی سے اقبالؒ کو کھلانا پلانا شروع کر دیا۔

اقبالؒ کو پوری دنیا دیکھنی تھی۔ انہیں ہر معاشرے، تہذیب اور اخلاقی نظام کو پرکھنا تھا۔ لیکن انکی بنیادیں اتنی مضبوط تھیں کہ اس کے بعد کفر کا مغربی نظام، اس وقت کی جغرافیائی سیاست، معیشت، معاشرتی نظام، غرضیکہ کسی چیز نے بھی اقبالؒ کے کردار کو آلودہ نہیں کیا۔ وہ ساری زندگی نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکبازی رہے۔ فطرت نے لالے کی حنا بندی بہت پہلے ہی شروع کر دی تھی۔

اقبالؒ کا حضور ﷺ کے ساتھ جو روحانی تعلق تھا، وہ اتنا غیر معمولی تھا کہ یہ ایک ولی کامل کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ کا اسم مبارک جب بھی اقبالؒ کے سامنے آتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ نوجوانی میں جب وہ تعلیم کی غرض سے یورپ گئے، تو یمن کے پاس سے گزرتے ہوئے سرزمین عرب نظر آئی۔ اقبالؒ کے جذبات میں طلاطم برپا ہو گیا اور اس وقت انہوں نے نہایت ہی خوبصورت کلمات میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ کاش میرا وجود اس خاک میں مل جائے کہ جہاں حضور ﷺ آرام فرما رہے ہیں اور ہوا اس وجود کے ذرے اڑاتی پھرے۔

مخالفین کو اتنا بڑا چیلنج! اس بات پر اتنا یقین کہ میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں، میری زندگی کا جو بھی مشن ہے، اور میری زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کی سرفرازی کے لیے ہے۔ یہ چیلنج کائنات میں آج تک کوئی مسلمان عالم، دانشور یا مفکر اپنے مشن کے حوالے سے نہیں دے سکا۔ لیکن علامہ اقبالؒ کو اللہ کے رسول ﷺ پر جو اعتماد اور یقین تھا، اس کی بنیاد اسی وقت پڑ چکی تھی کہ جب ان کے والد نے ان سے کہا تھا کہ بیٹا روز محشر رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا۔

اس کے بعد سے اقبالؒ کی فکر کا مرکز ہی حضور ﷺ کی ذات مبارکہ بن گئی تھی۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مسلمان نوجوانوں کو آپ نے شاہین شہرہ لولا کہ ہے۔ شہرہ لولا کہ حضور ﷺ کا خطاب ہے۔

”ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام“ میں ابلیس اپنے چیلوں کو نصیحت کرتا ہے:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

یعنی اپنی قوم کو اقبالؒ یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ابلیس کی آخری چال یہی ہوگی کہ ایک مسلمان کا حضور ﷺ سے تعلق توڑ دیا جائے۔

اقبالؒ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ:

بمصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بو لہمی است

حضور ﷺ کا قرب حاصل کرو کہ تمہارا اصل دین وہی ہیں۔ اگر تم اپنے اعمال کے نتیجے میں حضور ﷺ کا قرب اور زیارت حاصل نہ کر سکو تو باقی جو کچھ بھی تم کر رہے ہو، وہ ”بولہمی“ ہے۔

اس بات میں ایک خاص روحانی جہت ہے۔ یہاں وہ انسان کے مقصد حیات اور اسکی ذمہ داری میں کہ جو اسے اس دنیا میں دی جاتی ہے، فرق کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کا مقصد حیات تو ایک ہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ایک ایسا تعلق رکھے کہ اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہ رہے۔ لیکن دنیا میں ذمہ داری ہر ایک کی مختلف ہو سکتی ہے، کسی کی دانشور کی ڈیوٹی ہوتی ہے،

اقبالؒ کو اقبال کس نے بنایا؟ یہ سوال صرف ہم لوگ ہی نہیں کر رہے۔ اس سے پہلے بھی کئی دانشور یہ سوچتے رہے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا کہ:



حضرت اقبالؒ میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ خود آگاہی، یہ خوش گوئی، یہ ذوق معرفت
یہ طریق دوستی، خودداری یا تمکنت!
اسکی شاہد ہیں کہ ان کے والدین اہل تھے
با خدا تھے، اہل دل تھے، صاحب اسرار تھے

اسی طرح اقبالؒ نے حضور ﷺ کی شان میں جو خوبصورت نعتیں اور کلمات کہے ہیں، انکے چند اشعار ہم رقم کرنا چاہیں گے۔

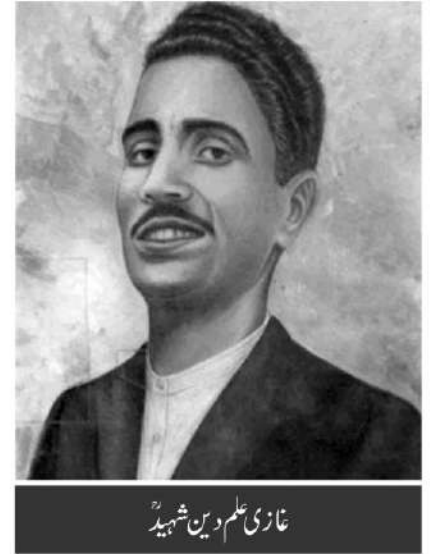
وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل ﷺ جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی یسین، وہی طہ

اقبالؒ کی حضور ﷺ سے ایک جذباتی وابستگی تھی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک رئیس، ایک سیٹھ نے ان کو کسی مقدمے کے سلسلے میں مشورے کیلئے بلوایا۔ علامہ اقبالؒ جب اس کے گھر پہنچے تو اس نے بہت ہی خوبصورت سچے ہوئے کمرے میں اقبالؒ کو ٹھہرایا۔ اقبالؒ جب رات سونے کیلئے بستر پر لیٹے تو بے اختیار یہ خیال آیا کہ حضور ﷺ کے صدقے تو ہمیں یہ مقام ملا ہے، مگر سیدی ﷺ نے تو اپنی

تمام عمر مبارک فقر اور تنگ دستی میں گزاری۔ یہ خیال آتے ہی اقبالؒ بے چین ہو گئے، اور اس پر قیش کمرے میں سونا ناممکن ہو گیا۔ اپنا بستر اور تکیہ اٹھا کر غسل خانے میں چلے گئے اور زمین پر ڈال کر رات وہیں گزاری۔ یہ تعلق تھا اقبالؒ کا حضور ﷺ سے!

دوسری طرف علامہ اقبالؒ نے اس خواہش کا ذکر بھی اپنے دوستوں سے کیا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری عمر حضور ﷺ سے زیادہ ہو جائے۔ ظاہری طور پر حضور ﷺ نے ۶۳ سال کی زندگی گزاری، اور اقبالؒ بھی لگ بھگ اسی عمر میں دنیا سے تشریف لے گئے۔

عشق رسول ﷺ اقبالؒ کے وجود میں خون کے ساتھ سرایت کر چکا تھا۔ دو مجاہد کہ جنہوں نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو جہنم رسید کیا، غازی عبدالقیوم اور غازی علم دین شہید، اقبالؒ نے انکی شان میں کئی اشعار کہے۔ لوگ جب اقبالؒ کے پاس یہ کہنے کیلئے آئے کہ کس طرح ان دونوں کو راضی کیا جائے کہ یہ اپنے جرم سے انکار کر دیں تو اقبالؒ نے ان لوگوں کو منع کیا کہ وہ دونوں شہادت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کو کیوں مجبور کر رہے ہو کہ وہ جھوٹ بول کر اپنی جان بچالیں! غازی علم دین شہید کے بارے میں تو انہوں نے پنجابی میں یہ بھی کہا کہ ”اسی گلاں ای کر دے رہ گئے تے تر کھاناں دامنڈ بازی لے گیا“۔ یعنی بڑھیوں کا بیٹا بازی لے گیا اور ہم باتیں ہی کرتے رہ گئے!



غازی علم دین شہیدؒ

ایک مرتبہ ایک انگریز پروفیسر نے آپ سے سوال کیا کہ آپ اتنے بڑھے لکھے آدمی ہیں، کیا آپ بھی سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی؟ تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ہاں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی! مجھ پر بھی پورے پورے شعر نازل ہوتے ہیں۔ جب یہ کیفیت مجھ پر طاری ہو سکتی ہے، جب میں ان نزول کے تجربات سے گزرتا ہوں، تو مجھے یہ ماننے میں کوئی عار نہیں کہ میرے آقا ﷺ پر بھی الہامی طور پر قرآن پاک نازل ہوا تھا۔ اقبالؒ نے اپنی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کھڑے کھڑے جانے کتنے شعر بیان کر دیئے۔ انگریز پروفیسر یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

لوگوں نے جب ان سے کہا کہ آپ ایسا غیر معمولی کلام کیونکر کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

نکلی تو لب اقبال سے ہے، کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی



اقبال کے استاد، مولوی میر حسن

اتر گیا اور پھر دنیا نے یہ تماشا بھی دیکھا کہ اقبالؒ ہاتھ باندھ کر اپنے استاد کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں، اس طرح کہ ایک پاؤں میں جوتا ہے اور ایک پاؤں میں نہیں، اور اسی طرح استاد کو باعزت طریقے سے گھر پہنچا کر واپس لوٹے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

اقبالؒ کی ساری زندگی میں جو چیز آپ کو واضح طور پر نظر آئے گی، وہ ہے ادب۔ حضور ﷺ کا ادب، قرآن کا ادب، والدین کا ادب، اساتذہ کا ادب، اپنے دین کا ادب اور سب سے بڑھ کر اپنی خودداری اور عزت نفس کا ادب۔

اسکے علاوہ کچھ بڑے بڑے نام کہ جن کا ہم یہاں ذکر کرنا چاہیں گے، خاص طور پر مولانا جلال الدین رومیؒ۔ علامہ اقبالؒ اپنے آپ کو مرید ہندی اور جلال الدین رومیؒ کو پیرومی کہتے ہیں۔ دونوں کا آپس میں گہرا روحانی تعلق تھا، اس بات کے باوجود کہ دونوں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ تھا۔ اس تعلق کے اعتراف میں آج ترکی میں، مولانا جلال الدین رومیؒ کی قبر کے پاس، اقبالؒ کی ایک علامتی قبر بنائی گئی ہے۔ اس کے کتبے پر ترکوں نے یہ لکھا ہے کہ جس کا مفہوم ہے: ”شاعر ملی پاکستان“ کہ جن کا مولانا جلال الدین رومیؒ کے ساتھ روحانی تعلق تھا، ہم ان کے ادب و احترام اور انکی یاد میں ایک قبر یہاں بناتے ہیں۔

اقبالؒ نے اپنے روحانی مرشد مولانا جلال الدین رومیؒ کی شان میں جو خوبصورت اشعار کہے ہیں، ان میں سے دو شعر یہ ہیں۔

اسی طرح اقبالؒ کے وجود پر جن بڑے بڑے لوگوں نے اثر ڈالا، ان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی شامل ہیں کہ جن کا اقبالؒ نے اپنے کلام میں ذکر بھی کیا اور ان کو اسلام کا پاسبان اور دین کا محافظ قرار دیا۔ ان کے مزار پر حاضریاں بھی دیں۔ اپنے بیٹے جاوید اقبالؒ کو بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے ساتھ لیکر گئے۔

اسی طرح اقبالؒ کے کلام میں آپکو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی شان میں بھی کثرت سے عقیدت و پیار کا اظہار ملے گا، حتیٰ کہ جب اقبالؒ تعلیم کی غرض سے ولایت جا رہے تھے، جانے سے پہلے آپ نے جن مزاروں پر حاضری دی، ان میں سے ایک حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا مزار بھی تھا۔ انہوں نے اس تعلق کا اظہار بغیر کسی تکلف کے کیا، اور انتہائی خوبصورت الفاظ میں اپنے کلام میں بھی اسے بیان کیا۔ ان کے مزار پر حاضری کے وقت یہ دعا اقبالؒ کے لبوں سے نکلی:

مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو

ان بزرگ ہستیوں کے علاوہ علامہ جن شمشیر کف مسلم مجاہدین سے متاثر تھے، ان میں ایک نام ٹیپو سلطانؒ کا بھی ہے۔ یہ اشعار ٹیپو سلطانؒ سے ہی متاثر ہو کر لکھے گئے:

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی

اقبالؒ نے مغرب کے پورے معاشرے کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔ پورے یورپ کا سفر کیا۔ اس کی تہذیب و تمدن کو دیکھا، مگر اپنے آپ کو اس کی نجاستوں سے بچائے رکھا۔ ایک طویل عمر اس معاشرے میں گزار کر بھی کبھی شراب نوشی نہیں کی، کبھی بدکاری میں نہیں پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقصد کیلئے تیار کیا تھا کہ وہ مشرق اور مغرب کے تضادات کو واضح کریں۔ مغرب کو دیکھ کر اس کی ایک ایک کمزوری کو ابھار کر مسلمانوں کو دکھائیں اور امت مسلمہ کو بیدار کریں۔ چنانچہ ایک حکیم کی حیثیت سے ان کیلئے جو مشاہدات ضروری تھے، وہ فطرت نے خود کرائے۔



مرشد	رومی	حکیم	پاک	ذاد
سر	مرگ	و	زندگی	بر
پیر	رومی	خاک	را	اکسیر
از	غبارم	جلوہ	ہا	تعمیر
				کرد

یعنی مرشد رومی ایک حکیم پاک ذات ہیں کہ جن سے میں نے زندگی اور موت کے اسرار رموز کو سیکھا، یعنی زندگی کے عروج و زوال اور ابدی حقیقتوں سے آشنا ہوا۔ میری خاک کو اس پیر نے اکسیر بنا دیا۔

اقبالؒ اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ان کا جلال الدین رومیؒ کے ساتھ ایک گہرا روحانی تعلق تھا۔

جن لوگوں کے ساتھ آپ کا خاص قلبی تعلق ہوتا ہے، وہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ آپ ان جیسے ہوتے ہیں۔ انگریزی میں کہتے ہیں:

"Birds of a feather flock together" یعنی وہ افراد کہ جو ایک مزاج کے ہوتے ہیں، ان کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے،

چاہے وہ ظاہری تعلق ہو یا علمی و روحانی۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے

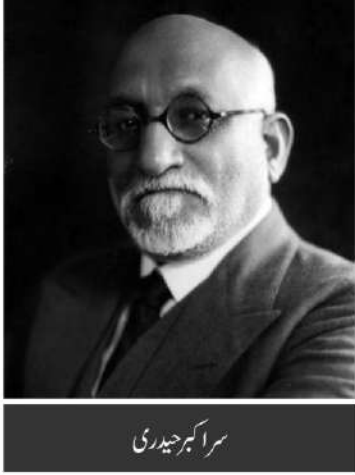
اگر آپ اس زمانے اور آج کے دور کا موازنہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ آج اکیسویں صدی کے آغاز میں بھی مسلمانوں پر اسی طرح کی آزمائشیں ہیں کہ جیسی بیسویں صدی کے شروع میں تھیں۔ آج بھی دنیا کے نقشے تبدیل کرنے کی بات کی جارہی ہے۔ آج بھی ایک نئے ”عظیم تر مشرق وسطیٰ“ کی تشکیل کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے۔ پاکستان کے حصے بخرے کرنے کی بھی سازشیں جاری ہیں۔ غرضیکہ تمام مسلمان ممالک، کہ جو ایشیا وسطیٰ سے لیکر مشرق وسطیٰ تک پھیلے ہوئے ہیں، کے نقشے تبدیل کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو قومیت، لسانیت اور فرقہ واریت کی بنیاد پر بری طرح آپس میں لڑایا جا رہا ہے۔ آج بھی مسلمانوں میں قیادت کا فقدان ہے، سیاسی بحران ہے، ان پر جنگیں مسلط ہیں اور کوئی ایسا مفکر، دانشور اور فلسفی موجود نہیں ہے کہ جو ان حالات میں امت کی رہنمائی کر سکے۔

اقبالؒ کا کلام آج ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ عصری لگتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ۲۰ء اور ۳۰ء کی دہائی میں جو پیغام امت کو دیا، وہ آج کی نوجوان نسل کی رہنمائی کیلئے ہے۔ اسی سلسلے میں ایک خوبصورت واقعہ بھی ہے۔ مصر سے کچھ نوجوان اقبالؒ سے ملنے کیلئے آئے۔ جب ان نوجوانوں کا تعارف علامہ اقبالؒ سے کرایا گیا تو اقبالؒ نے مسکرا کر کہا کہ ان نوجوانوں کی آنے والی نسلیں میری مٹھی میں ہیں۔ اقبالؒ کو یہ معلوم تھا کہ ان کا کلام آنے والی کئی نسلوں کی رہنمائی کرے گا، اور امت کے احیاء میں بنیادی کردار ادا کرے گا۔ جب تک امت کا احیاء نہیں ہوتا، علامہ اقبالؒ کا مشن جاری رہے گا، ان شاء اللہ۔



قائد اعظمؒ سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا کام لیا، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قائد اعظمؒ کی سچائی، ایمانداری، وقار، اور ان کے بکاؤ نہ ہونے کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نہ تو منافق تھے اور نہ ہی امت کی عزت و آبرو کا سودا کرنے والے۔ اسی طرح علامہ اقبالؒ کے وجود میں بھی یہ تمام صفات موجود تھیں کہ جو وہ ان لوگوں میں دیکھنا چاہتے تھے کہ جو مستقبل کے معمار ہونگے۔ علامہ اقبالؒ نے امت کو جو نصیحتیں کیں اور جیسا وہ اس قوم کو دیکھنا چاہتے تھے، اس کردار کی جھلک خود ان میں بھی موجود تھی۔ ایک محفل میں کسی نے علامہ اقبالؒ سے کہا کہ آپ ہمیں کوئی نصیحت کیجئے، کوئی مشورہ دیجئے، تو اقبالؒ نے کچھ بہت خوبصورت اشعار کہے کہ جن کا مفہوم یہ تھا کہ اس دنیا میں زندگی اتنی خوبصورتی سے، اتنے باکردار اور باکمال انداز میں گزرو، کہ جب تمہاری موت کا وقت آئے تو خود خدا کو بھی افسوس ہو کہ کتنی خوبصورت زندگی کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ یہ قلندرانہ بات کہنے کیلئے بھی ایک کردار اور ایک یقین چاہیے، اللہ تعالیٰ پر ایک مان اور اس سے ایک تعلق چاہیے۔

ہونے والے ہیں کہ جو ماضی میں کبھی مسلمانوں کو نصیب ہوئے تھے۔



سراکبر حیدری

ایک مرتبہ سراکبر حیدری کہ جو ریاست حیدر آباد کن کے صدر اعظم تھے، نے علامہ کو ایک ہزار روپے کا چیک بطور تواضع بھجوایا، مگر ان کے خط سے اقبالؒ کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ احسان جتنا چاہتے ہیں، لہذا اقبالؒ کی غیرت اسے قبول نہ کر سکی اور انہوں نے وہ چیک واپس بھجوادیا۔ اس موقع پر ایک نظم بھی کہی کہ جس کا ایک شعر ہے:

غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول

جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات!

ایک فقیر کی غیرت یہ برداشت نہ کر سکی کہ اس کو صدقہ دیا جائے یا کوئی اس پر ترس کھائے۔

ان کے نزدیک فقر کی تعریف مسکینی یا غربت نہیں تھی۔ اقبالؒ نے مومنوں سے جس فقر کی بات کی، اس کا مفہوم بہت روحانی اور وسیع ہے۔ بلکہ انہوں نے اسے اپنے ایک شعر میں بھی بیان کیا ہے کہ میرے نزدیک فقر غربتی، مسکینی اور عاجزی کا نام نہیں، فقر اس کا نام ہے کہ انسان کی نظر میں دنیا کی کوئی اہمیت نہ ہو، وہ اعلیٰ ترین عہدے پر بھی رہے، چاہے پوری دنیا کا سفر کرے، ہر طرح سے شان و شوکت کی زندگی گزارے، لیکن دنیا اس کے دل اور نگاہ میں اتنی اتری ہوئی نہ ہو۔ مطلب ”دنیا گل ہے نہ کہ درد دل“ والی بات۔ کہ وہ دنیا کو مٹی سمجھتا ہے، اس کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔ یہ ہے اقبالؒ کا فقر!



کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

یعنی اتنے کمال اور عروج پر پہنچو کہ پورا جہان تم سے پیار کرنے لگے۔ وہ جو بزرگوں نے پہلے بات کہی ہے کہ زندگی دنیا میں اس طرح گزارو کہ لوگ تمہارے پاس آنے کیلئے بے چین ہوں اور جب تمہارا انتقال ہو تو تمہارے پیچھے تمہیں یاد کر کے رویا کریں۔ علامہ اقبالؒ کی زندگی اسی قول کے مصداق تھی۔

۱۹۲۲-۲۳ء میں، جب علامہ کو ”سر“ کا خطاب ملا، تو کئی لوگوں نے ان پر اعتراضات اٹھائے کہ یہ تو مسلمانوں کو عزت و غیرت اور آزادی کا پیغام دیتے ہیں اور خود انہوں نے انگریزوں سے سر کا خطاب لے لیا۔ لاہور میں ان کے دوستوں نے ان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ اقبالؒ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ انگریز گورنر بھی مدعو تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب علامہ کو سر کا خطاب مل چکا تھا۔ اقبالؒ نے وہاں بڑے واضح طور پر کہا کہ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ سر کے خطاب کی وجہ سے میں سچ بولنے سے رک جاؤں گا، تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ اگر مجھے حکومت وقت نے یہ خطاب دیا ہے تو میری علمی خدمات کی وجہ سے دیا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ میں ان کا ملازم ہوں یا میں ان کی اقتدار کروں گا یا ان کی مرضی پہ چلوں گا۔ اس محفل میں علامہ اقبالؒ نے ”پیام مشرق“ کی وہ خوبصورت نظم پڑھ کر سنائی کہ جو ہم یہاں پیش کرنا چاہیں گے۔ اس نظم کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ سر کا خطاب ملنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص ایسی نظم پڑھ سکتا ہے، تو پھر اس کو یہ کہنا کہ وہ نعوذ باللہ انگریزوں کا ملازم تھا یا انگریزوں کے کہنے پر وہ یہ سب کچھ کر رہا تھا، تو اس سے بڑا بہتان اور ظلم کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابانی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دور گراں خوابانی
عروق مردہ مشرق میں خون زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی
مسلمانوں کو مسلمان کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

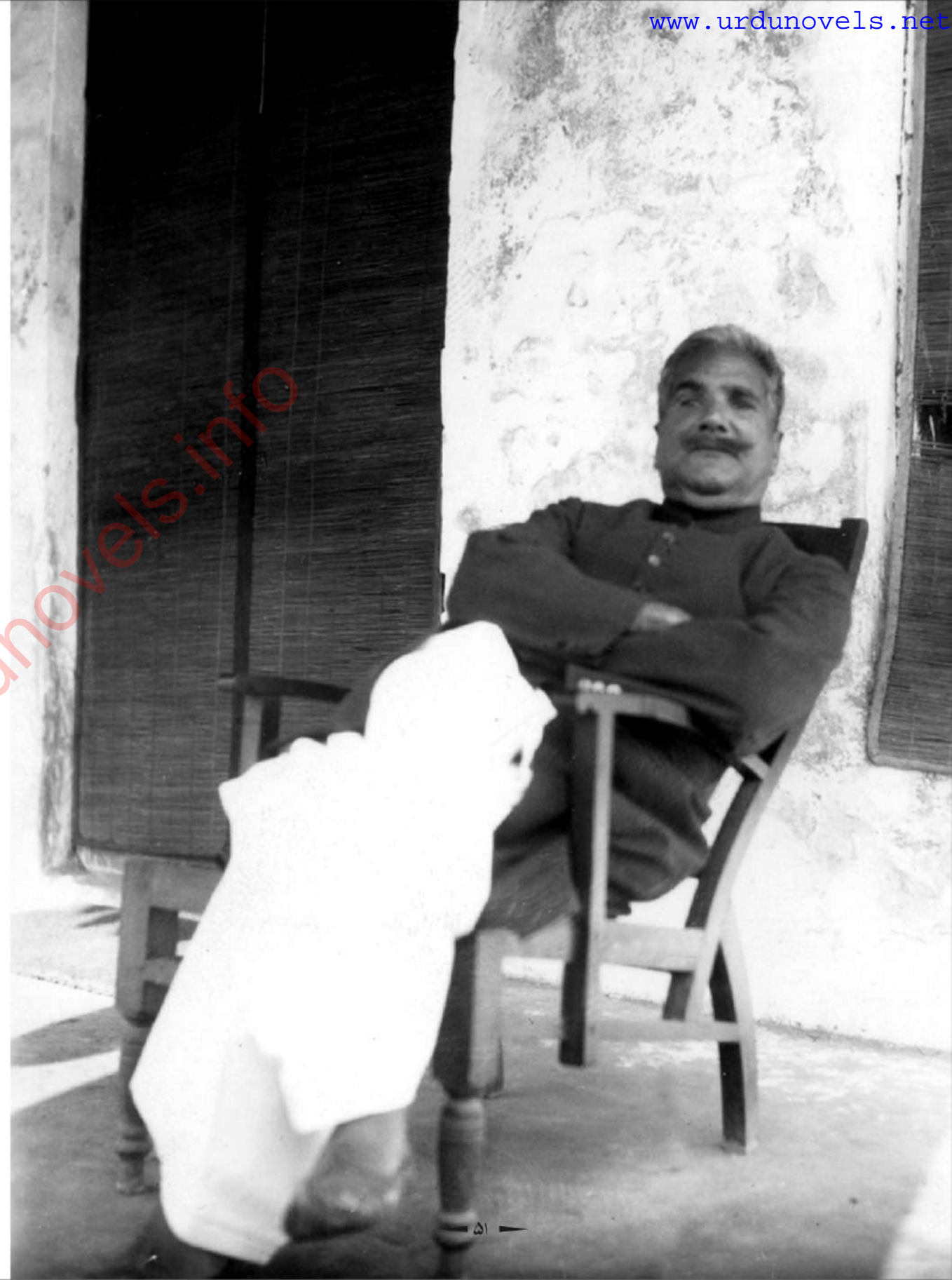
اس حیرت انگیز اور رومانوی نظم میں اقبالؒ آنے والے وقت سے متعلق بشارت دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کو ایک بار پھر وہ کمالات عطا

بے بد بیضاء ہے پیران حرم کی آستین

یہ جدید طاغوتی نظام کہ جو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے باہمی تصادم پر مبنی تھا، اور جسے کفر نے بیسویں صدی کے اوائل میں قائم کیا، تقریباً سو سال چلا۔ بیسویں صدی کے آخر میں اشتراکیت ختم ہو گئی اور سرد جنگ کے خاتمے پر سوویت یونین بھی ٹوٹ گیا۔

اس کے بعد اب اکیسویں صدی میں یہ ایک مرتبہ پھر اپنا دنیا عالمی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اب کی بار ان کے سامنے کچھ مشکلات ہیں۔ دقت یہ آگیا ہے کہ پہلے یہ اشتراکیت اور آمریت کو ایک نظریے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، کہ جواکی ”آزاد دنیا“ اور جمہوریت سے متصادم تھا۔ اشتراکیت کو یہ ایک ایسی لادین فکر کے طور پر پیش کرتے کہ جواکی ”عیسائی“ اخلاقیات کا متضاد ہو۔

مگر اب اس سرمایہ دارانہ، جمہوری، صیہونی بینکاری پر مبنی نظام کے سامنے جو سب سے بڑا نظریاتی خطرہ ہے، وہ ایک لادین فکر نہیں بلکہ اسلام ہے۔ اسلام اب ایک عسکری قوت بھی بن چکا ہے۔ پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہے اور دشمنوں کو خطرہ یہ ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک بھی، پاکستان کی مدد سے، ایٹمی طاقتیں بن جائیں گے۔ نظریاتی طور پر بھی یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا دین اسلام ہے۔ اسلام اپنے اندر یہ صلاحیت اور قوت رکھتا ہے کہ جمہوریت، آمریت، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مقابلے میں، اپنا الگ روحانی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی نظام پیش کر سکے۔ ہمارے پاس چودہ سو سال کا شاندار ماضی اور تاریخ موجود ہے، کہ جس کے باعث کفار کو یہ خوف اور خطرہ لاحق ہے کہ مسلمان دنیا نظریاتی قوت تو پہلے ہی تھی اور اب ایک عسکری طاقت بھی بن چکی



ہے۔ اگر یہ خلافت کے نام پر اکٹھے ہو کر ایک بہت بڑی مسلم یونین یا بلاک بن گئے، تو پھر صیہونیوں کا کفر کا یہ نظام کیونکر قائم رہ پائے گا؟ کفار نے اس کا حل یہ نکالا کہ اگر اسلام کے سیاسی، عسکری اور نظریاتی تصور کو تباہ کر دیا جائے، تو پھر اس خطرے کا سدباب ممکن ہو سکے گا۔

اب چونکہ یہ لوگ اسلام کے مقابلے میں کوئی دوسرا نظریہ نہیں لاسکتے، تو اس کا علاج اس سرمایہ دارانہ بینکاری صیہونی نظام اور نام نہاد جمہوری دنیا نے یہ نکالا ہے کہ پوری دنیا پر ایک ہی نظام مسلط کر دیا جائے۔ نئے عالمی نظام میں وہ ایک واحد عالمی حکومت کی بات کر رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے شروع میں ہی انہوں نے دنیا کو دو بلاکس میں تقسیم کر دیا تھا۔ اب چونکہ دوسرا بلاک نہیں رہا اور اسلام ان کے مقابلے پر آکھڑا ہوا ہے، لہذا اسلام اب ان کے سامنے سب سے بڑا نظریاتی اور عسکری حریف ہے۔

ان سارے فتنوں کو، کہ جو سو سال بعد پیدا ہونے تھے، اقبالؒ نے ۱۹۱۸ء میں ہی دیکھ لیا تھا، انکی نشاندہی کر دی تھی، ان کا حل بھی بتا دیا تھا، اور مسلمانوں کو اس وقت متنبہ بھی کر دیا تھا کہ آنے والے وقتوں میں تمہارا براہ راست تصادم سرمایہ داری اور سود کے نظام سے ہوگا۔ یہ اشتراکیت، روس کا انقلاب/ بالشویک انقلاب، یہ سب آنکھوں میں دھول جھونکنے والی باتیں ہیں۔

اس زمانے میں کہ جب روس میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بالشویک انقلاب برپا ہوا تو اس نے پوری دنیا کو اس انقلاب کے رومان میں مبتلا کر دیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ اگر انقلاب برپا کرنا ہے تو روس کے انقلاب کو دیکھو، کہ جس کے بعد وہاں ایک ایسی حکومت قائم ہوئی ہے کہ جس میں ریاست ہی تمام وسائل کی مالک ہے اور جہاں تمام انسانوں کے ساتھ سودی سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس، مساویانہ سلوک کیا جاتا ہے۔

اقبالؒ بڑے غور اور دلچسپی سے اس سارے طوفان کو دیکھ رہے تھے۔ روس، اور اسکے انقلاب سے متاثر افراد کو مخاطب کر کے انہوں نے بڑی حکیمانہ باتیں کہیں۔ اقبالؒ نے سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی معیشت کا موازنہ کیسے کیا، آئیے اقبالؒ سے بات کر کے جانتے ہیں۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گری رفتار

قوموں کے عروج و زوال کے جو اسباب ہیں، جس طرح انسانوں کو قومیتوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے، نئے نئے نظریات اور ملک ترتیب پا رہے ہیں۔ مجھے اس سے نظریوں آتا ہے کہ روس میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ بلا وجہ نہیں، یقیناً اس کے پیچھے کچھ راز چھپے ہیں۔

انسان کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

انسان کی حرص و ہوس نے جو راز چھپا کر رکھے ہوئے تھے، جو ان صیہونی بینکاروں اور اس اشتراکی نظام نے اپنے آپ کو قائم کرنے کیلئے مختلف منصوبے بنائے تھے، وہ راز اب آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہو رہے ہیں۔

پہلے دنیا میں صرف ایک ہی نظام نظر آیا کرتا تھا، بادشاہت۔ پھر اس کو جمہوریت کا روپ دے دیا گیا۔ اب پھر سرمایہ داری نظام کو اشتراکیت کا روپ دیا جا رہا ہے۔ یہ راز اب آہستہ آہستہ دنیا کے سامنے کھلتے جا رہے ہیں۔ یہ ڈرامہ دنیا کو تقسیم کرنے کی غرض سے رچایا جا رہا ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

مرد مسلمان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ دیکھو! تم اس سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے انقلاب سے متاثر نہ ہونا۔ بالشویک انقلاب اور اس مغربی جمہوریت کی قبا سے دھوکہ نہ کھانا۔ قرآن میں غوطہ زن ہو جاؤ۔ قرآن کی معرفت حاصل کرو۔ حضور ﷺ کی سنت اور سیرت سے حکمت اور علم سیکھو، اللہ تمہیں جدت کردار عطا کرے، وہ فہم اور فراست دے کہ تم حقیقت کا ادراک کر سکو۔

جو حرف ”قل العفو“ میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

یہ جو معاشی نظاموں کی بات ہوتی ہے تو سرمایہ داری نظام کہتا ہے کہ ہم دولت کو سمیٹ کر رکھیں گے، دولت چند ہاتھوں میں ہی محدود رہ سکتی ہے۔ اشتراکی کہتے ہیں کہ ساری دولت حکومت کی ملکیت ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام نے جو اپنا معاشی نظام دیا ہے، اس کا راز قرآن کی آیت ”قل العفو“ میں پوشیدہ ہے، کہ جو مال تمہارے پاس فالتو ہے وہ تم اللہ کی راہ میں اپنی مرضی سے تقسیم کر دو، خرچ کر دو۔ تمہیں مال رکھنے کا اختیار تو دیا گیا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ ترغیب بھی دی گئی ہے کہ اپنی ضرورت سے زیادہ مال جمع نہ کرو۔ یہ روحانی نظریہ اور تصور نہ تو اشتراکیت ہے، کہ جہاں ذاتی ملکیت کی کوئی گنجائش نہیں، اور نہ ہی سرمایہ داری، کہ جہاں لوگ قارون کا خزانہ جمع کر کے بیٹھ جائیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں۔ اقبالؒ یہ بات واضح کرتے ہیں کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مقابلے میں اسلام کے معاشی اور معاشرتی نظام کو نافذ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ:

ای کہ می خواہی نظام عالمی
جستہ ئی او را اساس مخمّی؟

تم جس اشتراکی یا سرمایہ داری نظام کو نافذ کرنا چاہتے ہو، اس کی بنیاد کس عقیدے پر رکھتے ہو؟ اس کی اساس کیا ہے؟



داستان کہنہ شستی باب باب
فکر را روشن کن از ام الکتاب

تم ایک پرانی گلی سڑی بوسیدہ داستان کو اب دوبارہ ایک ایک باب کر کے کھول رہے ہو، اسی پرانے نظریے کو کہ جو صدیوں سے انسان کا استحصال کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگر تم حقیقت جاننا چاہتے ہو تو ”ام الکتاب“ کی طرف رجوع کرو، قرآن کی طرف رجوع کرو، تمہاری فکر اسی نور سے روشن ہو سکتی ہے۔

اقبالؒ نے روسی انقلاب اور مغربی جمہوریت، دونوں پر ہی شدید طنز کیا ہے۔ بالشیوک انقلاب اور اشتراکی نظریے کو تو انہوں نے اڑا کر رکھ دیا۔ کہا کہ تم سمجھ رہے ہو کہ تم انقلاب برپا کر رہے ہو، لیکن حقیقت میں انسان کا استحصال کرنے والا یہ ویسا ہی نظام ہے کہ جیسے انہوں نے مغرب میں استبداد کو جمہوریت کی قبا پہنا کر قائم رکھا ہوا ہے، اور جس کو وہ آزادی کی نیلم پری کہتے ہیں۔ اقبالؒ نے جمہوریت کے بارے میں کہا کہ یہ ظلم و استبداد اور جبر کا ایک دیو ہے کہ جو پاؤں مارتا چلا آ رہا ہے اور تم احقر لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ جمہوریت تمہیں آزادی دلائے گی۔ پھر اس کے بعد دنیا نے بھی دیکھا کہ صرف دو عظیم جنگوں سے لیکر اب تک کم از کم دس کروڑ انسان اس جمہوریت اور اشتراکیت کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور پوری دنیا میں انسانیت کو غلام بنا دیا گیا ہے۔

اس کے بعد اقبالؒ ابلیس کی مجلس شوریٰ میں جاتے ہیں اور یہاں بڑی غیر معمولی گفتگو ہوتی ہے۔ یہ ایک انتہائی مسحور کن کلام ہے۔

اب اسی ابلیس کی مجلس شوریٰ میں مشیر اقتصادیات کی باری آتی ہے۔ پہلے چونکہ سیاسیات سے متعلق بات تھی اور جمہوریت اور آمریت کا موازنہ کرتا تھا، چنانچہ مشیر سیاسیات بول رہا تھا۔ اب مشیر اقتصادیات اشتراکی اور سرمایہ داری نظام کا موازنہ پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اشتراکی نظام شروع ہوا، تو ابلیس کے مشیروں کو بھی خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا یہ سود اور رباء کی بنیاد پر قائم صیہونی بینکاری نظام، کہ جہاں دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر رہ جاتی ہے، اشتراکیت کے ہاتھوں ختم ہو جائے۔ اس کے جواب میں ابلیس نے زور دے کر کہا کہ ہمیں اشتراکیت سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اشتراکیت کی حقیقت کیا ہے، اور ہمیں اصل خطرہ کس نظام اور نظریے سے ہے۔

جانتا ہے، جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنہ فردا نہیں، اسلام ہے!

یہاں پر ابلیس، کہ جو دنیا کے عروج و زوال کو جانتا ہے، قوموں کی حقیقتوں کو جانتا ہے، جس کو پتہ ہے کہ کس نظریے کی کیا حقیقت ہے، اور جو اچھی طرح جانتا ہے کہ سوشلزم، اشتراکیت اور باقی جتنے بھی ازم آ رہے ہیں، وہ اسکے نظام کیلئے خطرہ نہیں ہیں، وہ اپنے

مشیروں سے کہتا ہے کہ ہمیں نظریاتی خطرہ صرف اسلام سے ہے۔

یہ بات ۳۰ء کی دہائی میں کہی جا رہی ہے کہ جب خلافت عثمانیہ ٹوٹ کر بکھر چکی تھی، ملت اسلامیہ میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا اور روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ اس وقت ابلیس کہتا ہے کہ آنے والے دور میں سرمایہ دارانہ نظام کو اصل خطرہ صرف اسلام سے ہے۔ جب ابلیس نے اپنے تمام مشیروں کو یہ بتایا کہ آنے والے دور میں تمہیں اسلام سے خطرہ ہوگا، اشتراکیت سے نہیں، تو وہ ذرا حیران ہوئے۔ بعد میں ابلیس نے ان کو سمجھانا شروع کیا کہ میں یہ کیوں کہتا ہوں کہ آنے والے دور میں تمہیں اسلام کے سیاسی، معاشرتی، مذہبی اور معاشی نظام سے ہی اصل خطرہ ہوگا۔ مگر اس سے پہلے اقبالؒ کے الفاظ میں ابلیس مسلمانوں کی موجودہ صورتحال پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہء مومن کا دیں

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس امت کی فکر کا مرکز اب قرآن نہیں رہا۔ یہ امت بھی آج سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے پیچھے چلی جا رہی ہے، مال و دولت جمع کرنے میں لگی ہے، زکوٰۃ نہیں نکالتی، وراثت تقسیم نہیں کرتی، یہ بھی وہی کاغذی کرنسی اور صیہونی بینکاری نظام استعمال کرتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا لین دین بھی حقیقی دولت پر مبنی نہیں ہے، ان کی ساری دولت لوٹ لی گئی ہے، سونا ان سے لیکر رومی کاغذ ان کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ اس کے اسباب کی وضاحت کرتے ہوئے ابلیس مزید کہتا ہے:

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستین

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مشرق میں جہاں اسلام ہوا کرتا تھا، وہاں اب مسلمانوں کے علماء اور دانشوروں کے پاس ید بیضا نہیں ہے، یعنی موسیٰ کے معجزات نہیں ہیں۔ ان کے پاس وہ عشق رسول ﷺ کی تڑپ اور مومن کا وہ جلال و جمال نہیں ہے کہ جو ان کو صاحب فراست بنا سکتا۔ گو کہ مسلمان اپنی روحانیت کھو چکے ہیں مگر اس کے باوجود ابلیس اپنے شیطانی نظاموں کو اسلام سے درپیش خطرے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

آج کے دور کے تقاضوں مثلاً ٹیکنالوجی کی ترقی، ذرائع ابلاغ، کتب خانے، لوگوں میں علمی بیداری سے ہمیں خطرہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے جو شیطانی راز ہم نے چھپا رکھے تھے اور جمہوریت کو جس طرح ہم نے پوری دنیا کے سامنے آزادی کی ایک نیلم پری بنا کر پیش کیا تھا، کہیں یہ فاش نہ ہو جائیں۔ کہیں مسلمان اس سارے نظام کا موازنہ قرآن و سنت سے کرنا نہ شروع کر دیں، اور نتیجتاً

شرع پیغمبری عام ہو جائے۔

الھذرا! آئین پیغمبر سے سو بار الھذر

حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں

اب ابلیس اپنے مشیروں کو شریعت پیغمبری سے سو مرتبہ محتاط رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا نظام ہے کہ جو عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتا ہے، مرد کو جلال اور طاقت و قوت بخشتا ہے، اور اسکی تربیت کر کے اسکو ایک مرد آزاد بناتا ہے۔ جبکہ ہم عورتوں کی عزت و آبرو کا سودا کرتے ہیں، مردوں کو بے ضمیر اور بے غیرت اور قوموں کو غلام بناتے ہیں۔ ہمیں اس شریعت سے خطرہ ہے کہ جو عورتوں کو باحجاب، باکردار بنادے، ایسی مائیں پیدا کرے کہ جو اقبال، صلاح الدین ایوبی اور محمود غزنوی جیسے بیٹے پیدا کرنا شروع کر دیں۔ ہمیں اس شرع پیغمبری سے خطرہ ہے۔

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کیلئے

نے کوئی فغفور و خاقان، نے فقیر رہ نشیں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف

معموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

یہ ایک ایسی شریعت ہے کہ ہر قسم کی غلامی، کہ جو انسان کی بنائی ہوئی ہو، کیلئے موت کا پیغام ہے۔ اگر کوئی نظریہ انسان کو حقیقی معنوں میں آزاد کرتا ہے تو وہ شریعت ہے۔ اس میں نہ انسان جمہوریت کا غلام ہوتا ہے، نہ آمریت، اشتراکیت، سرمایہ دارانہ نظام اور نہ ہی فاشزم کا۔ اس میں نہ کوئی خاقان ہوتا ہے، نہ کوئی بادشاہ اور نہ ہی کوئی فقیر، بلکہ سب برابر ہوتے ہیں۔ معاشرے میں مساوات اور نظام عدل قائم کر دیا جاتا ہے اور دولت کو ہر غلاظت سے پاک کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، صدقات دیئے جاتے ہیں، وراثت تقسیم ہوتی ہے، عشر دیا جاتا ہے اور اس کیلئے اسلام، دولت مندوں کو مال و دولت کا مالک نہیں بلکہ امین بناتا ہے۔ یہ فکر و عمل کا اتنا بڑا انقلاب ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی انقلاب ممکن نہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں!

چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب

یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقین

یعنی انسان کو یہ بتا دیا جائے کہ یہ زمین پادشاہوں کی نہیں بلکہ اللہ کی ہے۔ دنیا کو یہ بتا دیا جائے کہ پاریمان سپریم نہیں، قرآن و سنت سپریم ہے۔ دنیا کو یہ بتا دیا جائے کہ پادشاہ وقت حاکم اعلیٰ نہیں، اللہ احکم الحاکمین ہے۔ دنیا کو یہ بتا دیا جائے کہ یہ زمین اللہ کی ملکیت

ہے، مسلمان جہاں چاہیں، ہجرت کر کے جاسکتے ہیں، ویزے اور پاسپورٹ کی ان کو ضرورت نہیں ہوتی۔ پوری اسلامی دنیا میں مسلمان پرویزے کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ مسلمانوں کو قومیت کی بنیاد پر کسی خاص جغرافیے میں بھی مقید نہیں کیا جاسکتا۔ ایک شخص کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ مسلمان ہے اور پورا عالم اسلام اس کا گھر ہے، پورا جہان اس کا میدان عمل۔ مسلمانوں کی نسبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی بنیاد پر ہے، قومیت، لسانیت یا کسی بھی قسم کی عصبیت پر نہیں۔ ابلیس کہتا ہے کہ اگر یہ بات عام ہوگئی، تو ہمارا پورا نظام اور اس کے تمام بت تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

ابلیس کہتا ہے کہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ پوری دنیا اس قانون، اس آئین سے محروم رہے۔ کوشش کرو کہ پوری دنیا سے قرآن و سنت کے یہ قوانین اور تعلیمات چھپی رہیں اور مسلمان خود یقین سے محروم رہیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسے اور شک انھیں کہ کیا آج کے دور میں بھی ہم وہ اسلامی سیاسی، معاشی، عسکری نظام قائم کر سکتے ہیں کہ جو پوری مسلمان امت کو متحد کر دے۔ کیا آج سونے اور چاندی کے سکے رائج ہو سکتے ہیں؟ کیا آج حقیقی دولت پر مبنی معاشی نظام قائم کیا جاسکتا ہے؟

اب ابلیس کے مشیر پوچھتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے کہ ہم مسلمانوں کو آئین پیغمبری اور شریعت سے محروم کر دیں؟ ان کو خرافات میں الجھا دیں۔ کیا کریں کہ مسلمان ہمارے سرمایہ داری اور اشتراکی معاشی نظام، آمریت اور جمہوریت کے فراڈ اور اس کے دھوکے میں پھنسے رہیں؟ تو ابلیس ان کو مزید ایک راز بتاتا ہے کہ ان کو ایسے ایسے مسائل میں الجھا دو کہ جو ظاہر اُبڑے علمی نظر آئیں، لیکن حقیقت میں میدان عمل سے ان کا کوئی واسطہ اور تعلق نہ ہو۔

علامہ اقبالؒ حکیم الامت ہیں، وہ امت کے تمام امراض سے بخوبی واقف ہیں، چنانچہ یہاں وہ ابلیس کی زبان میں ان فتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر آج آپ اپنے آس پاس دیکھیں تو مسلمان امت انہی خرافات میں پھنسی ہوئی ہے۔

ابن مریمؑ مرگیا یا زندہ جاوید ہے

ہیں صفات ذات حق، حق سے جدا یا عین ذات؟

حضرت عیسیٰؑ کا انتقال ہو گیا تھا یا وہ زندہ جاوید آسمان پر اٹھالیے گئے تھے؟ اللہ تعالیٰ کی صفات اللہ کی ذات سے جدا ہیں یا ذات کا حصہ ہیں؟ یہ ایسی فلسفیانہ موشگافیاں اور علمی بحثیں ہیں کہ جن کا کوئی فائدہ اس دنیا کے کارزار میں مسلمانوں کو نہیں۔

آنے والے سے مسیحؑ ناصری مقصود ہے

یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریمؑ کے صفات؟

جن عیسیٰؑ کو اس دنیا میں تشریف لانا ہے، ان سے مراد وہی عیسیٰؑ ہیں کہ جو اٹھالیے گئے تھے یا کوئی ایسے مجدد آئیں گے کہ جن میں حضرت عیسیٰؑ کی صفات ہوگئی؟

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم

امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟

قرآن پاک کے الفاظ حادث ہیں یا قدیم؟ یعنی وہ بنائے گئے تھے یا ہمیشہ سے تھے۔ امت کی کس عقیدے میں، کس فرقے میں نجات ہے؟ کونسا فرقہ ناجی ہے، کہ جو بچالیا جائیگا، اور کونسا فرقہ جہنم میں جائے گا؟ آج ہر فرقہ دوسرے پر تکفیر کے فتوے جاری کر رہا ہے۔ ابلیس کہتا ہے کہ مسلمانوں کو انہی بحثوں اور موشگافیوں میں الجھا دو اور انہیں میدان عمل سے ہٹا دو، اور پھر ان سے کہتا ہے کہ:

کیا مسلمان کیلئے کافی نہیں اس دور میں

یہ الہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟

جس طرح خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اور اس وقت کے مشرک ان کو پوجتے تھے، آج کے مسلمانوں کیلئے بھی تمہیں ویسے ہی بت تیار کرنا ہیں کہ جنہیں آج کا مسلمان پوجے، ایسی بحثوں میں پڑ جائے کہ جن میں فقط دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ یاد رکھیے گا! بغداد میں جب ہلاکو خان کی فوجیں آ رہی تھیں تو وہاں بھی اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔ وہاں کے علماء یہ بحث کر رہے تھے کہ اگر سور بکری بن کر آجائے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا یا نہیں۔ جب کوئی قوم اس سطح کی گفتگو تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے ایسے تباہ کرتا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی مٹ جاتا ہے۔ پھر ابلیس اپنے مریدوں کو مزید نصیحت کرتا ہے:

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے

تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

میدان عمل میں مسلمان کے کردار کی تعمیر نہ ہونے دینا۔ اس کو ایک صاحب کردار، مرد مجاہد، صاحب یقین، شاہین نہ بننے دینا۔ اس کو ایسی گفتگوؤں اور خرافات میں پھنسا کر رکھنا کہ عملی زندگی کے کسی پہلو میں بھی یہ کامیاب نہ ہو سکے اور زندگی کے ہر محاذ پر شکست کھاتا چلا جائے۔

خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام

چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

یہ بہت ضروری ہے کہ مسلمان ہر قسم کے نظریے، ہر قسم کے ”ازم“، ہر قسم کی غلامانہ فکر میں پھنسا رہے۔ یہ دنیا بے شک بے ثبات ہے، تباہ ہونے والی ہے لیکن اسی دنیا میں مسلمان کو ڈیوٹی کیلئے بھیجا گیا ہے۔ مسلمانوں کو دنیا میں اپنی ڈیوٹی سے غافل رکھو، خائفانہی نظام یا خرافات میں مست کر دو۔ اس کو ایسے زہد اور عبادت میں لگا دو کہ جو اس کو حقیقی میدان عمل اور کشمکش حیات سے دور رکھے۔



ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
اس کو ایسی شاعری، ایسے تصوف، ایسے مذہبی عقیدوں میں گم کر دو کہ جو اس دنیا کی کشمکش، جہد مسلسل، یعنی جہاد سے اس کو دور رکھے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
میں اس امت کی بیداری سے ہر لمحہ خوف کھاتا ہوں۔ یہ ابلیس کی مجلس شوریٰ کے آخری الفاظ ہیں کہ جن میں اقبال ابلیس کی زبانی بیان کرتے ہیں، کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ امت کہیں بیدار نہ ہو جائے، کیونکہ اس امت کا دائرہ اختیار پوری کائنات ہے۔ اس کو، خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی حیثیت سے، پوری کائنات کے احتساب کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے ابلیس آخری نصیحت کرتا ہے:

مست رکھو ذکر و فکر صیغہ میں اسے
پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے
اس کے مزاج میں رہبانیت پیدا کر دو کہ یہ دنیا سے الگ تھلگ رہ کر صرف اپنے ذکر و عبادات میں ہی مست رہے اور دنیا میں کشمکش حیات اور جہاد کے ذریعے کوئی انقلاب نہ برپا کرنے پائے۔ ان کو یوں پھنسا دو کہ یہ جہاد، سیاست اور معیشت کی طرف سے غافل ہو جائیں۔ روزے، حج اور عمروں میں اتنے مشغول ہوں کہ ان کو یہ علم ہی نہ ہو کہ وہ طاغوت کے نظام کے غلام بنادینے گئے ہیں۔

اقبالؒ نے ایک اور مقام پر ایک آزاد مرد مجاہد اور ایک خانقاہی نظام میں مست راہب کا یہی فرق بتایا تھا کہ جس سے کفر کو کوئی خطرہ نہیں۔

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

اقبالؒ نے یہاں موازنہ کیا ہے، ایک مرد مجاہد اور ایک شاہین شہرہ لولاک علیہ السلام کا، کہ جو پوری کائنات کا احتساب کرتا ہے، وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل بلند کرتا رہتا ہے، اس شخص سے کہ جو پوستہ زمین تسبیح و مناجات میں ہی لگا رہتا ہے۔ ایسے بے عمل راہبوں میں، اور پتھروں اور درختوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسکے مذہب کی حیثیت وہی ہے کہ جو ملا کے مذہب کی ہے، کہ جو جمادات و نباتات اور

تہذیب نے یہ رواج شروع کیا کہ سب سے بڑی اور خوبصورت عمارتیں بینکوں کی ہوتی ہیں۔ کراچی میں بھی کئی دہائیوں تک سب سے اونچی عمارت حبیب بینک پلازہ ہی کی تھی۔ اقبالؒ نے اس نقطے کو بیسویں صدی کے آغاز میں ہی نوٹ کر لیا تھا۔

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگِ مفاعیات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

اقبالؒ نے یہاں پہ پورے بینکاری نظام اور صیہونیوں کی سرمایہ دارانہ معیشت کو اڑا کے رکھ دیا ہے۔ اقبالؒ نے قرآن سے یہ الفاظ لیے ہیں کہ جب یہودی کہتے ہیں کہ سود بھی تجارت ہی کی ایک شکل ہے، تو جواباً اللہ کہتا ہے کہ تجارت حلال ہے اور سود حرام، اور اللہ نے قرآن پاک میں سود اور رباء کے نظام کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ یہاں پر اقبالؒ نے بھی یہی الفاظ استعمال کیے ہیں کہ یہ لوگ سود کو تجارت کہتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ جوا ہے۔ اور یہ لوگ ہمیں مساوات، انسانی حقوق، آزادی اظہار کا درس تو دیتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ خود لوگوں کا لہو پیتے ہیں۔ ایک آدمی کا نفع لاکھوں کیلئے تباہی کا باعث بنتا ہے، پوری پوری قومیں اور نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں اس سود اور رباء کے نظام میں۔ پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات!!

علامہ اقبالؒ نے بیسویں صدی کے اوائل میں جو کچھ بھی کہا تھا، آج آپ وہ ہوتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ وقت آچکا ہے کہ اقبالؒ کے نظریات کو دوبارہ زندہ کیا جائے، کیونکہ اب ابلیس کا براہ راست تصادم اسلامی نظام سے ہے۔

کیڑے مکوڑوں کا مسلک ہے۔

اقبالؒ نے دونوں سیاسی اور معاشی نظریوں، سرمایہ دارانہ نظام اور جمہوریت، اشتراکیت اور آمریت، سب کی اصلیت مسلمانوں کے سامنے کھول کر رکھ دی اور بتا دیا کہ یہ تمام کے تمام ابلیس کے بنائے ہوئے نظام ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے حوالے سے اس صیہونی بینکاری کو، کہ جس کو یہودی کنٹرول کرتے ہیں، اقبالؒ کئی مقامات پر کہہ چکے ہیں کہ فرنگ کی رگ جاں بچہ یہودی میں ہے۔

اقبالؒ نے مغربی تہذیب کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ یہ پوری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خود کشی کرے گی۔ مغرب تہذیب پر آپ کی بڑی گہری نگاہ تھی اور اتنی ہی شدید تنقید بھی۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے

حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیوان ہے یہ ظلمات

آج پوری دنیا مغربی تہذیب سے متاثر ہے۔ پوری چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں پہلی دفعہ یہ ہوا ہے کہ لاکھوں مسلمان اپنی مرضی سے ہجرت کر کے دارالاسلام چھوڑ کر دارالکفر میں آباد ہو رہے ہیں۔ مغربی تہذیب نے اتنا پرکشش جال پھیلایا ہے کہ مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر خود کفر کے نظام میں جا رہے ہیں اور اپنے دین اور ایمان کو خطرے میں ڈال لیتے ہیں اور جب ان کی اولادیں لادین ہو کر ان کے ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں تو ان کیلئے ایک بحران بن جاتا ہے۔ لیکن مغرب نے یہ نظام بنایا ہی کچھ یوں ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔

علم و ہنر کیلئے کوئی جانا چاہے تو ٹھیک، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہاں اندھیرا اور تاریکی ہے۔ وہاں انسانیت اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ نہ عزت ہے، نہ آبرو اور نہ ہی گھریلو زندگی۔ خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ پورا نظام کہ جو مغرب نے قائم کیا ہے، وہ انسانیت کے حوالے سے درندوں اور جانوروں کی سطح تک گرا ہوا ہے۔

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں

گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بینکوں کی عمارات

تم اس چیز سے اندازہ کرو کہ عمارتوں کی شان و شوکت، تعمیر اور رعنائی کے حوالے سے سرمایہ داری نظام کی نمائندہ بینکوں کی عمارات، مذہب کی نمائندہ گرجوں کی عمارت سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں، یعنی معاشرے میں اب مذہب کی نہیں، سرمائے کی عزت و اہمیت ہے۔ پوری دنیا میں بڑی بڑی عمارتیں اور خوبصورت تعمیرات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اس معاشرے کی بنیاد کس چیز پر ہے، مذہب پر یا مادہ پرستی پر۔ ترکوں نے سب سے زیادہ خوبصورت مسجدیں بنائیں، چونکہ اس دور میں غلبہ، اسلام کی روحانی اساس کا تھا۔ تمام اسلامی تہذیبوں میں مسلمان جب بھی عمارتیں تعمیر کرتے، تو ان کی سب سے ممتاز عمارت مسجد ہی ہوا کرتی۔ اس کے مقابلے میں جدید مغربی

وطن کی فکر کرنا داں! مصیبت آنے والی ہے

علامہ اقبالؒ اس قدر پراسرار اور اتنی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے کہ ناممکنات میں سے محسوس ہوتا ہے کہ ایک شخص میں اس قدر علمی، فکری اور روحانی صلاحیتیں مجتمع ہوں۔ ایک انتہائی پیچیدہ سیاسی ماحول میں مسلمان ملت کو ایک نظر یہ دے کر بیدار کرنا یقیناً ناممکنات میں سے تھا۔ یہ وہ کام تھا کہ جواقبالؒ نے کر دکھایا۔

اس وقت خطرات کا عالم یہ تھا کہ اقبالؒ انتہائی بے چینی میں مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر متنبہ کر رہے تھے کہ:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یعنی کیفیت یہ تھی کہ مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹانے کی سازش کی جا چکی تھی۔ انگریز سامراج، ہندوؤں کے ساتھ ملکر اپنی جگہ یہ سازش تیار کر چکا تھا کہ جس میں مسلمانوں کی پوری تہذیب کو جڑ سے اکھاڑنا مقصود تھا۔ اس ملک میں کہ جہاں مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی تھی، اب وہاں اذان دینے اور نماز پڑھنے تک پر پابندی عائد کی جانا تھی۔ اقبالؒ یہ سب فتنے اپنی فراست سے دیکھ رہے تھے اور ان کی بے چینی بجا تھی۔ اس خدشے کا ذکر قائد نے بھی مسلم ممالک کی مصر میں منعقدہ کانفرنس میں بھی کیا۔

وطن کی فکر کر نا داں! مصیبت آنے والی ہے

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

اقبالؔ نے پہلے تصور دیا، اس کے بعد نظریہ تخلیق کیا، پھر قوم کو بیدار کیا، پھر لیڈر تلاش کیا، پھر اسکی تربیت کی، اور پھر قوم کو اس لیڈر کی اطاعت کا حکم دیا۔ قائد اعظمؒ نے اقبالؔ کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا۔

آج آپ دنیا میں وہی عالمی نظام دیکھتے ہیں کہ جس کو اقبالؔ نے افشا کیا تھا۔ آج اللہ کے فضل سے وہ پاکستان، کہ جس کی انہوں نے پیش گوئی کی تھی، کہ جو اس وقت ناممکنات میں سے لگتا تھا، ایک اسلامی ایٹمی قوت کی صورت میں موجود ہے۔ آج اشتراکی نظام ختم ہو چکا ہے۔ وہ جو بلیس کی مجلس شوریٰ میں اقبالؔ نے کہا تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام کیلئے آنے والے دور میں اصل فتنہ اسلام ہوگا، وہ بھی آج سچ ثابت ہو چکا ہے اور اسلام ان کیلئے سب سے بڑا مد مقابل آن کھڑا ہوا ہے، اور کفر کا پورا نظام، یعنی مغربی تہذیب اور سرمایہ داری، خود تباہی سے دو چار ہیں۔ اقبالؔ اس وقت کہہ گئے تھے:

گیا	دور	سرمایہ	داری	گیا
تماشا	دکھا	کر	مداری	گیا

علامہ اقبالؔ مزید پیش گوئی کرتے ہیں:

گراں	خواب	چینی	سنہیلے	لگے
ہمالہ	کے	چشمے	اٹلے	لگے

ذرا غور کریں یہ بات اقبالؔ ۱۹۲۰-۲۱ء میں کہہ رہے ہیں۔ یہ اس وقت ناممکنات میں سے لگتا تھا کیونکہ اس وقت تو چینی افیون میں ڈوبے ہوئے تھے اور نہ ہی چین موجودہ شکل میں موجود تھا۔ اس وقت اقبالؔ یہ کہہ رہے تھے کہ خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے چینی بیدار ہونے لگے ہیں اور ہمالہ کے چشمے اٹلے لگے ہیں، یعنی مشرق کی تہذیبیں اب اٹھ رہی ہیں اور آنے والے وقتوں میں یہ مغرب کا مقابلہ کریں گی، اور آج دیکھیے کہ سو سال بعد چین کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہے۔ اس وقت یہ درویش سوسال آگے دیکھ رہا تھا۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جس قوم نے اقبالؔ سے فیض حاصل نہ کیا، وہ بدنصیب ہوگی۔

ہم مانتے ہیں کہ آج کے دور میں اقبالؔ کی اردو لوگوں کو مشکل لگتی ہے، لیکن ہمیں ہر حال میں اقبالؔ کو اردو میں ہی پڑھنا ہے۔ اردو کو دوبارہ رواج دینا ہوگا۔ عربی میں ہمارا چودہ سو سال کا ادب، تہذیب، تمدن اور دین موجود ہے۔ اسی طرح ہماری تاریخ و تہذیب فارسی میں بھی موجود ہے اور بد قسمتی سے ہم دونوں زبانوں سے ہی نابلد ہو چکے ہیں۔ تیسری اسلامی زبان اردو ہے کہ جس میں عربی اور فارسی کی طرح کا علمی خزانہ موجود ہے۔ اگر ہم نے اردو کو بھی بھلا دیا، اردو کو بھی گم کر بیٹھے، تو اس کے بعد پھر دنیا کی داستانوں میں ہمارا نام و نشان بھی نہ ہوگا، کہ سخت ہیں فطرت کی تعزیریں۔ اقبالؔ کو زندہ کرنا ہماری تہذیب، تمدن اور بقاء کیلئے بھی زندگی اور موت کا سوال ہے۔

شیطانی قوتیں اور طاقتیں کہ جو دنیا میں، برطانوی سامراج اور ہندو انتہا پسندوں کے روپ میں، ہندوستان میں اس وقت موجود تھیں، ان کا پورا ارادہ تھا کہ انگریزوں کے بعد مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی میں دے دیا جائے۔ ہندو انتہا پسندوں کی اکثریت اگر ہندوستان میں مسلمانوں پر غلبہ پالیتی تو وہ اپنی ایک ہزار سالہ ذلت کا بدلہ اس طرح لیتے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا دیا جاتا، اور اس سازش میں انگریز سامراج ان کے ساتھ شریک تھا۔ اس سازش کو سب سے پہلے اقبالؔ کی فراست نے ہی تاڑا تھا۔

ایک طرف تو اقبالؔ کا پہلا کام یہ تھا کہ نئے عالمی نظام کو افشا کریں اور زمانے کے تازہ خداؤں سے مسلمانوں کو آگاہ کریں۔ دوسری طرف کانگریسی ملاؤں کے فتنے کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت ہندوؤں سے اتحاد کی قائل ہو چکی تھی اور متحدہ ہندوستان میں ہندی قومیت کی بنیاد پر زندگی گزارنے پر راضی تھی۔ اس وقت تک یہ تمام فاسد تصورات مسلمانوں کے ذہنوں پر مسلط کر دیئے گئے تھے، کہ جن میں آج بھی ہمارے اکثر دانشور الجھے ہوئے ہیں اور انہی بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان تمام تازہ خداؤں کی اقبالؔ نے نشاندہی کی اور پھر ایک منتشر قوم کو ایک روحانی، انقلابی نظریے کے تحت یکجا کیا، اور پھر ایک قائد تلاش کیا اور اسکی تربیت کی۔ مایوسی کے اس دور میں اقبالؔ نے ان کو یہ حوصلہ دیا کہ تم ایک غیر متند اور دلیہ قوم ہو اور تمہاری تدبیر ہی تمہاری تقدیر ہے۔ ان کے ماضی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ان کے حال کا تجزیہ کیا تاکہ انکے مستقبل کو روشن کیا جاسکے۔

یہ جو ہم قومی ترانے میں کہتے ہیں، ترجمان ماضی، شان حال، جان استقبال، اقبالؔ نے بالکل یہی کیا۔ وہ ترجمان ماضی بھی تھے، شان حال بھی اور جان استقبال بھی۔ انہوں نے آنے والے دور کی ایک دھندلی سی تصویر امت کو دکھائی اور دو خواب دکھائے۔ ایک یہ کہ ہم نیاملک بنائیں گے، ایک الگ خطہ زمین حاصل کریں گے، اور دوسرا یہ کہ ہم اسے مسلم امت کے احیاء کا مرکز بنائیں گے۔ وہ خطہ زمین کہ جو تمام امت کا ایک ایسا قلعہ ہوگا کہ جو امت مسلمہ کی عزت و آبرو کا محافظ ہو۔ جب یہ سوال پوچھا گیا کہ یہ سارا معاملہ ہندوستان میں ہی کیوں؟ خصوصاً جبکہ خلافت ترکی میں تھی، تو اقبالؔ نے جواب دیا:

ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام

ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام

کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کوئی قومی ریاست (Nation State) مجبوراً بنانا پڑ بھی جائے (ہم آگے بتائیں گے کہ انہوں نے ”مجبوراً“ کیوں کہا) تو اس کا مقام ہند ہی ہوگا نہ کہ ایران یا شام۔ کیوں؟ اس کی وجہ بتاتے ہیں:

پاک اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں

خانقاہ عظمت اسلام ہے یہ سرزمین

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

بات چاہے ایک فرد کی ہو یا ایک ملک کی، ہر وہ وجود کہ جو اس امت رسول ﷺ سے وابستہ ہے اس کی بقاء، وقار اور عزت امت سے وابستگی میں ہے۔ پاکستان کی تمام تر آبرو اور مقام امت رسول ﷺ سے وابستہ ہونے میں ہے، گو کہ ”پاکستانیت“ ہماری شناخت ہے، جیسا کہ حضرت بلالؓ کی شناخت حبشہ سے تھی۔

اپنی کتاب ”Reconstruction of Religious Thought in Islam“ میں اقبالؒ نے مزید تفصیل سے آج کے دور میں قومیت کے مسائل کو واضح کیا ہے۔ ان کے مطابق اب امت مسلمہ تقسیم ہو چکی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اب امت کو اکٹھا کرنے میں بڑی محنت اور بڑا وقت لگے گا، تو اس کام کیلئے ہمیں زمینی حقائق کو سامنے رکھنا ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک زمانہ تھا کہ جب امت کا اتفاق تھا کہ خلافت صرف قریشی کے پاس ہی ہو سکتی ہے، یعنی خلیفہ صرف عرب قریش ہی ہو سکتے ہیں، چاہے وہ بنو امیہ ہوں یا بنو عباس۔ لیکن ایک دور وہ بھی آیا کہ جب قریش خلافت سنبھالنے کے قابل نہ رہے، یعنی جب عباسی خلافت تباہ و برباد ہو گئی تو اس کے بعد اس وقت کے علماء نے فتویٰ دیا کہ اس وقت حالات کا تقاضا یہ ہے کہ دین کی عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر خلافت کیلئے قریشی ہونے کی شرط کو ہٹا دیا جائے۔ جبھی خلافت عثمانیوں کے حوالے کر دی گئی اور ترک مسلمانوں نے، کہ جو قریشی نہیں تھے، خلافت اسلامیہ کی ذمہ داری اٹھائی اور کئی سو سال تک امت کی عزت و آبرو کے محافظ بنے رہے۔ اُس دور کے علماء نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تشریح کی اور اجتہاد کیا۔ اب بیسویں صدی میں چونکہ امت قومی ریاستوں میں توڑ دی گئی ہے اور ہمارے پاس ابھی اتنی طاقت اور صلاحیت موجود نہیں ہے کہ ہم اسے اکٹھا کر کے دوبارہ خلافت تلے ایک امت بنا سکیں، تو کم از کم ہر مسلمان ملک سیاسی، عسکری اور تعلیمی اعتبار سے اپنے آپ کو ایک مقام تک پہنچائے، اسکے بعد یہ سارے ممالک آپس میں مل کر مختلف اتحاد بنائیں اور آہستہ آہستہ یہ امت دوبارہ خلافت کے مرکز پر جمع ہو۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تاجنک کا شہر

آنے والے دور میں انہوں نے مسلمانوں کو ایک راہ ہدایت بتادی ہے کہ آپکو اس قومی ریاستوں کے تصور سے نکل کر دوبارہ امت اور ملت کی طرف رجوع کرنا ہے، گو کہ اقبالؒ اس تلخ حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جو خلافت کے خاتمے کے بعد مسلمانوں پر قومی ریاستوں کی شکل میں نازل ہوئی ہے۔ چودہ سو سال کی مسلمان تاریخ میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان علاقے میں جانے کیلئے ویزہ یا پاسپورٹ کی ضرورت پڑی ہو۔ مسلمان کیلئے صرف یہ کافی ہوتا تھا کہ وہ ایک مسلمان ہے۔ اس کو پوری دنیا کے مسلمان علاقوں میں جانے، تجارت کرنے، رہائش رکھنے، شادیاں کرنے اور خاندانوں کو آباد کرنے کی پوری اجازت ہوا کرتی تھی۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

آج کی جدید جغرافیائی سیاست میں، جدید سیاسی نظریات اور سیاسی تصورات میں، جب وطن کی بات کی جاتی ہے تو اس کی بنیاد عصبیت ہے، اور جب نبوت کے الفاظ میں ہم وطن کی بات کرتے ہیں تو ہماری مراد امت کے ایک عضو کی ہوتی ہے کہ جس کا مقصد صرف شناخت ہے۔ لہذا جب اقبالؒ وطن کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد قومیت کا جدید تصور نہیں ہوتا، بلکہ قرآنی تصور ہوتا ہے کہ جو انسان کی قومیتوں اور قبائل میں تقسیم کو صرف وجہ شناخت بناتا ہے، وجہ برتری نہیں، یعنی صہیب رومی، بلال حبشی، سلمان فارسی، اپنی قومیتوں کی وجہ سے پہچانے تو جاتے ہیں مگر یہ باعث عصبیت نہیں ہے۔

تو ابھی رہ گزر میں ہے قید مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر، فارس و شام سے گزر

علامہؒ کہتے ہیں کہ مسلمان کسی صورت میں بھی نہ تو ایک جغرافیائی مقام پر محدود ہو سکتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں کو فارسی، شامی، عربی، عجمی عصبیت میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

جب مدینہ کی ریاست قائم ہوئی تو مسلمان مکے سے ہجرت کر کے مدینہ آباد ہو گئے۔ حضور ﷺ کو مکے سے بھی بہت پیار تھا، اور مکے سے محبت کرنا عین ایمان تھا۔ مگر مشن کے تقاضوں کے تحت مدینہ تشریف لے گئے اور مدینے میں اسلامی ریاست قائم کی، کہ جو بعد میں چین سے یورپ تک پھیل گئی۔ ایک نظریاتی ریاست کا بنانا اور اس سے محبت کر کے اس کی حفاظت کرنا اسلام کے تصور کے خلاف نہیں ہے۔ یہ وہ قومیت نہیں ہے کہ جس کو مغرب آج دنیا پر مسلط کرتا ہے۔ مدینے کی ریاست کی طرح، کہ جس کی بنیاد ایک نظریے، ایک تصور، ایک فکر پر تھی، اقبالؒ نے بھی پاکستان کے قیام کا تصور دیا، کہ جس میں مسلمان ہندوستان کے ایک حصے کو جدا کر کے اسلام کے نام پر ایک علیحدہ ریاست کا وجود عمل میں لائیں۔ اسی بنیاد پر ہم نے ہندوستان کے مشرکوں سے الگ ہو کر پاکستان کی جانب ہجرت کی اور ایک ”مدینہ عثمانی“ بنایا کہ جہاں ہم امت مسلمہ کے احیاء، اسکے عروج اور خلافت علیٰ منہاج النبوةؐ کی بنیاد رکھیں گے، ان شاء اللہ۔

آبرو باقی تیری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

اقبالؒ یہاں واضح کر رہے ہیں کہ امت مسلمہ کی عزت اس وقت تک تھی کہ جب تک مسلمان خلافت کی مرکزیت تلے امت اکٹھے تھے۔ اور جب سے یہ امت قومیتوں اور لسانیت کی بنیاد پر چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کر دی گئی، تو اس کے زوال اور رسوائی کا آغاز ہوا۔

اب یورپی یونین کے ممالک نے بھی یہی اسلامی تصور اختیار کر لیا ہے، لیکن جب مسلمان یہ بات کرتے ہیں اور اس کیلئے کوشش کرتے ہیں تو ان مغربی طاقتوں کی جان نکلتی ہے۔ اس لیے کہ ان کو ہماری امت اور ملت کے تصور کا اندازہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم ایک عسکری و معاشی اتحاد بنائیں گے، اپنے درمیان سرحدیں، ویزے اور پاسپورٹ ختم کر دیں گے، اور خلافت کے مرکز کو دوبارہ قائم کریں گے، اور اسی سے یہ خوفزدہ ہیں، لہذا الگ بھگ ۷۵ ملکوں میں تقسیم کرنے کے بعد اب وہ امت مسلمہ کو مزید چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، اور نئے جغرافیے اور نئے نقشوں کی بات کی جا رہی ہے۔

لیکن ہم جب پاکستان کی ریاست سے محبت اور پیار کی بات کرتے ہیں، تو یہ اسی نسبت سے کی جاتی ہے کہ جس طرح ہم مدینے کی ریاست سے محبت کرتے ہیں۔ مسلمان ملت کا ایک مرکز تو ہوتا ہے لیکن ہماری فکر و سوچ ایک علاقے میں محدود نہیں ہوتی۔ اپنے مرکز سے عشق ایمان کا حصہ ہے۔ ہمارا مقصد اور مشن یہ ہے کہ کسی ایک جگہ مسلمان خود کو مجتمع کریں، خود کو دوبارہ منظم کریں اور اس خطے کی اسی طرح حفاظت کی جائے کہ جیسے مدینہ کی حفاظت کی جاتی تھی، اسی طرح اس پر جان و مال اور عزت و آبرو قربان کی جائے کہ جیسے مدینہ کی ریاست کے دفاع اور حفاظت کیلئے مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔

آج کے دور کے تمام مسلمان حکمرانوں، علماء اور دانشوروں پر یہ واجب ہے کہ وہ امت کو متحد کریں اور خلافت کے قیام کیلئے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو کھپادیں۔ اس کا آغاز ”ریاست ہائے متحدہ اسلامیہ“ سے ہوگا کہ جیسے آج یورپین یونین اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ بنے ہوئے ہیں۔ مسلمان ممالک کو اکٹھا کر کے ایک مضبوط اسلامی بلاک بنانا اور پھر خلافت کا دوبارہ احیاء، اقبال کا خواب اور ہمارا مشن ہے۔



کل: انیم میں ڈوبا ہوا چین



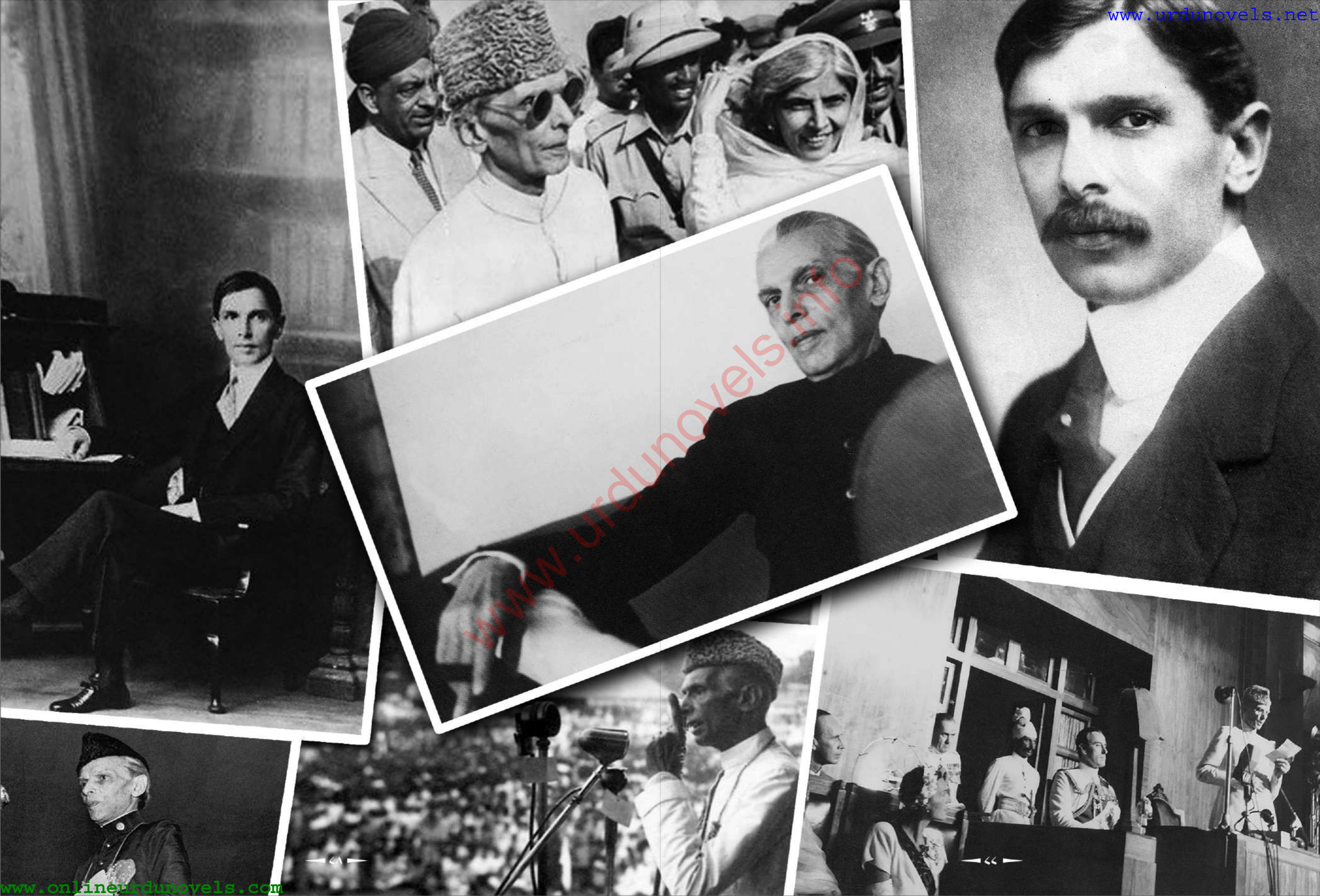
آج: ایک عظیم عالمی معاشی طاقت



قائد اعظم محمد علی جناحؒ
(۱۸۷۶ء - ۱۹۴۸ء)

www.urdunovels.info

حصہ دوم



قائد کے بارے میں نامور شخصیات کے تاثرات

”

گاندھی کے بغیر بھی ہندوستان آزادی حاصل کر لیتا، اور لینن اور ماؤ زے تنگ کے بغیر بھی روس اور چین میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہو جاتا، مگر جناح کے بغیر 1947ء میں پاکستان کا قیام ناممکن تھا۔



جان گنڈوین
برطانوی ممبر پارلیمنٹ

Although without Gandhi, Hindustan would still have gained independence and without Lenin and Mao, Russia and China would still have endured Communist revolution, without Jinnah there would have been no Pakistan in 1947.



” میں نے اپنی زندگی میں جناح سے زیادہ خوب اور ورجین انسان کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ایک جانب مغرب کی اعلیٰ ترین اقدار کے حامل تھے، تو دوسری جانب ان کا کردار مشرق کی حسین روایات کا حامل تھا۔

Mr. Jinnah was one of the handsomest men I have ever seen; he combined the clear cut, almost Grecian features of the West with oriental grace and movement”

لارڈ مائونٹباتن
وائسرائے آف انڈیا

”

جناح نے نہ صرف وہ خواب دیکھا کہ جو بعد میں پاکستان کی شکل میں ظاہر ہوا، وہ اس ریاست کے معمار بھی تھے اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کے بانی ملت بھی۔ جناح کو اپنی قوم کی طرف سے وہ محبت اور وفاداری ملی کہ جو شاید ہی کسی کے نصیب میں آتی۔



ہمتی فرومین، صدر امریکہ

[He was] the originator of the dream that became Pakistan, architect of the State and father of the world's largest Muslim nation. Mr. Jinnah was the recipient of a devotion and loyalty seldom accord to any man



” وہ تمام لوگ کہ جو قومی یا گروہی تعصبات کے خلاف لڑ رہے ہیں، ان کیلئے علی جناح کی ذات ایک دائمی روح پرور نمونہ ہے۔

Ali Jinnah is a constant source of inspiration for all those who are fighting against racial or group discrimination.

نیلسن منڈیلا

”

اگر جناح سکھوں میں پیدا ہوتے تو ان کی پوجا کی جاتی۔



ماسٹر تارا سنگھ، سکھ رہنما

If Jinnah was in Sikhs they would worship him

”

قائد اعظم محمد علی جناح نہ تو بدعنوان ہیں اور نہ انہیں خریدا جاسکتا ہے۔



علامہ اقبالؒ

He is Uncorruptible and Unpurchasable



” چند ہی لوگ تاریخ کا وحا را حقی طور پر تبدیل کرتے ہیں، ان میں سے بھی چند ہی دنیا کا نقشہ تبدیل کرتے ہیں، اور شاید ہی کوئی اس قابل ہو سکتا ہے کہ ایک قومی ریاست کو تشکیل دے۔۔۔ محمد علی جناح نے یہ سب کچھ کر دکھایا۔

Few individuals significantly alter the course of history. Fewer still modify the map of the world. Hardly anyone can be credited with creating a nation-state. Mohammad Ali Jinnah did all three.

”

شیٹلے والپورٹ

”

جناح بظاہر سیکولر نظر آنے والے، مگر درحقیقت اسلام کی ایک شمشیر ہیں۔



ریگی ہال سورسٹس، برطانوی ممبر پارلیمنٹ

Jinnah, a sword of Islam resting in a secular scabbard



” جناح کیلئے یہ بات کہنا غلط نہیں ہوگا کہ وہ ایک تاریخ ساز شخصیت ہیں جو کہیں صدیوں میں جا کر ہی پیدا ہوتی ہیں۔

Jinnah was a historic personality which takes birth once in a century.

مسو لینی حکمران اٹلی

”

زندگی میں ان سے زیادہ عظیم ترین انسان سے کبھی نہیں ملا۔



سر آغا خان

The greatest man I ever met.

Uncorruptible and Unpurchasable

نہ بکنے والا، نہ جھکنے والا

تاریخ اسلام میں ہمیں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ جب وقت کے صاحب نظر درویش اور فقیر نے مسلمان ملت کے دفاع کیلئے کسی سپہ سالار یا مجاہد کا انتخاب کیا۔ حضرت معین الدین چشتیؒ نے سلطان شہاب الدین غوری کو منتخب کیا، روحانی تائید بخشی، اور ہندوستان پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کرنے کی دعوت دی، کہ جس کے نتیجے میں ایک ہزار سال تک ہندوستان میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آسکا۔ اسی طرح جب مغل سلطنت اپنے زوال کو پہنچی تو اس وقت کے صاحب نظر، فقیر و درویش، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کے دفاع اور اسلامی ریاست کی حفاظت کیلئے افغانستان کے سلطان احمد شاہ ابدالی کو منتخب کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی، کہ جس کے نتیجے میں تقریباً سو برس مزید مغل حکومت کو سنبھلنے کا موقع مل گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کے بعد ہندوستان کی اسلامی ریاست مکمل طور پر انگریزوں کے قبضے میں چلی گئی۔ ایک ہزار سال میں یہ پہلی مرتبہ ہوا کہ ہندوستان دارالاسلام سے دارلکفر میں مکمل طور پر تبدیل ہو گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ صرف سیاسی اور عسکری قوت نکل گئی تھی، بلکہ تمام مسلمان اشرافیہ، ان کی تجارت، صنعت و حرفت اور نظام تعلیم مکمل طور پر تباہ کر دیئے گئے۔ انہی تاریک ترین راتوں میں، ۱۸۷۰ء کی دہائی میں، اللہ نے آگے پیچھے دو وجود بھیجے کہ جنہوں نے آگے جا کر مسلمانان ہند اور امت مسلمہ کی تقدیر اور تاریخ تبدیل کرنا تھی۔ ایک علامہ اقبالؒ اور دوسرے قائد اعظم محمد علی جناحؒ۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیاں علامہ اقبالؒ کا وہ دور ہے کہ جس میں وہ مسلمانان ہند اور ملت اسلامیہ کی نظریاتی، روحانی، اخلاقی اور سیاسی تربیت فرما رہے تھے۔ اب اقبالؒ کو حضرت معین الدین چشتیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرح ایک ایسے مجاہد کی ضرورت تھی کہ جو نظریہ اقبالؒ کو عملی شکل دے۔

“

He is Uncorruptible and Unpurchasable



سالار کے طور پر قبول کر لیں۔ اقبالؒ نے پورے ہندوستان کی تمام مسلمان قیادت کو دیکھا اور پرکھا..... بالآخر اس کڑے معیار پر صرف ایک وجود ہی پورا اتر سکا۔۔۔ محمد علی جناحؒ!

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ محمد علی جناحؒ کو ”قائد اعظم“ بنانے والے علامہ اقبالؒ ہی تھے۔ یہ دونوں وجود آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ نہ اقبالؒ کو قائد اعظمؒ سے جدا کیا جاسکتا ہے، نہ قائد اعظمؒ کو اقبالؒ سے الگ کر کے سمجھا جاسکتا ہے۔ اقبالؒ نظریہ اور فکر کا نام ہے، قائد اعظمؒ اسی نظریے کی عملی جدوجہد اور تکمیل کا۔ اگر قائد اعظمؒ کی فکر، سوچ اور اقدار کو سمجھنا ہو تو فکر اقبالؒ کی جانب لوٹنا ہوگا۔ قائد اعظمؒ کو اقبالؒ سے جدا کر کے سمجھنے کی کوشش تاریخ پر ظلم بھی ہوگا اور حقیقت سے فرار بھی۔

علامہ اقبالؒ سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ نے مسلمانوں کی قیادت کیلئے محمد علی جناحؒ کا ہی انتخاب کیوں کیا ہے، تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا:

“He is incorruptible and unpurchasable”

(وہ نہ تو بدعنوان ہیں، اور نہ ہی انہیں خریدا جاسکتا ہے۔)

اقبالؒ جب بستر مرگ پر تھے تو ایک وفدان کی صحت یابی کی دعا کے لیے آیا، اقبالؒ نے ان سے فرمایا تھا کہ:

”میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں، میں نے اپنا مشن مکمل کر دیا ہے، میرے لیے دعا کرنے کی بجائے اب جناح کے لیے دعا کیجئے انہیں ابھی اپنا مشن پورا کرنا ہے۔“

ایک اور مقام پر علامہ اقبالؒ، قائد اعظمؒ کے انتخاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

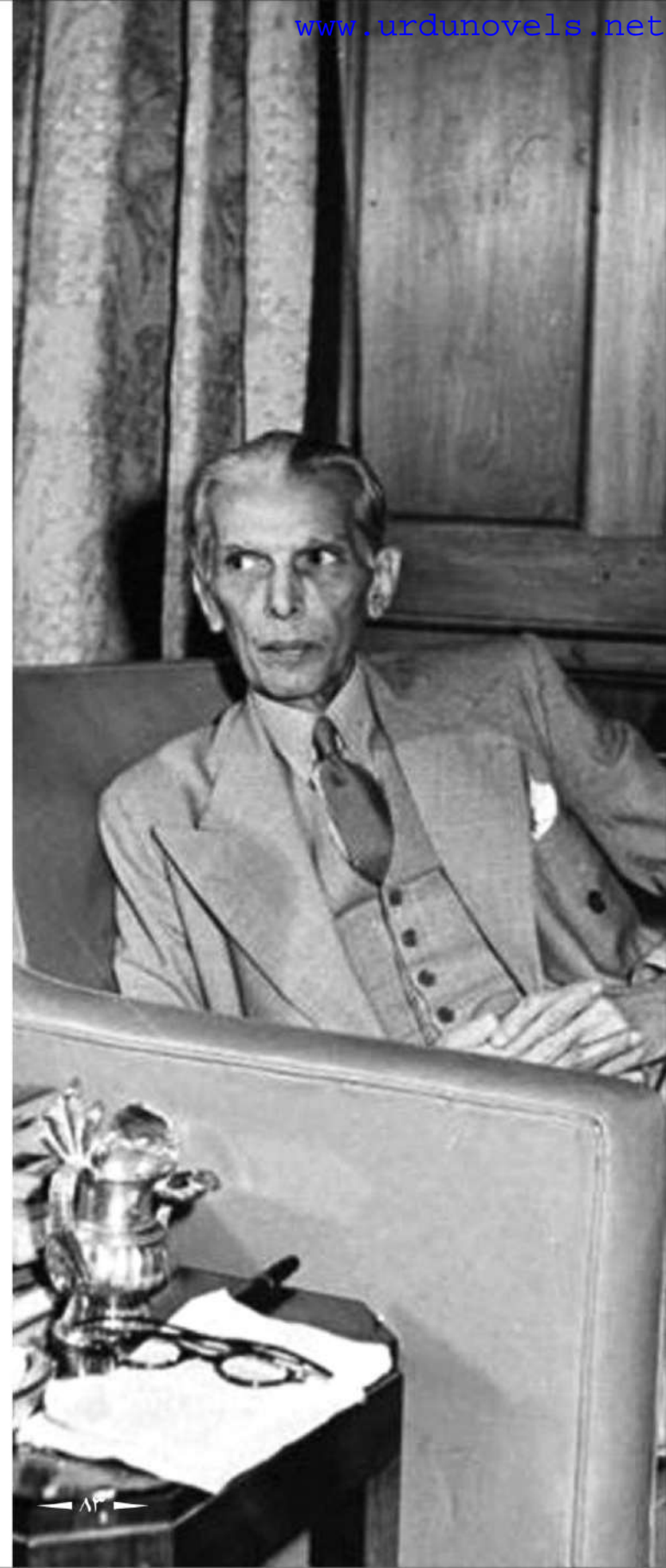
”جناحؒ سیاستدان ہیں، ان کا مزاج قانونی ہے، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ہندوستان کا اصل مسئلہ کیا ہے اور یہ بھی کہ ہندوؤں اور انگریزوں میں جو کشمکش جاری ہے اس کی حقیقی نوعیت کیا ہے۔۔۔ مسٹر جناح برطانوی سامراج کی اصلیت سے بھی بخوبی واقف ہیں اور وہ کانگریس کی ذہنیت کے بھی بھیدی ہیں اور ان کو شکست دے سکتے ہیں۔“

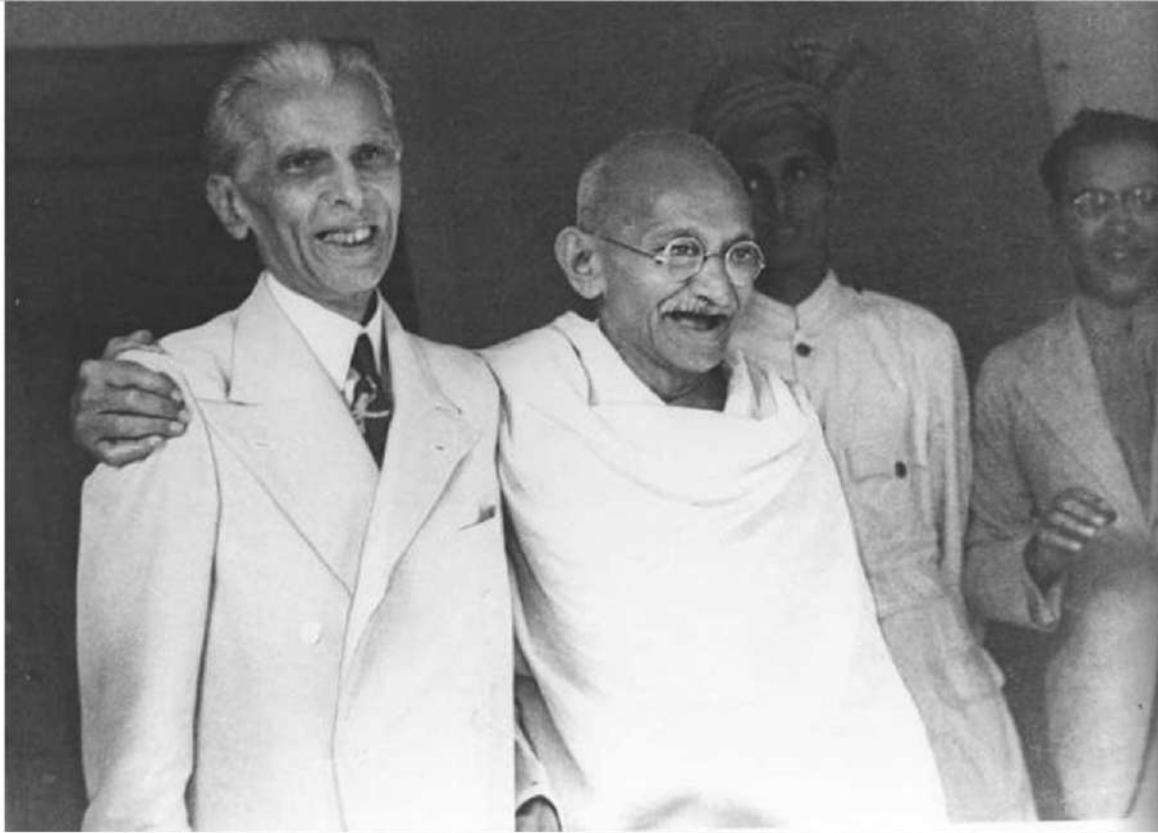
ہندوستان میں تحریک آزادی کی سیاسی و قانونی جدوجہد جاری تھی اور اب ضرورت ایک ایسے وجود کی تھی کہ جو مسلمانوں کیلئے اس جنگ میں سپہ سالار کا کردار ادا کرے، مسلمانوں کو متحد کرے، تحریک پاکستان کی قیادت کرے، ہندوؤں اور انگریزوں کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور بالآخر ملت کے قافلے کو تعمیر پاکستان کی شاندار منزل تک پہنچا دے۔

نظریہ پاکستان دینے کے بعد علامہ اقبالؒ کے سامنے سب سے بڑا چیلنج ہی یہی تھا کہ اب مشن کی تکمیل کیلئے مسلمانوں کا رہبر و رہنما تلاش کیا جائے۔ اسی دور میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

”میں ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل سے ناامید نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ عنقریب ان میں کوئی رہبر شخصیت نمودار ہوگی۔“

اقبالؒ یہ بات بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ اب امت کی قیادت کیلئے ایک ایسے غیر معمولی وجود کی ضرورت ہے، کہ جو صاحب فراست بھی ہو، جرأت کردار بھی رکھتا ہو، صادق اور امین بھی ہو، نہ جھکنے والا ہو نہ بکنے والا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پیار کرنے والا ہو، انگریزوں اور ہندوؤں کی چالوں کو خوب سمجھنے والا ہو اور ہندوستان کے مسلمان بھی اسے اپنے قائد اور سپہ





ایک مرتبہ ہندو لیڈر نہرو کانگریس کے چند دیگر رہنماؤں کے ہمراہ علامہ اقبالؒ سے ملنے آیا۔ دوران ملاقات میاں افتخار الدین نے اقبالؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ جو بھی کہہ رہے ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہے کہ مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح اپنے لیے ایک علیحدہ وطن کی تمنا رکھتے ہیں، اور ہندوؤں کی ہی طرح وہ بھی برطانوی سامراج کے دشمن ہیں۔ آپ یہ حقیقت علی الاعلان کیوں نہیں بیان کرتے۔ مسلمان آپ کی سنتے ہیں، جناح کی کون سنتا ہے؟

یہ سن کر اقبالؒ کو جلال آگیا، آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور میاں افتخار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

”میاں صاحب! شاید آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ مسلمانوں کو اس وقت اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔۔۔ اور جناح کی قیادت میں مسلمان اتحاد کی جانب بڑھ رہے ہیں۔۔۔ اور ہندوؤں کو مسلمانوں کا یہ اتحاد ایک آنکھ نہیں بھاتا، تو کیا انہیں خوش کرنے کیلئے اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔“

(Iqbal: The life of a Poet, Philosopher and Politician, by Zafar Anjum)



اسی طرح عین انتقال سے قبل کہ جب مسلمانوں کے وفود اقبالؒ کے پاس آکر ان کی صحت یابی کی دعا کرتے تھے، تو ان سے بھی مخاطب ہو کر اقبالؒ ایک ہی بات کہتے:

”میرا وقت مکمل ہو چکا ہے۔۔۔ اب جناح کیلئے دعا کریں۔“

بیسویں صدی کے آغاز میں قائد اعظم انگلستان سے بیرسٹری کی تعلیم مکمل کر کے ہندوستان واپس آچکے تھے اور ایک کامیاب وکیل کے طور پر آہستہ آہستہ ہندوستان میں اپنا نام بنا رہے تھے۔ سیاست سے قائد اعظم کو بے انتہا دلچسپی تھی، مگر اس وقت تک ان کی فکر اور سوچ صرف ہندوستان کی داخلی سیاست اور ہندو مسلم اتحاد تک ہی محدود تھی۔ قائد اعظم نے اپنی عملی سیاست کا آغاز ہندوؤں کی سیاسی جماعت کانگریس سے کیا، اور تقریباً سولہ برس تک اس کے رکن رہے۔ اس دور میں وہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے داعی کے طور پر جانے جاتے تھے۔ جناح، گاندھی کی ”ستیا گرا“، مہم کو سیاسی انارکی سمجھتے تھے اور آئینی طریقے سے جدوجہد کے حامی تھے، نیز گاندھی کی ہٹ دھرمی اور مسلم دشمنی کی وجہ سے ۱۹۲۰ء میں انہوں نے کانگریس چھوڑ دی اور مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

یہ وہ دور تھا کہ جب علامہ اقبالؒ نہ تو محمد علی جناح سے پوری طرح واقف تھے اور نہ ہی دونوں سیاسی طور پر ہم آہنگ۔ علامہ اقبالؒ اپنی جگہ پر ایک فلسفی، مفکر، دانشور اور صاحب نظر وجود کے طور پر ہندوستان میں اپنی جگہ بنا رہے تھے۔ دوسری جانب محمد علی جناح ہندوستان

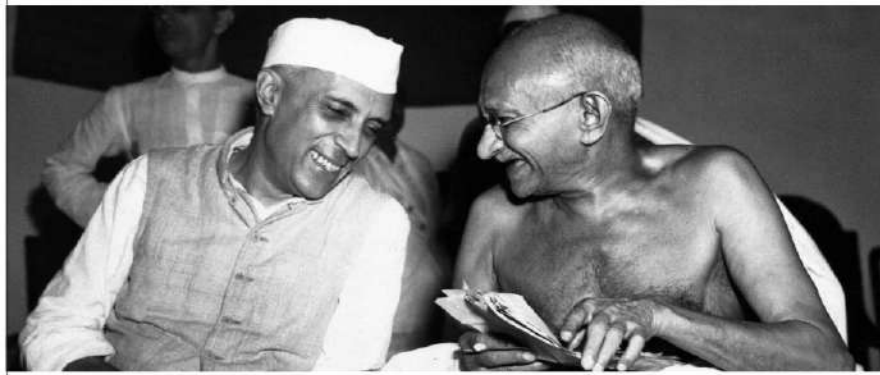


۱۹۳۱ء، گاندھی اور کانگریس کے رہنما دوسری گول میز کانفرنس میں لارڈ پیل اور سر سیمنٹیل کے ساتھ شریک



۱۹۱۷ء، گاندھی بہار میں ستیا گرام کے دوران جلسے سے خطاب کرتے ہوئے

آزادی نصیب ہوگی۔ اور پھر اگر ہندوستان آزاد ہو بھی جاتا ہے تو وہاں ایک مسلمان حکومت بنانے کا تو کوئی خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمان قیادت اسی خوف اور دہشت کا شکار تھی کہ انگریزوں کے جانے کے بعد وہ اب ہندوؤں کے غلام بنائے جائیں گے اور ہندوؤں سے ہزار سالہ حکمرانی کا سخت ترین انتقام لیں گے۔ مسلمانوں اور مسلم لیگ کیلئے ۱۹۳۰ء تک کا دور انتہائی غیر یقینی، خوف اور فکری انتشار کا تھا۔ پوری مسلمان ملت پر مکمل تاریکی کے بادل چھائے ہوئے تھے، نہ آزادی کا کوئی راستہ نظر آتا تھا اور نہ ہی ہندوستان میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا۔ مسلمان سیاسی طور پر بھی تباہ ہو چکے تھے، معاشی طور پر بھی بد حال تھے اور اب خطرہ ہو چلا تھا کہ ہندوستان میں ایک ہزار سال حکومت کرنے کے بعد صرف آقاؤں کی تبدیلی سے پوری مسلمان تہذیب کا نام و نشان مکمل طور پر مٹا دیا جائے گا۔ صورتحال اس قدر تاریک تھی کہ خود قائد اعظم بھی مایوسی کا ایسا شکار ہوئے کہ انہوں نے ہندوستان ہی چھوڑ جانے کا فیصلہ کر لیا اور بالآخر ۱۹۳۱ء میں ہندوستان چھوڑ کر آپ نے مستقل طور پر لندن میں رہائش اختیار کر لی۔



برصغیر میں مسلمانوں کے دشمن نہرو اور گاندھی!

علامہ اقبالؒ اس ساری صورتحال کو انتہائی غور اور تشویش سے دیکھ رہے تھے اور بالآخر ۱۹۳۰ء تک، آپ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ مسلمانوں کے مسائل کا حل متحدہ ہندوستان میں ممکن ہی نہیں ہے اور اب ہر حال میں برصغیر ہندوستان کو

کے ایک اعلیٰ ترین پیرسٹر اور ذہین سیاستدان کے طور پر ابھر رہے تھے۔ کانگریس کی مسلمان دشمنی کے باعث بالآخر تنگ آکر محمد علی جناح نے کانگریس سے استعفیٰ دیا اور اس وقت برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس وقت مسلم لیگ بھی مختلف دھڑوں میں تقسیم تھی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ محمد علی جناح اور علامہ اقبالؒ مسلم لیگ کے دو مخالف دھڑوں میں تھے، مگر اس کے باوجود علامہ اقبالؒ، جناح کے اندر چھپے ہوئے جوہر کو پہچان چکے تھے، اور اب اقبالؒ کی توجہ محمد علی جناح کی نظریاتی اور روحانی تربیت کرنے مرکوز پر تھی۔

یہ وہ دور ہے کہ جس میں علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کے درمیان طویل رابطے اور خط و کتابت رہی۔ مسلمانوں کے سیاسی حالات اور مستقبل سے لیکر پوری امت مسلمہ اور اسلام کو دور پیش مسائل کے حوالے سے اقبالؒ نے قائد اعظمؒ کی رہنمائی اور تربیت کی۔ ہندوستان میں اس وقت مسلمان سیاست مکمل طور پر فکری انتشار اور انارکی کا شکار تھی۔ نہ تو مسلمانوں کے سامنے کوئی واضح حکمت عملی تھی اور نہ ہی کوئی قائد کہ جہاں اسلام کو متحد کر کے ایک مضبوط سیاسی قوت بنا سکتا۔ مسلمانوں میں کچھ ایسی قوتیں بھی تھیں کہ جو ہندوؤں کا ساتھ دینے پر بضد تھیں، مثلاً دارالعلوم دیوبند۔ اور دوسری جانب مسلمانوں کی سیاست مسلم لیگ کر رہی تھی کہ جو خود دھڑوں میں تقسیم اور سیاسی افراق فکری کا شکار تھی۔ ان حالات میں ہندو کانگریس ایک بھرپور تحریک چلا رہی تھی کہ جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے نکال دیا جائے اور اس کے بعد ہندوستان کی مکمل حکمرانی اور حکومت ہندو کانگریس کے حوالے کر دی جائے۔ فکری اور سیاسی انتشار کے اس دور میں مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ صرف اس بات پر گفت و شنید کر رہی تھی کہ انگریزوں کے نکلنے کے بعد ہندوستان کی حکومت میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہوگا۔ اول تو کسی کو اس بات کا بھی یقین نہیں تھا کہ انگریز کبھی ہندوستان چھوڑ کر جائے گا اور ہندوستان کو بھی دوبارہ



۱۹۳۱ء، علامہ اقبال، محمد علی جوہر، سردار عبدالرب نشتہ اور دیگر مسلم لیگی مندوبین دوسری گول میز کانفرنس میں شریک

یہ وہ دور تھا کہ قائد اعظم اب مکمل طور پر علامہ اقبال کو اپنا رہنما اور مرشد تسلیم کر چکے تھے۔ وہ محمد علی جناح جو پہلے ہندوستانی قومیت اور ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے مبلغ تصور کیے جاتے تھے، اب ہندوستان کے مسلمانوں کے رہنما کے طور پر، تحریک پاکستان کے داعی بن کر، پوری امت مسلمہ کے قائد کے طور پر ہندوستان میں ابھرنے والے تھے۔

بالآخر اقبال اپنے اس مشن میں کامیاب ہوئے اور قائد انگلستان چھوڑ کر دوبارہ واپس تشریف لے آئے اور مسلمانوں کی قیادت سنبھال لی۔ یہ وہ دور ہے کہ جب محمد علی جناح ہندوستان کے مسلمانوں کے ”قائد اعظم“ بن کر ابھرتے ہیں، اور علامہ اقبال کو یہ سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے کہ اب مشن کی تکمیل اور تعمیر پاکستان ممکن ہو سکے گا۔ اقبال جس مجاہد کا برسوں سے انتظار کر رہے تھے، وہ بالآخر سامنے آ کر ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت سنبھال چکا تھا۔

تقسیم کر کے مسلمانوں کی الگ ریاست بنانا ناگزیر ہو گیا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں ہی الہ آباد کے خطبے میں علامہ اقبال نے اپنے اس حیرت انگیز اور ناقابل یقین انقلابی تصور کو بالآخر کھول کر بھی بیان کر دیا۔

گوکہ اقبال نے ہندوستان کی تقسیم کا تصور ۱۹۳۰ء میں خطبہ آلہ آباد میں دے دیا تھا، یہ اس دور کے لحاظ سے اس قدر ناممکن تصور کیا جاتا تھا کہ نہ تو انگریزوں نے اس کو سنجیدگی سے لیا، نہ ہندوؤں نے اور نہ ہی مسلمانوں کو اس کا یقین آیا۔ حتیٰ کہ خود قائد اعظم محمد علی جناح بھی مایوس ہو کر اگلے ہی سال انگلستان میں جا بسے اور ہندوستان کی سیاست سے اپنے آپ کو مکمل طور پر الگ کر لیا۔

اب علامہ اقبال کے سامنے ایک اور بہت بڑا چیلنج درپیش تھا۔ فکر اور نظریہ تو وہ دے چکے تھے، اب اس کیلئے ایک قائد تلاش کرنا تھا، قوم کو متحد کرنا تھا، اور پھر اس قوم اور قائد کے اس قافلے کو تحریک پاکستان کی جانب روانہ کرنا تھا۔ یہ ظاہر ایک ناممکن مشن تھا!

گوکہ قائد اعظم مایوس ہو کر انگلستان جا چکے تھے، علامہ اقبال یہ حتمی فیصلہ کر چکے تھے کہ اگر پاکستان نے وجود میں آنا ہے تو اس کیلئے قائد اعظم کو ہر حال میں واپس ہندوستان لا کر مسلم لیگ کی قیادت ان کے حوالے کرنی ہوگی۔ علامہ اقبال نے قائد اعظم سے اپنی خط و کتابت جاری رکھی اور اگلے دو برسوں میں، جب علامہ اقبال گول میز کانفرنس کے سلسلے میں لندن تشریف لے گئے تو بذات خود قائد اعظم سے طویل نشستیں کیں اور انہیں ہندوستان واپس آنے پر راضی کیا، تقسیم ہندوستان اور مسلمانوں کی علیحدہ آزاد ریاست کے تصور سے آشنا کیا، اور قائد اعظم کو بحیثیت ایک قائد ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔

To me he was a friend, guide and philosopher
میرے لیے وہ ایک دوست، رہنما اور ایک نظریہ ساز تھے

محمد علی جناح اپنی جوانی سے ہی ایک مرد آزاد تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھنے کے باوجود نہ آپ کی سیاسی سمت متعین تھی اور نہ ہی روحانی تربیت ہوئی تھی کہ مسلمانوں کی قیادت کی بھاری ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھا سکیں۔ محمد علی جناح کو ایک ایسے مرشد کی ضرورت تھی کہ جو انہیں نگاہ بلند بھی عطا کرے، سخن دل نواز بھی دے اور ان کی جان کو پرسوز بھی کرے، اور یہ مرشد ان کو علامہ محمد اقبالؒ کی شکل میں قدرت نے تحفہ عطا کیے۔ اقبالؒ سے ملنے اور متاثر ہونے کے بعد تو گویا محمد علی جناح کی کائنات ہی بدل گئی۔ وہ محمد علی جناح کہ جو مایوس ہو کر ۱۹۳۱ء میں ہندوستان ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے، وہ ۱۹۳۴ء میں اس جذبہ و جنون کے ساتھ واپس آتے ہیں کہ تاریخ تو کیا ہندوستان کا جغرافیہ ہی ہمیشہ کیلئے تبدیل کر دیتے ہیں۔

یہ قائدؒ اور اقبالؒ کا ایک ایسا حیرت انگیز تعلق ہے کہ جس کی لطافت اور حقیقت کو سمجھنے بغیر نہ تو نظریہ پاکستان کو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی تحریک پاکستان کو۔ اقبالؒ کی نظر میں قائدؒ کا جو مقام تھا وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اب یہ دیکھتے ہیں کہ قائدؒ کی نگاہ میں اقبالؒ کس مقام پر فائز تھے۔ قوم کے ”قائد اعظم“، محمد علی جناح ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ محمد علی جناح کے ”قائد اعظم“، علامہ محمد اقبالؒ ہیں۔ اور قائد اعظمؒ اس حقیقت کا برملا اظہار کرتے ہیں، اور بار بار کرتے ہیں۔



“

To me he was a friend, guide and philosopher





To me he was a friend, guide and philosopher and during the darkest moments through which the Muslim League had to go, he stood like a rock and never flinched one single moment and as a result just only three days ago he must have read of been informed of the complete unity that was achieved in Calcutta of the Muslim leaders of the Punjab and today I can say with pride that the Muslims of Punjab are wholeheartedly with the League and have come under the flag of the All-India Muslim League, which must have been a matter of greatest satisfaction to him. In the achievement of this unity Sir Muhammad Iqbal played a most signal part. My sincerest and deepest sympathy go out to his family at this moment in their bereavement in losing him, and it is a terrible loss to India and the Muslims particularly at this juncture.

“

I am extremely sorry to hear the sad news of the death of Sir Muhammad Iqbal. He was a remarkable poet of world wide fame and his work will live for ever. His services to his country and the Muslims are so numerous that his record can be compared with that of the greatest Indian that ever lived. He was an ex-President of the All-India Muslim League and a President of the Provincial Muslim League of the Punjab till the very recent time when his unforeseen illness compelled him to resign. But he was the staunchest and the most loyal champion of the policy and programme of the All-India Muslim League.

M.A. Jinnah

”میرے لیے وہ ایک دوست، ایک رہنما اور ایک نظریہ ساز تھے، اور مسلم لیگ کے تاریک ترین ادوار میں آپ ایک چٹان کی طرح کھڑے رہے اور ایک لمحہ کیلئے بھی آپ کے پایہء استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اسی عزم مصمم کا نتیجہ تھا کہ (دودھڑوں میں تقسیم) مسلم لیگ بالآخر متحد ہوئی۔ آج میں یہ بات انتہائی فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ پنجاب کے مسلمان دل سے آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہیں، یہ آپ کی کوشش کا ثمر ہے۔ اس اتحاد کے حصول میں آپ کا کردار کلیدی رہا۔ میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہوں۔ آپ کی وفات یقیناً نہ صرف ہندوستان بلکہ امت مسلمہ کیلئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔“

(۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء، کلکتہ)

”سر محمد اقبالؒ کی موت کی خبر سن کر مجھے انتہائی دکھ ہوا۔ آپ ایک عالمگیر اور آفاقی شاعر تھے اور آپ کا کام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ برصغیر کے مسلمانوں اور امت مسلمہ کیلئے آپ کی بیش بہا خدمات آپ کو اس خطے کا عظیم ترین انسان بناتی ہیں۔ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے سابق صدر تھے، اور مسلم لیگ پنجاب کی صدارت تو آپ کی اپنی شدید علالت سے پہلے تک رہی۔ لیکن آپ مسلم لیگ کے مقاصد سے حد درجہ وابستگی رکھتے تھے اور اس معاملے میں سب سے آگے تھے۔“

(۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء)

قائد اعظمؒ کو اس حقیقت کا پورا ادراک تھا کہ اقبالؒ جیسا وجود اب کبھی دوبارہ پیدا نہیں ہوگا، اور اس بات کا بھی کہ اقبالؒ کا دور آج بھی ہے، اور کل بھی رہے گا۔ قائد اعظمؒ کی زبان سے نکلے خراج تحسین کے یہ الفاظ اس گہرے قلبی تعلق کے ترجمان ہیں کہ جو قائد اور اقبالؒ کے درمیان قائم تھا۔

“

Dr. Sir Muhammad Iqbal's death is an irreparable loss to Muslim India. He was a personal friend of mine and composer of the finest poetry in the world. He will live as long as Islam will live. His noble poetry interprets the true aspirations of the Muslims of India. It will remain an inspiration for us and for generations after us.”

M.A. Jinnah

”ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کی موت ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایسا نقصان ہے کہ جس کا کبھی ازالہ ممکن نہیں۔ آپ میرے انتہائی قریب دوست تھے اور ایک آفاقی شاعر تھے۔ جب تک اسلام زندہ رہے گا، اقبالؒ زندہ رہیں گے۔ آپ کی شاعری برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترین ترجمان ہے۔ اقبالؒ ہمارے لیے بھی چشمہ فیض ہیں اور آنے والی نسلیں بھی اس چشمے سے سیراب ہوتی رہیں گی۔“

(آل انڈیا مسلم لیگ کے ۲۶ ویں سالانہ اجلاس کے موقع پر، ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء، پٹنہ)

۱۹۳۰ء میں اقبالؒ اپنے خطبہ الہ آباد میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست اور تقسیم ہندوستان کا تصور دے چکے تھے۔ اس کے بعد اپنی زندگی کے بقیہ آٹھ برس اقبالؒ نے اسی مشن کی تکمیل میں صرف کیے، اور اس بھاری ذمہ داری کیلئے قائد اعظمؒ کو ہی سپہ سالار منتخب کیا تھا۔ قائدؒ نے بھی اپنے مرشد کے حکم کے مطابق اسی نظریہ پاکستان کیلئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کر دیا۔ علامہ اقبالؒ نے ہی قائد کو مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں بلانے کا حکم دیا تھا۔ اقبالؒ کے انتقال کے بعد قائد اعظمؒ نے اس حکم کی تعمیل میں ۱۹۳۰ء میں ہونیوالے مسلم لیگ کے اجلاس کو لاہور میں منعقد کیا۔ اسی اجلاس کے صدارتی خطبے میں قائدؒ نے ایک مرتبہ پھر اپنے اور اپنے مرشد کے روحانی تعلق کو ان الفاظ میں بیان کیا:

“

If I live to see ideal of a Muslim State being achieved in India and I were then offered to make a choice between the works of Iqbal and the rulership of the Muslim state, I would prefer the former.

M.A. Jinnah

”اگر میں مسلمانوں کی الگ ریاست کے خواب کو حاصل کرنے تک زندہ رہا اور مجھے یہ پیشکش کی گئی کہ آپ اس ریاست کی سربراہی یا کلام اقبالؒ میں سے کسی ایک کو چن لیں، تو میں کلام اقبالؒ کا انتخاب کروں گا۔“

(یوم اقبال پر منعقد تقریب سے خطاب پر تاثرات، ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء، لاہور)

“

Every great movement has a philosopher and Iqbal was the philosopher of the National Renaissance of Muslim India. He in his works has left an exhaustive and most valuable legacy behind him and a message not only for the Musalmans but for all other nations of the world.

Iqbal was a poet who inspired Muslims with the spirit and determination to restore to Islam its former glory and although he is no more with us, his memory will grow younger and younger with the progress and development of Muslim India. His works should therefore, be read and digested by every Musalman to create solidarity, and we should all try to organise the Muslims throughout India economically, educationally, socially and politically.

M.A. Jinnah

”ہر عظیم تحریک کی پشت پر ایک نظریہ ساز ہوتا ہے، اور اقبالؒ مسلمانان ہند کے قومی احیاء کی نظریہ ساز ہستی ہیں۔ آپ ایک انتہائی جامع اور قیمتی ورثہ چھوڑ گئے ہیں، آپ کا پیغام نہ صرف مسلمانوں کیلئے بلکہ تمام اقوام کیلئے باعث خیر ہے۔

اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیافت کی تڑپ مسلمانوں میں پیدا کی۔ اگرچہ وہ آج ہم میں نہیں ہیں، مگر ان کا کام ہر آنے والے دن کے ساتھ مسلمانان ہند کی ترقی کا باعث بنے گا۔ ہر مسلمان پر ان کے کام کو پڑھنا اور اسے اپنے وجود کا حصہ بنانا لازم ہے۔ تاکہ مسلمانان ہند کو ہر سطح پر خواہ وہ معاشی ہو، تعلیمی ہو، سماجی ہو یا سیاسی، متحد کر کے مضبوط سے مضبوط تر بنایا جاسکے۔“

(یوم اقبال کے موقع پر لکھا گیا خط، ۹ اگست ۱۹۴۱ء، حیدرآباد دکن)

اقبالؒ کے بارے میں قائد اعظمؒ کے یہ دو خطبات خود قائد اعظمؒ کی اپنی فکر و نظر کی بلندیوں اور ان پر اقبالؒ کی مہر ثبت ہونے کی دلیلیں ہیں۔ قائد اعظمؒ کا پورا فکری اور روحانی وجود اقبالؒ کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ سیاسی فکر سے لیکر فلسفہء حیات تک، قائد زندگی کے ہر پہلو میں اقبالؒ کو مرشد تسلیم کر چکے تھے۔ فکر اقبالؒ اور فلسفہ اقبالؒ کی اس قدر خوبصورت اور حیرت انگیز تشریح صرف وہی وجود کر سکتا ہے کہ جو خود اقبالؒ سے عشق کی حد تک عقیدت رکھتا ہو۔

اور اسی اجلاس میں وہ قرارداد پیش اور پاس کی گئی کہ جس کو آج قرارداد پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس قرارداد کے پاس ہونے اور اجلاس کے ختم ہونے کے فوراً بعد قائد اعظمؒ علامہ اقبالؒ کی قبر پر حاضر ہوئے اور فرمایا:

آج اقبالؒ ہم میں نہیں ہیں، لیکن اگر وہ آج زندہ ہوتے تو یہ جان کر یقیناً خوش ہوتے کہ ہم نے آپ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر دکھایا۔

علامہ اقبالؒ کے انتقال کے بعد کئی موقعوں پر قائد اعظمؒ نے برملا اقبالؒ سے اپنی محبت اور وابستگی کا اظہار فرمایا۔ اس کے علاوہ قائدؒ نے اس بات کو بہت اچھی طرح واضح کر دیا کہ تحریک پاکستان کے جو مفکر اور نظریہ ساز ہیں وہ اقبالؒ ہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ عالم اسلام اور عصر حاضر میں اقبالؒ کے مقام اور امت مسلمہ کیلئے ان کی خدمات کو بھی بہت فراخ دلی سے کھل کر آنے والی نسلوں کیلئے قائد بیان کر گئے۔ قائد اعظمؒ کے ان بیانات کو پڑھ کر کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ نہ صرف یہ کہ ان کی اپنی ذات کیلئے بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں اور پوری امت مسلمہ کیلئے علامہ اقبالؒ ایک مرشد، نظریہ ساز، مدبر اور صاحب بصیرت عاشق رسول ﷺ کا مقام رکھتے ہیں۔

“

Iqbal was described by various speakers not only as one of the greatest poets of the world, but also a political prophet who first visualised the ideal of a separate Muslim State in India... The message of Iqbal has reached the farthest corners of the world. He was the greatest interpreter of Islam in modern times. I have had the privilege and opportunity, of being associated with him. I have never found a more true and more loyal colleague than him... "Iqbal is going to live for ever. The coming generations will look upon him as the greatest benefactors of Muslims.

M.A. Jinnah

”اقبالؒ کو بہت سے لوگ اس دنیا کا عظیم ترین شاعر کہتے ہیں، لیکن شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سیاسی معاملات میں ایک پیغمبرانہ بصیرت رکھتے تھے، کہ جنہوں نے سب سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کیلئے الگ ریاست کا خواب دیا۔۔۔ اقبالؒ کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچ چکا ہے۔ وہ دور جدید میں اسلام کے عظیم ترین شارح تھے۔ مجھے ان کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کا موقع ملا، اور میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اقبالؒ جیسا سچا دوست اور وفادار ساتھی مجھے کبھی نہیں ملا۔۔۔ اقبالؒ رہتی دنیا تک زندہ و جاوید رہیں گے۔ آنے والی نسلیں انہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے محسن کے طور پر یاد کریں گی۔“

(یوم اقبال کے موقع پر خطبہ میں تاثرات، ۳۰ مارچ ۱۹۴۱ء)

“Dare and Live” is Iqbal’s message. Optimism, industry, faith, self-confidence and courage are the principles on which Iqbal bases his philosophy and which he believes are the essential factors for the purification of human soul and for the elevation of human character. The obstacles and setbacks in life, according to him, make the life worth living. The sacrifices and losses, made and incurred in the service of a right cause and for noble principles elevates a nation and makes life more glorious and worth living.

Iqbal never believed in failure. He believed in the superiority of mankind over all the rest that God created. In fact he was convinced that man is a collection of all that is best in God’s universe. Only man does not know himself. Man has but to utilize his great potentialities and to use them in the right direction for the realization of that “self” which finds itself so near to God; and Islam is the code which has prescribed easy ways and means for that realization.

Iqbal was not only a philosopher but also a practical politician. He was one of the first to conceive of the feasibility of the division of India on national lines as the only solution of India’s political problem. He was one of the most powerful though tacit precursors and heralds of the modern political evolution of Muslim India.

Iqbal, therefore, rises above the average philosopher; as the essence of his teachings is a beautiful blend of thought and action. He combines in himself the idealism of a poet and the realism of a man who took practical view of things. In Iqbal this compromise is essentially Islamic. In fact it is nothing but Islam. His ideal therefore is life according to the teachings of Islam with a motto “Dare and Live.”

To the cherished memory of our National Poet Iqbal, I pay my homage on this day, which is being celebrated in commemoration of that great poet, sage, philosopher and thinker, and I pray to God Almighty that his soul may rest in eternal peace. Amen!

Though he is not amongst us, his verse, immortal as it is, is always there to guide us and to inspire us. His poetry, besides being beautiful in form and sweet in language, presents to us a picture of the mind and heart of this great poet, and we find how deeply he was devoted to the teachings of Islam. He was a true and faithful follower of the Holy Prophet (peace be upon Him), a Muslim first and a Muslim last. He was the interpreter and voice of Islam.

Iqbal was not merely a preacher and philosopher. He stood for courage and action, perseverance and self-reliance, and above all faith in God and devotion to Islam. In his person were combined the idealism of the poet and the realism of the man who takes a practical view of things. Faith in God and unceasing and untiring action is the essence of his message. And in this he emerges truly Islam. He had an unflinching faith in Islamic principles, and success in life meant to him the realization of one’s “self”, and to achieve this end the only means was to follow the teachings of Islam. His message to humanity is action and realization of one’s self.

”جرات کے ساتھ زندگی.....“ یہ اقبال کا پیغام ہے۔ امید، محنت، ایمان، خود اعتمادی اور جرات کردار وہ بنیادیں ہیں کہ جن پر اقبال نے اپنے نظریے کی بنیاد رکھی۔ یہ ستون انسان کی روح کی بالیدگی کے ساتھ ساتھ اس کی بلندیء کردار کا موجب بھی ہیں۔ اقبال کی نظر میں زندگی میں اتار چڑھاؤ ایک مرد آزاد کو مزید قوی بناتے ہیں۔ قربانیاں اور نقصانات انسان کے اندر برداشت پیدا کرتے ہیں ایک اچھے مقصد کیلئے زندگی گزارنے کی اور یہ قوموں کی زندگی کو عالیشان اور قابل فخر بناتے ہیں۔ اقبال نے کبھی ناکامی کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔ وہ تمام مخلوق خدا میں سے انسان کو سب سے زیادہ افضل جانتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ انسان اس کائنات کی تمام بہترین صفات کا مجموعہ ہے۔ انسان ہی ہے جو اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ اگر انسان اپنی خودی کو پہچان لے اور اپنی سمت درست کر لے تو وہ خود کو مالک کائنات کے انہائی قریب محسوس کرے گا، اور اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسان کو اپنی خودی اور خدا تک پہنچانے کا سب سے آسان راستہ ہے۔ اقبال صرف ایک نظریہ ساز ہی نہیں تھے، ایک عملی سیاستدان بھی تھے۔ وہ پہلے شخص تھے کہ جو اس نتیجے پر پہنچے کہ برصغیر کی تقسیم ہی اس کے تمام تر سیاسی معاملات کا حل ہے۔ آپ مسلمانان ہند کے سیاسی ارتقاء کے سب سے بڑے نقیب تھے۔ یہی چیز اقبال کو ایک عام فلسفی سے بہت ممتاز کرتی ہے کہ آپ کی تعلیمات فکر اور عمل کا ایک حسین امتزاج ہیں۔ آپ اپنی ذات میں ایک آئیڈلسٹ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عملی انسان تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ فکر و عمل کا یہ امتزاج اپنی بنیاد میں اسلامی ہے۔ اقبال کا منہجائے مقصود زندگی کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنانا تھا کہ جس کو اگر ایک لفظ سے تعبیر کیا جاسکے تو وہ ہوگا ”جرات رندانہ“۔

(یوم اقبال پر دیا گیا پیغام، ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء، لاہور)

”اقبال گویا دہرتے ہوئے میں انہیں نظرانہ عقیدت پیش کروں گا۔ آج جبکہ ہم ایک عظیم شاعر، حکیم، فلسفی اور نظریہ ساز کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مرحوم کی روح کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اگرچہ کہ اقبال آج ہم میں نہیں ہیں، مگر ان کا کلام جو کہ لافانی ہے، ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا، ہماری رہنمائی کرتا رہے گا اور ہم میں ایک نئی روح پھونکتا رہے گا۔ اپنی تمام تر شاعرانہ محاسن اور صفات سے ہٹ کر آپ کی شاعری ہمارے سامنے گویا آپ کا دل کھول کر رکھ دیتی ہے کہ جس میں ہم دیکھ لیتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات کس درجہ آپ کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھیں۔ اقبال رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق تھے، اسلام ہی آپ کا تعارف تھا اور یہی آپ کی واحد پہچان تھی۔ آپ کی آواز دراصل اسلام کی آواز تھی۔ اقبال محض ایک مبلغ اور فلسفی ہی نہیں تھے۔ آپ جرات رندانہ، عمل، ثابت قدمی، خودی اور خودداری اور سب سے بڑھ کر اللہ اور اسلام سے وابستگی کی ایک عملی تصویر تھے۔ آپ کی ذات میں ایک شاعر کی رومانیت اور ایک عملی انسان کی حقیقت پسندی مجتمع تھی۔ اللہ پر کامل یقین اور عمل پیہم آپ کے کلام کا نچوڑ ہیں اور اسلام حقیقتاً یہی ہے۔ اسلامی تعلیمات پر آپ کا یقین غیر متزلزل تھا، اور زندگی میں کامیابی کے معنی آپ کیلئے اپنی خودی کی تعمیر تھی کہ جس کا حصول صرف اسلامی تعلیمات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ آپ کا انسانیت کیلئے پیغام عمل اور اپنی خودی کی تعمیر ہے۔

(یوم اقبال پر دیا گیا پیغام، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۴ء، نیو دہلی)

آنے والے دور کی اک دھندلی سی تصویر دیکھ

۱۹۳۰ء تک ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل ایک ہندو تارک گلی میں داخل ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی سیاست مکمل طور پر انتشار کا شکار تھی، نہ کوئی مرکزی قیادت تھی اور نہ ہی کوئی محکم سیاسی نظریہ۔ انگریزوں سے آزادی کی تحریک تو گزشتہ دو ہائیوں سے سلگ رہی تھی مگر اس میں زیادہ منظم اور طاقتور قوت ہندوؤں کی ہی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہی انگریزوں کے خلاف اٹھنے والی تمام تحریکوں میں مسلمان شامل تو تھے، مگر متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کے مقابلے میں صرف ایک اقلیت کے طور پر۔ یہاں تک کہ تحریک خلافت کی قیادت بھی گاندھی کے ہاتھ میں تھی، کہ جو خلافت سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی کو استعمال کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا تو چاہتا تھا، مگر مسلمانوں کو کسی بھی طور پر سیاسی یا مرکزی قوت کے طور پر قبول نہیں کر سکتا تھا۔

جناب صاحب کو کانگریس چھوڑے برسوں ہو چکے تھے مگر اب وہ مسلم لیگ سے بھی مایوس ہو رہے تھے۔

۱۹۳۰ء تک خود مسلم لیگ بھی انتشار کا شکار تھی۔ اس کے بھی دو دھڑے بنے ہوئے تھے اور خود محمد علی جناح اور علامہ اقبال الگ الگ دھڑوں میں تھے۔ اس وقت تک مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی جتنی بھی جدوجہد مسلم لیگ کے جھنڈے تلے ہو رہی تھی، اس کا مقصد بھی صرف یہ تھا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت حاصل کی جاسکے۔

اس دور میں انگریز استعمار پہلی جنگ عظیم کا جھکا برداشت کر کے سنبھل چکا تھا۔ ہندوستان پر اس کی گرفت انتہائی مضبوط تھی۔ کوئی بھی سیاسی مبصر، دانشور یا فلسفی اپنے خواب و خیال میں بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ انگریز کبھی ہندوستان کو چھوڑ کر جانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اس تصور کا تو خواب دیکھنا بھی ممکن نہ تھا کہ کبھی ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمان اپنی علیحدہ آزاد اسلامی ریاست بنائیں گے۔



مقام پر پہنچ چکا تھا کہ اب تقدیر ان سے تاریخ تبدیل کرنے کا فیصلہ کن کردار لینا چاہ رہی تھی۔ خود اقبالؒ نے اس بات کا اظہار اسی خطبے میں بھی کیا:

”میں نے اپنی زندگی کا زائد حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست و تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔۔۔ میں نے اس امر کے متعلق ایک خاص بصیرت پیدا کر لی ہے کہ ایک عالمگیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہے۔۔۔“

اس خطبے میں اقبالؒ نے پوری اسلامی تہذیب، اس کی روح، اور مسلمان تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کے تمام اسباب کا احاطہ کرتے ہوئے، جدید دور کے تقاضوں کے مطابق، ہندوستان کے مسلمانوں کی بقاء اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے تمام سیاسی، معاشی، مذہبی اور ثقافتی پہلوؤں پر اس قدر گہرا اور جامع تبصرہ کیا کہ تاریخ اسلام میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

”۔۔۔ حقیقت میں یہ کہنا مباغض نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی ملت اسلام کی ترکیب صرف اسلام ہی کے مرہون منت ہے۔ کیونکہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کارفرما ہے۔ میرا مطلب ہے کہ مسلمانوں کے اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قوانین و ادارات کا شرمندہ احسان ہے جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ہیں، لیکن اس وقت مغرب کے سیاسی افکار نے نہایت تیزی کے ساتھ نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر تمام دنیائے اسلام میں انقلاب برپا کر رکھا ہے۔ نوجوان مسلمانوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ ان افکار کو اپنی زندگی کا جزو بنالیں۔ انہوں نے اس امر پر مطلق غور نہیں کیا کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کے ماتحت ان افکار نے مغرب میں نشوونما پائی۔“

”اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو انسانی ذہن کو، نسل و وطن سے آزاد کر سکتی ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اور جسے یقین ہے کہ اسلام کی تقدیر خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔۔۔“

”سوال یہ ہے کہ آج جو مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے اس کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے اور آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تصور کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی بجائے اس قومی نظام کو اختیار کر لیں جس میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا؟۔۔۔“

مسلمانوں میں فکری اور سیاسی انتشار اب اس قدر انتہا کو پہنچ چکا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے قابل اور پر خلوص رہنما محمد علی جناح بھی اس حد تک مایوس ہو چکے تھے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب ہندوستان سے ہی ہجرت کر کے ولایت چلے جائیں گے، ہندوستان کی سیاست سے علیحدگی اختیار کر لیں گے، مسلم لیگ کے معاملات کو ترک کر دیں گے اور اپنی بقیہ زندگی لندن میں ہی خاموشی سے گزار دیں گے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کے اس تاریک ترین اور خطرناک ترین دور میں کہ جب ہندوستان میں اسلام کا مستقبل ہی داؤ پر لگا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنا احسان فرمایا اور عین اس موقع پر علامہ اقبالؒ کو وہ فکر اور نور عطا کیا کہ جس نے آنے والے دنوں میں تاریخ کا دھارا ہی تبدیل کر دیا اور وہ سیاسی معجزہ کر دکھایا کہ جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس تھا۔ اس میں علامہ اقبالؒ بھی شریک ہوئے اور یہاں اپنا وہ مشہور خطبہ دیا کہ جسے تاریخ میں ”خطبہ الہ آباد“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس خطبے میں علامہ اقبالؒ نے پہلی مرتبہ کھل کر یہ اعلان کیا کہ مسلمانوں کے پاس اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ برصغیر ہندوستان کو تقسیم کر کے اپنی ایک علیحدہ اسلامی ریاست قائم کر لیں۔ اپنے وقت کی سیاسی فکر، سوچ اور دھارے کے مخالف یہ اس قدر انقلابی تصور تھا کہ اس نے ہر سننے والے کو غیر یقینی کی ایک کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ ہندوؤں نے اس کا مذاق اڑایا، دیوانے کا خواب کہا اور سختی سے تقسیم ہندوستان کے کسی بھی تصور کو مسترد کر دیا۔ انگریزوں نے اس کو ناقابل عمل قرار دیا۔ اور خود مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ کسی کو بھی اس تجویز کے قابل عمل ہونے پر یقین نہ تھا۔ انگریزی میں دیا گیا یہ خطبہ نہ اس وقت کی مسلمان اشرافیہ میں پذیرائی حاصل کر سکا اور نہ ہی عوام الناس کی سمجھ میں آیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا ذہن اور سیاسی چنگی ابھی اس مقام پر نہیں پہنچی تھی کہ فکر اقبالؒ کی بلندی کا احاطہ کر سکتی۔ مسلمانوں کی اکثریت تو مسلم لیگ کے الہ آباد کے اجلاس میں یہ سمجھ کر شریک ہوئی تھی کہ اقبالؒ شاید اپنی کوئی تازہ نظم سنائیں گے۔ اقبالؒ جب یہ خطبہ دے رہے تھے تو ان کے سامنے بیٹھے ہوئے سامعین اکتاہٹ کے سے انداز میں اس نظم کا ہی انتظار کرتے رہ گئے کہ جس کی امید پر وہ اس محفل میں شریک ہوئے تھے۔ اقبالؒ بڑی توجہ سے اپنا خطبہ پڑھتے گئے اور آپ کی نگاہیں محفل میں بیٹھے ہوئے طالب علموں کی ایک چھوٹی سی جماعت پر جمی رہیں۔ خطبہ اور محفل ختم ہونے کے بعد ایک صاحب نے اقبالؒ سے کہا کہ آپ کیوں ان لوگوں پر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں کہ جو آپ کے کلام کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ تو اقبالؒ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ:

”اس قوم کی آئندہ آنے والی نسلیں میری مٹھی میں ہیں۔“

اقبالؒ کا خطبہ الہ آباد مسلمان ملت کیلئے، اور خاص طور پر برصغیر کے مسلمانوں کیلئے، بیسویں صدی کے فیصلہ کن اور عظیم ترین خطبات میں شامل ہوتا ہے۔ اقبالؒ اس دور میں اپنی ذہنی، فکری اور روحانی بلندی کے عروج پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی نظر، فکر اور فلسفہ اب پختہ تر ہو کر اس

Allahabad Address

(Selected Extracts)

Indeed it is not an exaggeration to say that India is perhaps the only country in the world where Islam, as a people-building force, has worked at its best. In India, as elsewhere, the structure of Islam as a society is almost entirely due to the working of Islam as a culture inspired by a specific ethical ideal. What I mean to say is that Muslim society, with its remarkable homogeneity and inner unity, has grown to be what it is, under the pressure of the laws and institutions associated with the culture of Islam.

The ideas set free by European political thinking, however, are now rapidly changing the outlook of the present generation of Muslims both in India and outside India. Our younger men, inspired by these ideas, are anxious to see them as living forces in their own countries, without any critical appreciation of the facts which have determined their evolution in Europe.

Islam as a living force for freeing the outlook of man from its geographical limitations, who believes that religion is a power of the utmost importance in the life of individuals as well as States, and finally who believes that Islam is itself Destiny and will not suffer a destiny.

What, then, is the problem and its implications? Is religion a private affair? Would you like to see Islam as a moral and political ideal, meeting the same fate in the world of Islam as Christianity has already met in Europe? Is it possible to retain Islam as an ethical ideal and to reject it as a polity, in favor of national polities in which [the] religious attitude is not permitted to play any part?

The religious ideal of Islam, therefore, is organically related to the social order which it has created. The rejection of the one will eventually involve the rejection of the other. Therefore the construction of a polity on national lines, if it means a displacement of the Islamic principle of solidarity, is simply unthinkable to a Muslim.

Personally, I would go farther than the demands embodied in it. I would like to see the Punjab, North-West Frontier Province, Sind and Baluchistan amalgamated into a single State. Self-government within the British Empire, or without the British Empire, the formation of a consolidated North-West Indian Muslim State appears to me to be the final destiny of the Muslims, at least of North-West India. The proposal was put forward before the Nehru Committee. They rejected it on the ground that, if carried into effect, it would give a very unwieldy State. This is true in so far as the area is concerned; in point of population, the State contemplated by the proposal would be much less than some of the present Indian provinces. The exclusion of Ambala Division, and perhaps of some districts where non-Muslims predominate, will make it less extensive and more Muslim in population – so that the exclusion suggested will enable this consolidated State to give a more effective protection to non-Muslim minorities within its area. The idea need not alarm the Hindus or the British. India is the greatest Muslim country in the world. The life of Islam as a cultural force in the country very largely depends on its centralisation in a specified territory.

Thus it is clear that in view of India's infinite variety in climates, races, languages, creeds and social systems, the creation of autonomous States, based on the unity of language, race, history, religion and identity of economic interests, is the only possible way to secure a stable constitutional structure in India.

”لہذا اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے، الگ نہیں، دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کیلئے آمادہ ہوگا جو کسی ایسے وطن یا قومی اصول پر مبنی ہے جو اسلام کے اصول اتحاد کے منافی ہو۔“

تمام تر دلائل کے ساتھ اقبالؒ بڑے پراعتماد انداز میں مسلمانوں کو یہ بشارت دیتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں ایک مسلمان ریاست کا قیام اب ناگزیر ہے۔ اقبالؒ نے اس تجویز کے طور پر نہیں بلکہ ایک الہامی پیش گوئی اور مسلمانوں کی تقدیر کے طور پر بیان کیا۔ اس وقت کے سیاسی حالات اور مسلمانوں کے فکری انتشار اور دشمنوں کی طاقت کا لحاظ کرتے ہوئے اقبالؒ نے اس بات کا اہتمام ضرور کیا کہ کہیں ان کی اس تجویز سے حکومت وقت اور ہندو اکثریت اس قدر نہ بھڑک جائے کہ مسلمانوں کے لیے زندگی ہی حرام کر دے۔ لہذا ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کی خوشخبری کے ساتھ ہی احتیاطاً اقبالؒ نے یہ تجویز اس انداز میں دی کہ:

”میری خواہش یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اراکین مجلس نے اسے اس بناء پر روک دیا کہ اس قسم کی کوئی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ اتنا وسیع ہوگا کہ اس کا انتظام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بے شک اگر رقبہ کا لحاظ کیا جائے تو اراکین مجلس کا یہ خیال صحیح ہے۔ لیکن آبادی پر نظر کی جائے تو اس ریاست کے باشندوں کی تعداد اس وقت کے بعض ہندوستانی صوبوں سے بھی کم ہوگی۔ غالباً انبالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع الگ کر دینے سے، جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے، اس کی وسعت اور انتظامی مشکلات میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔ پھر ان اضلاع کی علیحدگی سے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ اس تجویز کو سن کر نہ انگریزوں کو پریشان ہونا چاہیے نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے۔۔۔“

”۔۔۔ میرے خیال میں اب یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوگئی کہ ہندوستان کے لسانی اور عقائد و معاشرت کے بے شمار اختلافات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مستقل حکومت قائم کرنے کی یہی صورت ہے کہ یہاں ایسی آزاد ریاستیں قائم کر دی جائیں جو زبان نسل، تاریخ، مذہب اور اقتصادی مفاد کے اشتراک پر مبنی ہوں۔“

یہ بات کہ یہ آزاد اسلامی ریاست ”خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر“ صرف وقت کی سیاسی ضرورتوں یا مصلحتوں کو سامنے رکھ کر کہی گئی تھی۔ آنے والے دور نے اقبالؒ کی اس فراست پر حیرت انگیز طور پر مہر تصدیق ثبت کی۔ سترہ برس بعد ۱۹۴۷ء میں جب فکر اقبالؒ کے مطابق بالآخر ہندوستان کو تقسیم کیا گیا تو اس وقت کی سیاسی مصلحتوں اور انگریزوں کی زبردستی کے تحت مجبوراً ہندوستان اور پاکستان کی دونوں ریاستوں کو ابتدائی طور پر سلطنت برطانیہ کی ماتحت ریاستوں کے طور پر داخلی خود مختاری دی گئی تھی، یعنی "Dominion Status"۔ اسی لیے قائد اعظمؒ کو ”گورنر جنرل“ کا عہدہ دیا گیا۔ برطانوی حکومت تو یہ چاہتی تھی کہ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان اور پاکستان کی دونوں ریاستوں کا گورنر جنرل مقرر کیا جائے۔ مگر قائد اعظمؒ نے اس تجویز کو سختی سے رد کرتے ہوئے پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ خود اختیار کیا اور ماؤنٹ بیٹن صرف بھارت کا گورنر جنرل بن سکا۔ گو کہ کاغذی طور پر پاکستان ایک برطانوی سلطنت کے اندر خود مختار ریاست تھی، قائد اعظمؒ نے مکمل اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر پاکستان کو تاج برطانیہ کی ماتحت ریاست نہیں بننے دیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پھر رسمی طور پر بھی پاکستان نے ایک ماتحت ریاست کی حیثیت سے نکل کر ایک مکمل طور پر آزاد اور خود مختار اسلامی ریاست ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس تاریخی حقیقت میں اقبالؒ کی وہ حیرت انگیز فراست نظر آتی ہے کہ جس کا اظہار انہوں نے ۱۹۳۰ء میں اپنے خطبہ الہ آباد میں پہلے ہی کر دیا تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ شاید آغاز میں نئی قائم ہونیوالی اسلامی ریاست کو مصلحتاً سیاسی سمجھوتے کرنے پڑیں مگر آنے والے دنوں میں یہ جلد ہی ایک آزاد اور خود مختار ریاست بن جائے گی مگر سب سے پہلے اس کیلئے ہندوستان کی تقسیم ضروری ہے۔ اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔۔۔

محمد علی جناح سے قائد اعظم تک

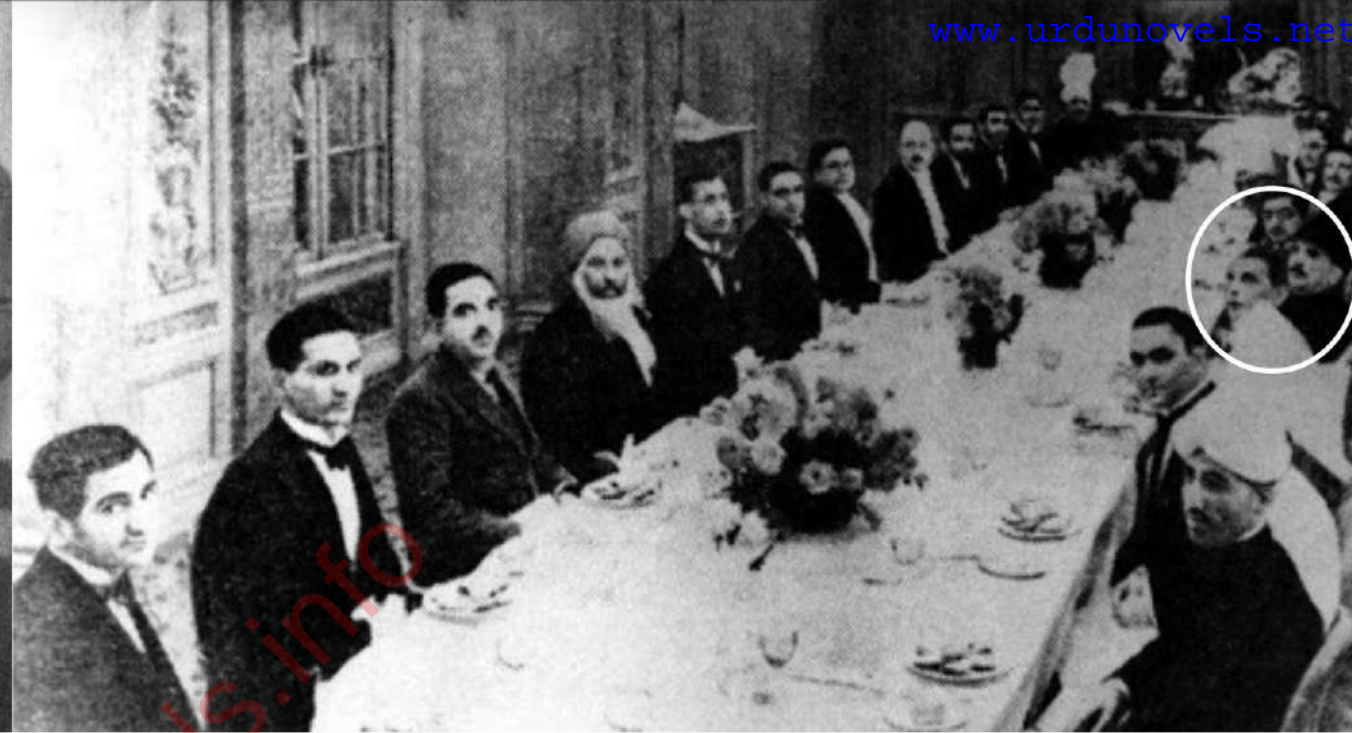
گو کہ اپنے ۱۹۳۰ء کے تاریخی خطبہ الہ آباد میں اقبالؒ ”آنے والے دور کی ایک دھندلی سی تصویر“ دکھا چکے تھے، اس کے باوجود اس دور میں نہ تو مسلم لیگ کو اس کی صداقت پر کوئی ایمان تھا اور نہ ہی محمد علی جناح کو اس کے عملی تصور ہونے پر یقین۔ جناح کہ جو مسلم لیگ کے صدر اور ہندوستان کے مسلمانوں کے واحد رہنما تھے کہ جن سے امیدیں وابستہ تھیں، اس دور میں مسلمانان ہند سے اس قدر مایوس ہو چکے تھے کہ اس خطبے کے چند ہی ماہ بعد ہندوستان ہی چھوڑ گئے، اور لندن جا کر اس ارادے سے بس گئے کہ اب بقیہ زندگی یہیں گزاری جائے گی۔

اب اقبالؒ کیلئے ایک اور بڑی آزمائش آکھڑی ہوئی تھی۔ جب قائد اعظمؒ ہندوستان میں تھے تو اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی انقلابی نظریہ نہ تھا۔ اب جبکہ اقبالؒ وہ انقلابی نظریہ پیش کر چکے تھے تو اس پر عمل کرنے کیلئے اب مسلمانوں کے پاس کوئی رہنما نہ تھا۔ اقبالؒ واضح طور پر دیکھ رہے تھے کہ ہندوستان میں محمد علی جناح کا کوئی نعم البدل موجود نہیں ہے۔ اگر جناح ہندوستان واپس آ کر مسلمانوں اور مسلم لیگ کی قیادت نہ سنبھالتے تو نہ صرف نظریہ، اقبالؒ فقط کاغذوں تک ہی محدود رہتا بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل ہمیشہ کیلئے تاریک ہو جاتا۔ اب اقبالؒ کے سامنے سب سے بڑا مشن یہ تھا کہ کسی طرح محمد علی جناح کو تقسیم ہند کے نظریے پر قائل کر کے انگلستان سے دوبارہ ہندوستان واپس لایا جائے اور مسلمانان ہند کی قیادت ایک مرتبہ پھر ان کے حوالے کی جائے۔ حالات نے جلد ہی اقبالؒ کو لندن جا کر براہ راست محمد علی جناح سے بات کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔

ہندوستان میں انگریزوں کو واضح نظر آ رہا تھا کہ ہندو مسلم کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بات کے باوجود کہ مسلم لیگ محمد علی جناح کے نکل



۱۹۳۲ء، لندن، نوجوان چوہدری رحمت علی دیگر سیاسی کارکنوں کے ہمراہ اقبال کے ساتھ



۱۹۳۱ء، علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح دوسری گول میز کانفرنس میں شریک

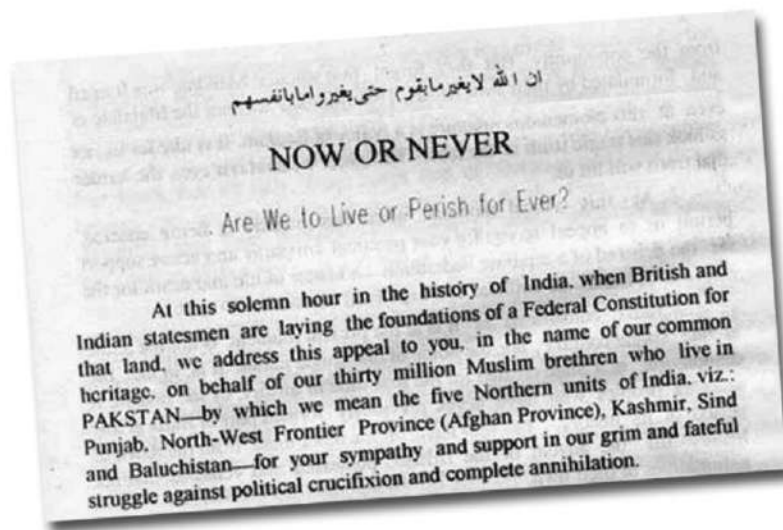
کی مزید وضاحت کرتے ہوئے، شمال مغربی ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں کو اکٹھا کر کے، ایک نقشہ سامایا، اور اسے ”پاکستان“ کا نام دیا۔ پنجاب، افغانستان، کشمیر، سندھ اور بلوچستان کے حروف کو ملا کر چوہدری رحمت علی نے لفظ ”پاکستان“ تخلیق کیا۔ اس کے علاوہ چوہدری رحمت علی نے آگے بڑھ کر ہندوستان میں کئی اسلامی ریاستیں اور بھی تجویز کیں۔ ان کی رائے کے مطابق حیدر آباد دکن وغیرہ کے علاقوں کو ملا کر ”عثمانستان“ اور بنگال کے صوبوں کو اکٹھا کر کے ”باگستان“ بنانا بھی ضروری تھا۔

جانے کے بعد عملی طور پر معطل سیاسی جماعت ہو چکی تھی، مگر مسلمان بہر حال ایک مضبوط اقلیت کے طور پر ہندوستان میں موجود تھے اور ان کے مطالبات اور جذبات کو یکسر مسترد کر کے انگریز حکمران مکمل طور پر اپنا وزن ہندوؤں کے پلڑے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ مسلمانوں سے بہر حال ان کو مشاورت کرنی تھی۔ اسی لیے لندن میں مسلسل تین برس انگریزوں نے ”گول میز کانفرنس“ طلب کیں کہ جن میں ہندوستان کے تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والی اشرافیہ کو مدعو کیا گیا اور ہندوستان کے مسائل اور مستقبل پر بحث کی گئی۔

یہ گول میز کانفرنس ۱۹۳۲-۱۹۳۱-۱۹۳۰ء میں لندن میں منعقد ہوئیں۔ ان کانفرنسوں میں چند ایک میں محمد علی جناح اور علامہ اقبال بھی شریک ہوئے۔ کانفرنسوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا مگر اس بہانے علامہ اقبال کو لندن جا کر براہ راست محمد علی جناح سے تفصیلی گفتگو کرنے اور انہیں قائل کرنے کا پورا موقع ملا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان اشرافیہ اور انگلستان میں موجود مسلمان طالب علموں کے ساتھ بھی اقبال نے تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے تقسیم ہند کے اپنے نظریے کو بہت تدریجاً اور حکمت سے واضح کیا۔

اسی دوران میں اقبال کی ملاقات انگلستان میں مقیم مسلمان نوجوانوں کے ایک وفد سے بھی ہوئی کہ جس میں ایک نمایاں نام چوہدری رحمت علی کا بھی تھا۔ چوہدری رحمت علی تعلیم کے سلسلے میں انگلستان میں مقیم تھے۔ اقبال کے ساتھ تفصیلی گفتگو اور نشستوں کا چوہدری رحمت علی نے بہت گہرا اثر لیا۔ نوجوان بھی تھے اور جو شیلے بھی۔ تقسیم ہند کا نظریہ اقبال کے جس کا اظہار اقبال خطبہ الہ آباد میں تفصیلی کر چکے تھے، چوہدری رحمت علی کو پوری طرح متاثر کر گیا۔ آنے والے وقتوں میں، ۱۹۳۳ء میں، چوہدری رحمت علی نے اپنا وہ مشہور رسالہ تحریر کیا کہ جس کا نام تھا ”Now or Never“ (ابھی نہیں تو کبھی نہیں) اس رسالے میں انہوں نے پہلی مرتبہ، نظریہ اقبال

چوہدری رحمت علی کے رسالے کا یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ اب تقسیم ہند ایک باقاعدہ نظریے کے طور پر مسلمانوں، ہندوؤں اور انگریزوں کے درمیان موضوع بحث بن گیا۔ انگریزی اور ہندی اخباروں نے اقبال کے خطبہ الہ آباد اور چوہدری رحمت علی کے رسالے کو آپس میں ملا کر یہ طوفان کھڑا کر دیا کہ مسلم لیگ ”پاکستان“ بنانا چاہتی ہے۔





I think you will bear me out that when we passed the Lahore resolution we had not used the word 'Pakistan'. Who gave us this word? (Cries of "Hindus") Let me tell you it is their fault. They started damning this resolution on the ground that it was Pakistan. They are really ignorant of the Muslim movement. They fathered this word upon us. . . . You know perfectly well that Pakistan is a word which is really foisted upon us and fathered on us by some section of the Hindu press and also by the British press. Now our resolution was known for a long time as the Lahore resolution popularly known as Pakistan. But how long are we to have this long phrase?

Now I say to my Hindu and British friends: We thank you for giving us one word. (Applause, and cries of hear, hear.) What is the origin of the word Pakistan? It was not Muslim League or Quaid-i-Azam who coined it. Some young fellows in London, who wanted a particular part of north-west to be separated from the rest of India, coined a name in 1929-30, started the idea and called a zone Pakistan. They picked up the letter P for Punjab. A for Afghan, as the NWFP is known even today as Afghan, K for Kashmir. S for Sind, and Tan for Baluchistan. A name was coined..

M.A. Jinnah

”آپ میری اس بات کی تائید کریں گے کہ جب ہم نے قرارداد لاہور منظور کی تو اس میں لفظ ”پاکستان“ استعمال نہیں کیا۔ یہ لفظ ہمیں کس نے دیا؟ (مجمع میں آوازیں اٹھیں، ”ہندو!“ ”ہندو!“) یہ لفظ ہمیں ہمارے حریفوں نے دیا۔ وہ قرارداد لاہور کی مذمت اس بناء پر کرتے رہے کہ یہ دراصل قرارداد پاکستان ہے۔ وہ برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک سے مطلق نا آشنا ہیں۔ درحقیقت یہ لفظ انہوں نے ہی ہمیں دیا۔ آپ یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ لفظ ”پاکستان“ ہم پر ہندو پریس اور برطانوی پریس کی طرف سے مسلط کیا گیا۔ ہماری قرارداد ایک طویل مدت تک قرارداد لاہور کے نام سے جانی جاتی تھی کہ جسے اب قرارداد پاکستان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہم کب تک اس بحث کو سلجھاتے رہیں گے۔ لہذا اب میں اپنے ہندو اور برطانوی کرم فرماؤں سے یہ کہوں گا کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہمیں یہ لفظ دیا۔ (مجمع کی طرف سے پر جوش تالیاں) اس لفظ ”پاکستان“ کا ماخذ کیا ہے؟ یہ لفظ مسلم لیگ یا میری ذات کی طرف سے اختراع کردہ نہیں ہے، برطانیہ میں موجود کچھ نوجوانوں نے یہ لفظ ۱۹۲۹-۳۰ میں اختراع کیا کہ جو ہندوستان کے جنوب مشرقی علاقوں کو باقی ہندوستان سے علیحدہ چاہتے تھے اور اسے انہوں نے پاکستان کا نام دیا۔ ان لڑکوں نے ”پ“ پنجاب سے، ”ا“ افغان سے، ”ک“ کشمیر سے، ”س“ سندھ سے، اور ”تان“ بلوچستان سے لیا اور یوں یہ نام وجود میں آیا۔۔۔“

(۱۲ اپریل ۱۹۴۳ء آل انڈیا مسلم لیگ سے صدارتی خطاب)



حالانکہ اس وقت تک نہ تو مسلم لیگ نے تقسیم ہند کو ایک نظریے کے طور پر قبول کیا تھا، نہ تو اس کی قیادت اس پر یقین رکھتی تھی اور نہ ہی انگریزوں اور ہندوؤں کے ساتھ مذاکرات میں تقسیم ہند کو ایک موضوع کے طور پر شامل کیا جاتا تھا۔ وہ کام جو فطرت نے آئندہ آنے والے برسوں میں مسلم لیگ سے کروانا تھا، اس کا اوپلا قدرت خود ہندوؤں اور انگریزوں کے ہاتھوں کروا رہی تھی۔ ہندوؤں اور انگریزوں نے تقسیم ہند کے نظریے پر اس قدر طوفان برپا کیا کہ خود مسلمانوں نے اب اس نظریے کو سنجیدگی سے لینا شروع کر دیا۔ اس بات کی سب سے خوبصورت وضاحت کہ لفظ ”پاکستان“ خود مسلم لیگ اور مسلمانوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی ضد میں اختیار کر لیا، خود قائد اعظمؒ نے اپنے ۱۹۴۳ء کے ایک خطاب میں کی۔ قائد اعظمؒ اس تقریر میں ہندوؤں اور انگریزوں پر گہرا طنز کرتے ہوئے وضاحت فرماتے ہیں:



لندن کے کیمبرن قبرستان میں موجود چوہدری رحمت علی کی قبر کا کتبہ

۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک کا یہ دور ہندوستان کے مسلمانوں اور خود علامہ اقبالؒ کیلئے انتہائی پریشانی اور کشمکش کا دور تھا۔ اقبالؒ نظریہ تقسیم ہند تو دے چکے تھے، چوہدری رحمت علی نے اس کو ”پاکستان“ کا نام بھی دے دیا تھا، مگر ابھی تک مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا قائد نہ تھا کہ جو اس تحریک کو ایک مضبوط انقلاب کی شکل دے کر قیام پاکستان کے ظاہر انا ممکن تصور کو ممکن کر دکھائے۔ بالآخر ۱۹۳۲ء تک اللہ نے علامہ اقبالؒ کو اس مشن میں بھی کامیابی عطا فرمائی اور وہ قائد اعظمؒ کو آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب قائد اعظمؒ پوری طرح اس بات پر متفق تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بقاء اس امر میں مضمر ہے کہ برصغیر کو ہندو انڈیا اور مسلمان انڈیا میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہاں پر یہ بتانا انتہائی اہم ہے کہ جہاں اقبالؒ کی محنت اور دعاؤں کا اثر تھا وہیں براہ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ و سیدی رسول اللہ ﷺ کی روحانی تائید اور حمایت بھی شامل تھی کہ جس نے فیصلہ کن طور پر جناح صاحب کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی ہجرت کا ارادہ ترک کر کے واپس ہندوستان جائیں اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالیں۔

اس حوالے سے ایک حیرت انگیز روحانی واقعہ تاریخ میں بیان کیا جاتا ہے۔ قائد اعظمؒ کو قیام لندن کے دوران عالم بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور خود سیدی رسول اللہ ﷺ نے قائد اعظمؒ کو ہندوستان جا کر مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی اس مشن کی کامیابی کی بشارت بھی سنا دی تھی۔ اس حکم اور اس بشارت کے ساتھ قائد اعظمؒ پوری یکسوئی اور تندہی کے ساتھ واپس لوٹے اور پھر مکمل طور پر علامہ اقبالؒ کی ہدایات کے مطابق مشن تعمیر پاکستان میں جت گئے۔

گو کہ اللہ نے لفظ ”پاکستان“ سب سے پہلے چوہدری رحمت علی کی زبان سے نکلایا، اس کے علاوہ چوہدری رحمت علی کا تحریک پاکستان میں اور کوئی اہم کردار نہیں ہے۔ ۱۹۳۳ء میں ”ابھی نہیں تو کبھی نہیں“ کا رسالہ لکھنے کے بعد چوہدری رحمت علی پاکستان بننے تک نہ کبھی ہندوستان آئے، نہ تحریک پاکستان میں شامل ہوئے اور نہ ہی ان کے قائد اعظمؒ یا علامہ اقبالؒ سے کوئی اچھے تعلقات قائم رہے۔ ۱۹۳۴ء میں لندن میں ایک ملاقات میں، جب وہ قائد اعظمؒ پر بہت زیادہ دباؤ ڈال رہے تھے اور اپنی ناتجربہ کاری اور کم عمری کی بناء پر ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہے تھے تو قائد اعظمؒ نے ان الفاظ میں ان کو تنبیہ بھی کی:

"My dear boys, don't be in a hurry;
let the waters flow and they will find their own level"

”میرے بچو! زیادہ عجلت مت دکھاؤ۔ پانی کو خود اپنا راستہ بنانے دو۔“

یہ چوہدری رحمت علی کی بد نصیبی ہے کہ ”پاکستان“ جیسا لفظ دینے کے باوجود آپ بانی پاکستان قائد اعظمؒ محمد علی جناح سے نہ صرف دور رہے بلکہ شدید مخالفت پر بھی اتر آئے۔ جوانی کے جوش میں اور ہندوستان کی عملی سیاست سے دوری کے باعث نہ تو وہ ان مشکلات کو سمجھ سکتے تھے کہ جو قائد اعظمؒ کو درپیش تھیں، اور نہ ہی ان مجبور یوں کو کہ جن کے تحت قائد اعظمؒ کو ہندوؤں اور انگریزوں کی بدترین سازشوں کی بدولت، توقع سے کم پاکستان قبول کرنا پڑا۔ ان حالات میں نہ تو ”عثمانستان“ بنانے کی کوئی گنجائش تھی اور نہ ہی ”باگستان“ کی، کہ جیسا کہ چوہدری رحمت علی کی خواہش تھی۔ لہذا جب پاکستان کا قیام ہوا اور قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ نے مشرقی اور مغربی پاکستان کو ہی قبول کر لیا تو چوہدری رحمت علی نے قائد اعظمؒ پر شدید تنقید کی یہاں تک کہ انہیں انگریزوں کا ایجنٹ تک قرار دے دیا۔



چوہدری رحمت علی

پاکستان بننے کے بعد چوہدری رحمت علی صرف ایک مرتبہ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئے مگر مسلم لیگ کی قیادت سے شدید اختلافات کے باعث فوراً ہی واپس لندن لوٹ گئے اور اپنی بقیہ زندگی وہیں گزاری اور ۱۹۵۱ء میں لندن میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ چوہدری رحمت علی کی عجیب بد نصیبی کہ لفظ پاکستان دینے کے باوجود وہ بانی پاکستان کے شدید مخالف رہے اور فن کیلئے پاکستان کی مٹی بھی نصیب نہ ہوئی۔ قائد اعظمؒ کی مخالفت اور توہین ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی کہ جس کیلئے شاید قدرت نے انہیں کبھی معاف نہیں کیا۔

حضرت قائد اعظمؒ کے ایک قریبی ساتھی کے حوالے سے جہلم کے جناب محمد اشرف بیگ کا یہ اقتباس بھی بہت اہم اور قابل توجہ ہے۔

”قائد اعظمؒ لندن سے واپس تشریف لائے تو ان سے ملاقات کیلئے سب سے پہلے میں پہنچا۔ آپ خاموش بیٹھے تھے میں نے فکر میں ڈوبی اس گہری خاموشی کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے ایک عجیب اور میری زندگی کا متبرک ترین واقعہ لندن سے میری واپسی کا سبب بنا۔ ایک رات لندن میں اپنے فلیٹ میں سویا ہوا تھا ایک تہائی رات گزر گئی تھی کہ کسی نے میرے بستر کو ہلکے سے ہلایا، میں اٹھ بیٹھا مگر وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ میں پھر سو گیا ایسا دوبارہ ہوا مگر تیسری بار میرے بستر کو زور سے جھنجھوڑا گیا اور میں ہڑا کر اٹھ بیٹھا، پورا فلیٹ ایک عجیب اور محسوس کن خوشبو سے مہکا ہوا تھا اور مجھے فلیٹ میں ایک غیر معمولی شخصیت کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں؟“ میں تمہارا پیغمبر ﷺ ہوں۔“ میں جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا اور سر جھکا لیا اور کہا سلام ہو میرے آقا ﷺ آپ پر۔“ ایک بار پھر وہ خوبصورت آواز گونجی۔۔۔ مسٹر جناح برصغیر کے مسلمانوں کو تمہاری ضرورت ہے، اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کی قیادت کرو۔ تم ہمہ وقت میری عاطفت میں رہو گے تمہیں قطعی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے مشن میں کامیابی سے ہمکنار ہو گے، ان شاء اللہ۔۔۔۔۔ میں ہمہ تن گوش تھا سر تسلیم خم کرتے ہوئے میں نے کہا آپ ﷺ کا حکم سر آکھوں پر۔



اقبال کے ہاتھوں قائد کی تربیت

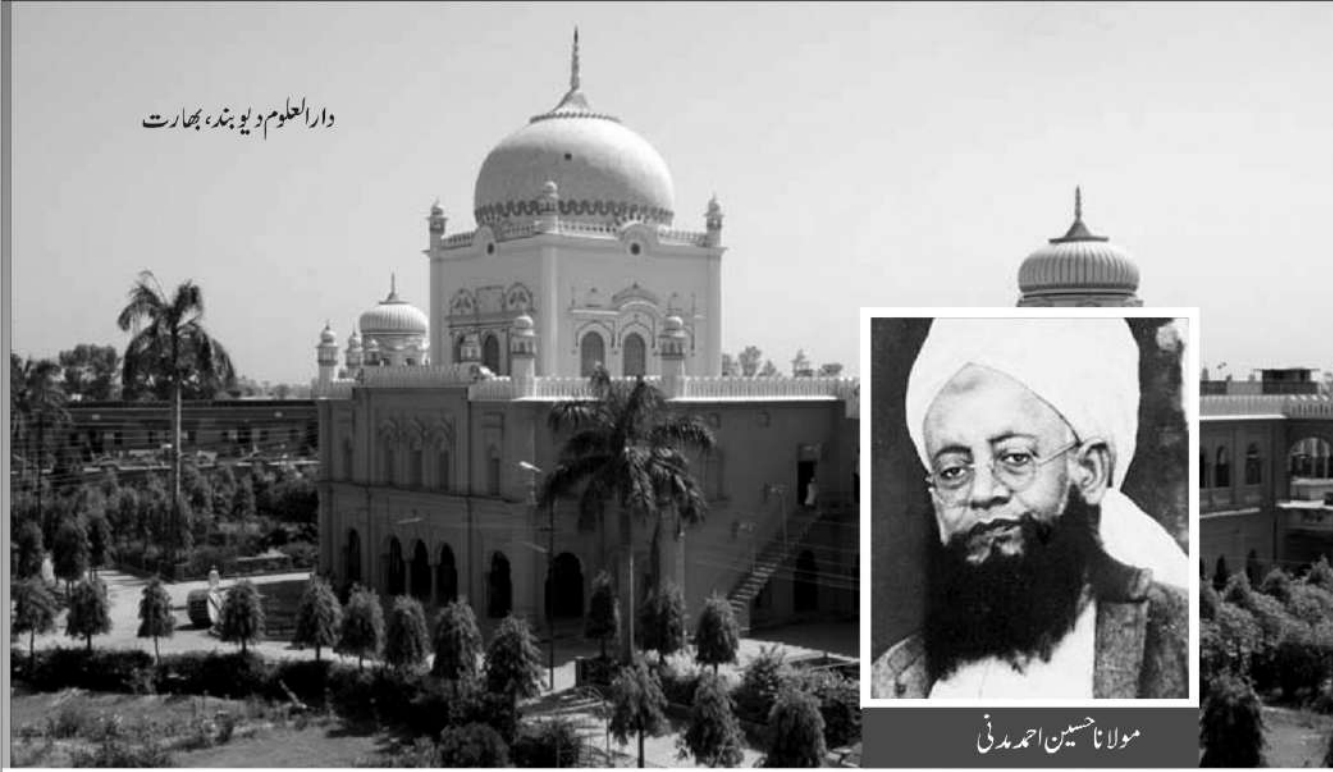
قائد اعظمؒ کے انگلستان سے واپس آنے کے بعد علامہ اقبالؒ کو وہ قائد تو مل گیا تھا کہ جسے آنے والے دور میں ”قائد اعظم“ کا خطاب ملنا تھا، مگر اب بھی علامہ اقبالؒ کو ایک بہت بڑا چیلنج درپیش تھا۔ نظریہ وہ دے چکے تھے، قائد کو انہوں نے تلاش کر لیا تھا، مگر ابھی وہ قوم ہی موجود نہیں تھی کہ جو اس نظریے پر متحد ہوتی اور جس کی قیادت اس قائد نے کرنی تھی۔ ہندوستان کے مسلمان ایک جانب تو شدید مایوسی، غربت اور سیاسی محرومی کا شکار تھے، تو دوسری جانب ہندوستان میں موجود تمام بڑی بڑی مسلمان جماعتیں اور تنظیمیں مسلمانوں کے اتحاد کو بری طرح سے پارہ پارہ کیے ہوئے تھیں۔ اتنی ساری سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے ہوتے ہوئے کہ جو تمام کی تمام مسلم لیگ، نظریہ، پاکستان اور قائد اعظمؒ سے سخت نفرت کرتے ہوں، ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک قوم بنا کر مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنا ظاہر ایک ناممکن امر نظر آتا تھا۔

ہندوستان کے مسلمان اس دور میں کن سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں تقسیم تھے، آئیں ذرا اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

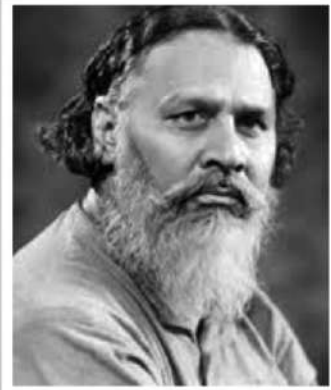
☆ دارالعلوم دیوبند اس زمانے میں پورے ہندوستان میں بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ دیوبند کی سیاسی جماعت جمعیت علمائے ہند تھی کہ جس کی قیادت مولوی حسین احمد مدنی کرتا تھا۔ دیوبند مکمل طور پر کانگریس کی حمایتی، ہندو مشرکوں کی حلیف اور مسلم لیگ کی شدید مخالف جماعت تھی۔ انہوں نے قائد اعظمؒ پر کفر کے فتوے جاری کیے، پاکستان کے قیام کے تصور کو حرام قرار دیا اور یہ بیان دیا کہ تو میں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں۔ اس پر علامہ اقبالؒ نے دیوبند اور حسین احمد مدنی پر شدید تنقید کی، یہاں تک کہ ان کے اس عمل کو ”بولہبی“ کہا۔ دیوبند کی قائد اعظمؒ، علامہ اقبالؒ اور پاکستان سے دشمنی پوری تحریک پاکستان کے دوران قائم رہی، اور

Thank you so much for your letter which I received yesterday. I know you are a busy man, but I do hope you won't mind my writing to you so often, as you are the only Muslim in India today to whom the community has a right to look up for safe guidance through the storm which is coming to North-West India, and perhaps to the Whole of India. I tell you that we are actually living in a state of civil war which, but for the police and military, would, become universal in no time. During the last few months there has been a series of Hindu-Muslim riots in India. In North-West India alone there have been at least three riots during the last three months and at least four cases of vilification of the Prophet by Hindus and Sikhs. In each of the four cases the vilifier has been murdered. There have also been cases of burning of the Quran in Sind. I have carefully studied the whole situation and believe that the real cause of these events is neither religious nor economic. It is purely political, i.e., the desire of the Sikhs and Hindus to intermeddle with the Muslim majority provinces. And the new constitution is such that even in the Muslim majority provinces, the Muslims are made entirely dependent on non-Muslims. The result is that the Muslim Ministry can take no proper action and is even driven to do injustice to Muslims partly to please the non-Muslims.

Muhammad Iqbal



مولانا حسین احمد رازی



سید عطاء اللہ شاہ بخاری



علامہ عنایت اللہ خان المشرقی



سردار سکندر حیات خان

خان عبدالغفار خان منہر داور گاندھی کے ساتھ



آج بھی یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی پاکستان دشمن تحریک ہے۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں، ورنہ

زدیوبند حسین احمد! این چہ بوالجہی است

☆ اسی طرح ایک جماعت ”مجلس الاحرار اسلام“ تھی کہ جس کی قیادت عطاء اللہ بخاری کر رہے تھے۔ یہ جماعت بھی قائد اعظم اور مسلم لیگ دشمنی اور قیام پاکستان کی مخالف پر سیاست کر رہی تھی۔

☆ اسی طرح ایک اور جماعت ”خاکسار تحریک“ تھی کہ جس کی قیادت علامہ مشرقی کر رہے تھے۔ ان کا زیادہ رجحان قوت اور طاقت کے استعمال کے ذریعے اپنے مطالبات کو منوانا تھا۔ یہ فوجی وردیوں میں ملبوس ہوتے اور اپنے کندھوں پر تیز دھار پتیلے رکھتے کہ جن سے یہ ہتھیار کا کام لیتے۔ یہ بھی تحریک پاکستان کے مخالف تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ کروانے والوں میں بھی شامل تھے۔

☆ اسی طرح صوبہ سرحد میں ”خدائی خدمت گار“ کے نام سے پشتونوں میں ایک تحریک تھی کہ جس کی قیادت خان عبدالغفار خان کرتا تھا۔ یہ جماعت کٹر کمیونسٹ اور پشتون قوم پرستی کے نام پر ہندو کانگریس کی اتحادی تھی۔ یہاں تک کہ خان عبدالغفار خان کو ”سرحدی گاندھی“ کا خطاب دیا گیا۔ یہ مسلمانوں، مسلم لیگ اور قائد اعظم کے شدید مخالف تھے اور انہی کی ناپاک کوششوں کی وجہ سے صوبہ سرحد پاکستان کا وہ واحد صوبہ تھا کہ جہاں پر تقسیم ہند کے موقع پر یہ ریفرنڈم کروانا پڑا کہ صوبہ سرحد بھارت میں شامل ہوگا یا پاکستان میں۔ مسلم لیگ اور ہندوستان کے مسلمانوں نے ان سرحدی گاندھیوں کی سازش کو ناکام بنایا اور ریفرنڈم میں بھاری اکثریت نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا اور اس طرح صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوا۔

☆ اسی طرح پنجاب میں ایک قوم پرست ”یونیٹس“ پارٹی تھی کہ جس کی قیادت سردار سکندر حیات خان کر رہا تھا۔ یہ سیکولر اور لادین مفاد پرست جاگیرداروں کا ایک گروہ تھا کہ جو انگریزوں اور ہندوؤں کے ساتھ ہر قسم کا اتحاد کر کے صرف اپنے اقتدار اور طاقت کو دوام دینا چاہتے تھے۔ ان کو نہ تو مسلمانوں سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی ہندوستان کی آزادی سے۔ پنجاب میں یہ مسلم لیگ کیلئے سب سے بڑا خطرہ بنے ہوئے تھے کہ اس صوبے کا وزیر اعلیٰ بھی طویل عرصے تک اسی جماعت کا سربراہ رہا۔

اوپر بیان کی گئی ان مخالف جماعتوں کے مقابلے میں مسلم لیگ کی حمایت صرف ایک مضبوط حلقے کی جانب سے آئی۔

اب علامہ اقبالؒ کے سامنے دو مشن تھے۔

- بکھرے ہوئے مسلمانوں کو متحد کر کے ایک قوم بنانا اور محمد علی جناح کو ان کے سامنے ”قائد اعظم“ بنا کر پیش کرنا۔
- قائد اعظمؒ کی تربیت اور رہنمائی کرنا کہ تحریک پاکستان منظم ہو کر مسلمانوں میں ایک بھرپور انقلاب کی صورت میں اپنی منزل کی جانب گامزن ہو سکے۔

اس دور میں علامہ اقبالؒ نے قائد اعظمؒ سے طویل خط و کتابت کی اور انتہائی قریبی رابطہ رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ جو عزت و مقام و مرتبہ علامہ اقبالؒ کو اللہ نے ہندوستان کے مسلمانوں میں دیا تھا اس کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے اقبالؒ نے پوری مسلمان قوم کی ذہن سازی شروع کی کہ اب ان کے رہنما قائد اعظمؒ ہیں، اور مسلمانوں کو انہی کی قیادت میں تحریک آزادی کی جنگ لڑنی ہے۔ خود قائد اعظمؒ کو بھی بار بار حوصلہ دلانا اور رہنمائی کرنا اقبالؒ کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے تھا۔



قائد اعظمؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

I know you are a busy man; but I do hope you won't mind my writing to you so often, as you are the only Muslim in India today to whom the community has a right to look up for safe guidance through the storm which is coming to North West India and perhaps to the whole of India. I tell you that we are actually living in a state of civil war which, but for the police and military, would become universal in no time.

— Muhammad Iqbal —

”آپ بہت مصروف آدمی ہیں مگر مجھے توقع ہے کہ میرے بار بار خط لکھنے سے آپ کو زحمت نہ ہوگی۔ اس وقت جو طوفان شمال مغربی ہندوستان اور شاید پورے ہندوستان میں برپا ہونے والا ہے اس میں صرف آپ ہی کی ذات گرامی سے قوم محفوظ رہنمائی کی توقع کا حق رکھتی ہے۔“

اقبالؒ سے جب بھی پوچھا گیا کہ آپ نے کیوں محمد علی جناح کا انتخاب کیا، تو اقبالؒ نے کئی موقعوں پر پوری مسلمان قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

”مسٹر جناح کو خدائے تعالیٰ نے ایک ایسی خوبی عطا کی ہے جو آج ہندوستان کے کسی مسلمان میں مجھے نظر نہیں آتی۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا وہ خوبی کیا ہے۔ آپ نے انگریزی میں کہا:

امیر ملت پیر جماعت علی شاہؒ نوے برس کی عمر میں پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں انتہائی قابل احترام اور بزرگ ہستی تھے۔ پورے ہندوستان کے اولیاء اور فقراء اور صوفیاء کے سلاسل آپ کی عزت کرتے اور آپ کو ”امیر ملت“ تسلیم کرتے تھے۔ پیر جماعت علی شاہؒ وہ واحد مشہور اور با اثر مذہبی شخصیت تھے کہ جنہوں نے کھل کر قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ کی حمایت کا فتویٰ جاری کیا۔ آپ کے فتوے اور مدد کی برکت سے لاکھوں مسلمان، علماء اور صوفیاء کے سلاسل مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ دیوبند نے جو قائد اعظمؒ اور پاکستان کے خلاف فتوے جاری کیے تھے، ان کی مخالفت میں پیر جماعت علی شاہؒ نے قائد اعظمؒ اور پاکستان کی حمایت میں کھل کر ایک بہت بڑی تحریک چلائی۔ یہاں تک کہ یہ تک فتویٰ دیا کہ جو مسلم لیگ کو ووٹ نہ دے، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ پیر جماعت علی شاہؒ نے کھل کر قائد اعظمؒ کو اللہ کا ولی بھی کہا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ قائد اعظمؒ اصل میں ”ہمارا“ کام کر رہے ہیں۔

امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ

“

Some Muslims in the Punjab are already suggesting the holding of [a] North-West Indian Muslim Conference, and the idea is rapidly spreading. I agree with you, however, that our community is not yet sufficiently organised and disciplined and perhaps the time for holding such a conference is not yet ripe. But I feel that it would be highly advisable for you to indicate in your address at least the line of action that the Muslims of North-West India would be finally driven to take.

— Muhammad Iqbal —

”پنجاب کے کچھ مسلمان شمال مغربی ہندوستان میں مسلم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کر رہے ہیں اور یہ تجویز تیزی سے مقبولیت اختیار کر رہی ہے۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ ہماری قوم ابھی اتنی زیادہ منظم نہیں ہوئی اور نہ ہی ان میں اتنا نظم و ضبط ہے اور شاید ایسی کانفرنس کے انعقاد کا ابھی موزوں وقت بھی نہیں۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کو اپنے خطبہ میں کم از کم اس طریق عمل کی طرف اشارہ ضرور کر دینا چاہیے جو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر کرنا پڑے گا۔“

“

I have come to the conclusion that if this system of Law is properly understood and applied, at last the right to subsistence is secured to everybody. But the enforcement and development of the Shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim state or states. This has been my honest conviction for many years and I still believe this to be the only way to solve the problem of bread for Muslims as well as to secure a peaceful India

— Muhammad Iqbal —

”اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون (نظام شریعت) کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو ہر شخص کیلئے کم از کم حق معاش محفوظ ہو جاتا ہے لیکن شریعت اسلام کا نفاذ اور ارتقاء ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔ سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے اور اب بھی میرا ایمان ہے کہ مسلمانوں کی غربت (روٹی کا مسئلہ) اور ہندوستان میں امن و امان کا قیام اس سے حل ہو سکتا ہے۔“

He is uncorruptible and unpurchasable

(نہ تو وہ بدعنوان ہیں اور نہ انہیں خریدا جاسکتا ہے)

بات یہ ہے کہ انگریز نے ہندوستان میں پارلیمنٹری طرز حکومت کے نام سے اپنی شہنشاہیت کو مضبوط کرنے کا ایک جال بچھایا ہے۔ جناح اس جال کے ایک ایک گروہ سے واقف ہیں۔ وہ بیچارہ صرف یہ کہتا ہے کہ مسلمان اس نظام حکومت کے ماتحت کہیں خسارہ نہ اٹھائیں۔ اس لیے وہ اپنی سیاسی بصیرت کی روشنی میں آپ کو ہوشیار ہو جانے کی تلقین کرتا ہے۔“

”اس وقت مسلمانوں کے لیے یہی راہ عمل کھلی ہے کہ وہ مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں اپنی تنظیم کریں۔“

مجھ کو ان کی دیانت پر کبھی اعتماد ہے۔“

خطبہ الہ آباد میں بھی اقبالؒ نے اپنی ساری توجہ شمال مغربی ہندوستان پر مبذول رکھی تھی۔ اقبالؒ کی بلند نگاہ اور فراست یہ دیکھ چکی تھی کہ یہی وہ علاقے ہونگے کہ جہاں آنے والے دور میں مسلمانوں کی آزاد ریاست قائم ہوگی۔ خطبہ الہ آباد میں اقبالؒ نے بنگال یا ہندوستان کے دیگر مسلمان علاقوں کو نظر انداز کیا تھا۔ یہ سیاسی مصلحت بھی تھی اور روحانی بصیرت بھی۔

“

Events have made it abundantly clear that the League ought to concentrate all its activities on the North-West Indian Muslims. The League office of Delhi informed Mr. Ghulam Rasool that the dates of the sessions of the Muslim League have not been fixed as yet

— Muhammad Iqbal —

”واقعات نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کو اپنی تمام تر سرگرمیاں شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں پر مرکوز کر دینی چاہیں۔ مسلم لیگ کے دہلی دفتر نے مسٹر غلام رسول کو مطلع کیا ہے کہ مسلم لیگ کے اجلاس کی تاریخ تا حال طے نہیں ہوئی۔“

دوسری جانب اقبالؒ یہ بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر مسلم لیگ کو شمال مغربی علاقوں یعنی صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں ایک مضبوط طاقت بن کر ابھرنا ہے تو اس کیلئے مسلم لیگ کو ایک عوامی جماعت بنانا ہوگا اور اس مقصد کیلئے لازم ہے کہ مسلم لیگ اپنا ایک نظریاتی سالانہ اجلاس لاہور میں کرے۔

۲۱ جون ۱۹۳۷ء کے خط میں علامہ اقبالؒ نے قائد اعظم محمد علی جناح کو تحریر کیا کہ:

“

It will therefore be better to hold the coming session of the League in the Punjab, and not in a Muslim minority province. The month of August is bad in, Lahore. I think you should seriously consider the advisability of holding the coming session at Lahore in the middle of October when the weather is quite good in Lahore. The interest in the All-India Muslim League is rapidly growing in the Punjab, and the holding of the coming session in Lahore is likely to give a fresh political awakening to the Punjab Muslims.

Muhammad Iqbal

”مسلم لیگ کا آئندہ اجلاس کسی مسلم اقلیت کے صوبہ کی بجائے پنجاب میں منعقد کرنا بہتر ہوگا۔ لاہور میں اگست کا مہینہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ لاہور میں وسط اکتوبر میں، جب موسم خوشگوار ہو جاتا ہے، مسلم لیگ کے اجلاس کے انعقاد کے بارے میں غور فرمائیں۔ پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ لاہور میں مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس کا انعقاد پنجاب کے مسلمانوں میں ایک نئی سیاسی بیداری کا باعث ہوگا۔“

علامہ اقبالؒ کی فراست یہ دیکھ چکی تھی کہ اب تک مسلم لیگ کی ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ عام مسلمان ابھی تک اپنے آپ کو مسلم لیگ کے نظریے اور قیادت سے منسلک نہیں کر پائے۔ مسلم لیگ ابھی تک ہندوستان کی اشرافیہ کی جماعت تھی۔ اس کے آئین اور نصب العین میں بھی تبدیلی کی ضرورت تھی اور عوامی رابطے کی حکمت میں بھی۔ ان تمام موضوعات پر علامہ اقبالؒ نے قائد اعظمؒ سے طویل خط و کتابت کی، نصیحتیں کیں اور ہدایات دیں۔

”میرا خیال ہے کہ مسلم لیگ کے آئین میں مناسب تبدیلیاں کرنا ضروری ہیں۔ تاکہ مسلم لیگ کو عوام الناس کے قریب تر لایا جائے جنہوں نے اب تک مسلمانوں کے بالائی متوسط طبقے کی سیاسی سرگرمیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ متوسط مسلمان طبقے کو شکایت ہے کہ ہمارے لیڈروں کو صرف اپنے عہدوں سے دلچسپی ہے اور یہ کہ حکومت کے مختلف محکموں میں خالی آسامیاں یونیٹسوں کے رشتہ داروں یا دوستوں کے لیے مخصوص کر دی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا متوسط طبقہ سیاسی معاملات میں کم دلچسپی لیتا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ان کی شکایت، بجائے مجھے امید ہے کہ آپ لیگ کے دستور میں چند مناسب ترمیمات کے بارے میں ضرور غور کریں گے۔ جس سے عوام الناس میں لیگ اور اس کی سرگرمیوں کے ضمن میں بہتر توقعات پیدا ہوں گی۔“



اقبالؒ کے خطوط میں ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو تحریر کردہ خط اپنے مباحث کے اعتبار سے بڑا منفرد اور اہم ہے۔ اس زمانے میں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے تھے۔ مسلم اقلیتی علاقوں کے علاوہ مسلم اکثریتی صوبوں میں بھی ہندو مسلم فسادات عام تھے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک ان فسادات کے اسباب نہ تو مذہبی تھے اور نہ ہی اقتصادی بلکہ خالصتاً سیاسی تھے۔ انہوں نے ان فسادات کے بارے میں قائد اعظمؒ کو اپنے خط میں تحریر کیا کہ:

“

I tell you that we are actually living in a state of civil war which, but for the police and military, would become universal in no time. During the last few months there has been a series of Hindu-Muslim riots in India... I have carefully studied the whole situation and believe that the real cause of these events is neither religious nor economic. It is purely political. I.e., the desire of the Sikhs and Hindus to intimidate Muslims even in the Muslim majority provinces.

Muhammad Iqbal

”میں عرض کرتا ہوں کہ ہم فی الحقیقت خانہ جنگی کی حالت میں ہیں اگر فوج اور پولیس نہ ہو تو (خانہ جنگی) دیکھتے ہی دیکھتے پھیل جائے۔ گزشتہ چند ماہ سے ہندو مسلم فسادات کا ایک سلسلہ قائم ہو چکا ہے۔ میں نے تمام صورتحال کا اچھی طرح سے جائزہ لیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان حالات کے اسباب نہ مذہبی ہیں اور نہ اقتصادی بلکہ خالص سیاسی ہیں، یعنی مسلم اکثریتی صوبوں میں بھی ہندوؤں اور سکھوں کا مقصد مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کرنا ہے۔“

۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم محمد علی جناح کے نام اپنے خط میں تحریر کیا۔

“

Thank you so much for your letter which reached me in due course. I am glad to hear that you will bear in mind what I wrote to you about the changes in the constitution and programme of the League. I have no doubt that you fully realise the gravity of the situation as far as Muslim India is concerned. The League will have to finally decide whether it will remain a body representing the upper classes of Indian Muslims or Muslim masses who have so far, with good reason, no interest in it. Personally I believe that a political organisation which gives no promise of improving the lot of the average Muslim cannot attract our masses. Under the new constitution the higher posts go to the sons of [the] upper classes; the smaller go to the friends or relatives of the ministers. In other matters too our political institutions have never thought of improving the lot of Muslims generally. The problem of bread is becoming more and more acute. The Muslim has begun to feel that he has been going down and down during the last 200 years. Ordinarily he believes that his poverty is due to Hindu money-lending or capitalism. The perception that equality [is (?)] due to foreign rule has not yet fully come to him. But it is bound to come. The atheistic socialism of Jawahar Lal [Nehru] is not likely to receive much response from the Muslims. The question therefore is: how is it possible to solve the problem of Muslim poverty? And the whole future of the League depends on the League's activity to solve this question. If the League can give no such promises I am sure the Muslim masses will remain indifferent to it as before.

Muhammad Iqbal

”مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ مسلم لیگ کے دستور اور پروگرام میں جن تبدیلیوں کے متعلق میں نے تحریر کیا تھا وہ آپ کے پیش نظر رہیں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانان ہند کی نازک صورتحال کا آپ کو پورا پورا احساس ہے۔ مسلم لیگ کو آخر کار یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے بالائی طبقوں کی ایک جماعت بنی رہے گی یا مسلم جمہور کی، جنہوں نے اب تک بعض معقول وجوہ کی بناء پر اس (مسلم لیگ) میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی سیاسی تنظیم جو عام مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی ضامن نہ ہو، ہمارے عوام کے لیے باعث کشش نہیں ہو سکتی۔

نئے دستور کے تحت اعلیٰ ملازمتیں تو بالائی طبقوں کے بچوں کے لیے مختص ہیں اور ادنیٰ ملازمتیں وزراء کے اعز اور احباب کی نذر ہو جاتی ہیں دیگر امور میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی طرف کبھی غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ روٹی کا مسئلہ روز بروز نازک ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ لہذا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا علاج کیا ہے۔ مسلم لیگ کا سارا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کیا کوشش کرتی ہے۔ اگر مسلم لیگ نے اس (اس ضمن میں) کوئی وعدہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ مسلم عوام پہلے کی طرح اس سے بے تعلق رہیں گے۔“

ایک مرتبہ قائد اعظم خود علامہ اقبال کے پاس مشاورت کیلئے حاضر ہوئے۔ اقبال نے قائد اعظم سے فرمایا:

”اگر آپ اودھ کے تعلق داروں اور بمبئی کے کروڑ پتی سینٹھوں کی قسم کے لوگ پنجاب میں تلاش کریں گے۔ تو یہ جنس میرے پاس نہیں۔ میں صرف عوام کی مدد کا وعدہ کر سکتا ہوں۔“

اس ملاقات کے چشم دید گواہ کی روایت ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح جیسے غیر جذباتی انسان علامہ اقبال کی اس بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اپنی کرسی سے دو اچھے اٹھے اور بڑے جوش سے کہا کہ:

”مجھے صرف عوام کی مدد درکار ہے۔“

گو کہ علامہ اقبال کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہو چکا تھا، اس کے باوجود قائد اعظم انہی ہدایات پر عمل کرتے رہے کہ جو علامہ اقبال نے نہیں دے کر گئے تھے۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مارچ کے مہینے میں لاہور میں ہی کرایا گیا کہ جہاں بالآخر رسمی طور پر بھی مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم اور آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ کر دیا۔ یہ اجلاس تاریخ میں پہلے ”قرارداد لاہور“ اور بعد میں ”قرارداد پاکستان“ کے نام سے جانا گیا۔ یہ سب کچھ علامہ اقبال کے حکم پر کیا گیا تھا۔ اسی لیے قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد قائد اعظم فوری طور پر علامہ اقبال کے مزار پر حاضر ہوئے اور اپنے سیکرٹری مطلوب الحسن سید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج ہم نے وہی سب کچھ کیا ہے کہ جس کا ہمیں اقبال نے حکم دیا تھا۔



۱۹۳۰ء: قرارداد پاکستان کے موقع پر قائد اعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان کے ہمراہ نواب ممدوٹ کی رہائش گاہ پر آتے ہوئے



قائد کے حکم پر انڈونیشیاء کے قومی انقلاب میں بالینڈ کی فوج سے لڑنے والے سپاہی

آپ نے دوبارہ ۱۱ اگست ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم محمد علی جناح سے درخواست کی کہ مسلم لیگ کا آئندہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے۔
آپ نے خط میں لکھا کہ:

“

I, therefore, repeat my request that the League sessions may be held in Lahore in the middle or end of October. The enthusiasm for the League is rapidly increasing in the Punjab, and I have no doubt that the holding of the session in Lahore will be a turning point in the history of the League and an important step towards mass contact.

To this convention you must restate as clearly and as strongly as possible the political objective of the Indian Muslims as a distinct political unit in the country. It is absolutely necessary to tell the world both inside and outside India that the economic problem is not the only problem in the country. From the Muslim point of view the cultural problem is of much greater consequence to most Indian Muslims. At any rate it is not less important than the economic problem. If you could hold this Convention, it would test the credentials of those Muslim Legislators who have formed parties contrary to the aims and aspirations of Indian Muslims. It would farther make it clear to the Hindus that no political device, however subtle can make the Indian Muslim lose sight of his cultural enilty. I am coming to Delhi in a few days time and hope to have a talk with you on this important matter. I shall be staying in the Afghan Consulate. If you could spare a few moments we should meet there. Please drop a line in reply to this letter a early as possible.

Muhammad Iqbal

”میں مکرر درخواست کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کا اجلاس اکتوبر کے وسط یا آخر میں ہو اور مجھے قوی امید ہے کہ لاہور میں اس کا اجلاس مسلم لیگ کی تاریخ میں انقلاب آفریں باب اور عوام سے رابطہ استوار کرنے کیلئے ایک اہم ذریعہ ثابت ہوگا“

”اس کنونشن میں پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں کہ سیاسی مطمع نظر کی حیثیت سے مسلمانان ہند ملک میں جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اندرون اور بیرون ہند کی دنیا کو بتا دیا جائے کہ ملک میں صرف اقتصادی مسئلہ ہی تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے ثقافتی مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اپنے اندر زیادہ اہم نتائج رکھتا ہے اور کسی صورت سے بھی یہ اقتصادی مسئلہ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر آپ ایسی کنونشن منعقد کر سکیں تو پھر ایسے مسلم اراکین اسمبلی کی حیثیتوں کا امتحان ہو جائے گا جنہوں نے مسلمانان ہند کی امنگوں اور مقاصد کے خلاف جماعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ مزید برآں اس سے ہندوؤں پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی سیاسی حربہ خواہ کیسا ہی عیار نہ کیوں نہ ہو، پھر بھی مسلمانان ہند اپنا ثقافتی وجود کسی طور نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں چند روز تک دہلی آ رہا ہوں۔ اس اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو ہوگی۔ میرا قیام افغانی سفارت خانہ میں ہوگا۔ اگر آپ کو کچھ فرصت ہو تو وہیں ہماری ملاقات ہونی چاہیے۔ ازہ راہ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمائیے۔“

ہندوستان کے مسلمانوں کے معاملات کے علاوہ اقبالؒ کی نگاہ پوری مسلمان دنیا پر تھی اور وہ ہندوستان کے مسائل کے ساتھ ساتھ قائد اعظمؒ کی رہنمائی امت مسلمہ کے حوالے سے بھی مسلسل کر رہے تھے۔ علامہ اقبالؒ یہ بات بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ قائد اعظمؒ کا کردار صرف ہندوستان کے مسلمانوں تک محدود نہیں رہے گا۔ آئندہ آنے والی اسلامی ریاست کہ جس کی حکمرانی قائد اعظمؒ کو ملنے والی تھی، وہ پوری مسلم دنیا کیلئے ایک مثال بھی ہوگی اور پناہ گاہ بھی۔ اسی لیے ہندوستان کی مسلمان قیادت کیلئے لازم تھا کہ امت مسلمہ کے مسائل پر بھی اسی طرح آواز اٹھائیں کہ جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کے لیے اٹھائی جا رہی تھی۔ علامہ اقبالؒ کی اسی تاکید اور نصیحتوں کے نتیجے میں قائد اعظمؒ نے مسئلہ فلسطین کو پوری قوت اور طاقت سے انگریز حکومت اور عالمی طاقتوں کے سامنے مسلسل اٹھائے رکھا۔ علامہ اقبالؒ کے دیئے گئے اسی امت مسلمہ کے تصور کو لیکر قائد اعظمؒ نے انڈونیشیاء کے مسلمانوں کے لیے بھی بھرپور آواز اٹھائی کہ جوڈیج سامراج کے خلاف جنگ آزادی لڑ رہے تھے۔ امت مسلمہ کو متحد کرنے کیلئے قائد اعظمؒ مصر بھی تشریف لے گئے اور مفتی اعظم فلسطین اور مصر کے علماء سے ملاقاتیں کیں اور ان کو بھی ہندو استعمار کے خطرات سے آگاہ کیا اور مسلمانوں کے متحدہ ہلاک کی اہمیت پر قائل کیا۔ آنے والے دور میں قائد اعظمؒ کے حکم پر پانچ سو کے قریب انگریز فوج کے مسلمان سپاہیوں نے فوج چھوڑ کر انڈونیشیاء کی تحریک آزادی میں شمولیت اختیار کر لی اور ان میں بڑی تعداد جدوجہد آزادی میں لڑتے ہوئے شہید ہوئی۔ انڈونیشیاء میں آج بھی قائد اعظمؒ کے بیچے گئے ان پانچ سو سپاہیوں کو "The Brave 500" (۵۰۰ بہادر) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب بالینڈ کے ہوائی جہاز جنگی ساز و سامان لیکر تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے انڈونیشیاء جاتے ہوئے کراچی کے ہوائی اڈے پر رکنے تو

قائد اعظمؒ نے ان کے اسلحے کو ضبط کرنے کا حکم بھی دیا کہ پاکستان کسی صورت میں بھی ایک استعماری طاقت کو ایک مسلمان تحریک آزادی کو کچلنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ قائد اعظمؒ کا یہ ”بین اسلامک“ یا ”امت مسلمہ“ کا تصور مکمل طور پر علامہ اقبالؒ ہی کا عطا کردہ تھا۔

اقبالؒ نے ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو قائد اعظمؒ کے نام اپنے خط میں تحریر کیا:

“

The Palestine question is very much agitating the minds of the Muslims. We have a very fine opportunity for mass contact for the purposes of the League. I have no doubt that the League will pass a strong resolution on this question and also by holding a private conference of the leaders decide on some sort of a positive action in which masses may share in large numbers. This will at once popularise the League and may help the Palestine Arabs. Personally I would not mind going to jail on an issue which affects both Islam and India. The formation of a Western base on the very gates of the East is a menace to both.

Muhammad Iqbal

”مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کو مضطرب کر رکھا ہے۔ مسلم لیگ کے مقاصد کیلئے عام عوام سے رابطہ پیدا کرنے کا ہمارے لیے یہ نادر موقع ہے۔ مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ اس مسئلہ پر ایک زوردار قرارداد ہی منظور نہیں کرے گی بلکہ لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس میں کوئی ایسا لائحہ عمل بھی تیار کیا جائے گا جس میں مسلمان عوام بڑی تعداد میں شامل ہو سکیں۔ اس سے (ایک طرف تو) مسلم لیگ کو مقبولیت حاصل ہوگی اور (دوسری طرف) شاید فلسطین کے عربوں کو فائدہ پہنچ جائے۔ ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کیے لیے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام پر پڑتا ہے، جیل جانے کے لیے تیار ہوں۔ مشرق کے عین دروازہ پر ایک مغربی چھاؤنی کا قیام (اسلام اور ہندوستان) دونوں کے لیے پرخطر ہے۔“



۱۹۳۱ء : علامہ اقبالؒ یروشلم میں مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں منعقدہ ایک کانفرنس میں شریک



۱۹۴۶ء : قائد اعظمؒ، فلسطین کے مفتی اعظم کے ہمراہ قاہرہ میں

۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخابات

۱۹۳۷ء تک علامہ اقبالؒ کی صحت بہت تیزی سے گرنا شروع ہو چکی تھی۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کے پاس اب بہت زیادہ وقت نہیں ہے اور اسی لیے خرابی صحت کے باوجود وہ مسلسل قائد اعظمؒ کو ہدایات اور نصیحتیں کر رہے تھے۔ اس وقت تک وہ نظریہ تقسیم ہند یعنی نظریہ پاکستان تو دے چکے تھے، چوہدری رحمت علی کے دیئے ہوئے لفظ ”پاکستان“ کو از خود مسلم لیگ نے اختیار تو نہیں کیا تھا لیکن ہندو اور انگریز پریس اور سیاستدان اقبالؒ کے نظریہ تقسیم ہند کو ”پاکستان“ کا ہی نام دے رہے تھے۔ نظریے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے ”قائد اعظم“ کا بھی انتخاب کر لیا تھا۔ اب ان کے پاس نظریہ تھا، قائد تھا، مگر قوم نہ تھی۔ ہندوستان کے مسلمان نہ تو نظریہ پاکستان پر یکسو تھے، نہ ہی قائد اعظمؒ کی قیادت پر انہیں اعتبار تھا، اور نہ ہی وہ ایک قوم بن کر ہندوؤں اور انگریزوں کے مقابلے پر ابھی تک کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں پر قدرت علامہ اقبالؒ کی مدد اور تائید کیلئے راستہ بناتی ہے۔

انگریزوں نے پورے ہندوستان میں صوبائی انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا۔ ہندو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ہی مسلمانوں کی نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتی تھیں۔ کانگریس ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر اور مسلم لیگ مسلم قومیت کی بنیاد پر اس انتخابات میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی ہوئیں۔ پورے ہندوستان میں انتخابات ہوئے اور مسلم لیگ کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے بھی ہندو کانگریس کو ہی ووٹ ڈالا اور مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن کر نہ ابھر سکی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی نے مسلم لیگ کو شکست دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے زیادہ تر صوبوں میں کانگریس نے اپنی حکومتیں بنالیں اور مسلم لیگ ایک بھی صوبے میں اپنی حکومت نہ بنا سکی۔



قائد اعظم محمد علی جناحؒ، ۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخابات کے سلسلے میں بادشاہی مسجد لاہور میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے

کانگریس نے اقتدار سنبھالنے کے بعد سرکاری انتظامیہ کو یہ ہدایت کی کہ وہ تمام انتظامی امور کانگریس کے عہدیداروں اور کارکنوں کے مشورے سے انجام دیں۔ کانگریس کی اس پالیسی سے نظم و نسق تباہ ہو گیا۔ پولیس، عدالتیں اور انتظامیہ مکمل طور پر متعصب ہندوؤں کے تابع ہو کر کھلم کھلا مسلم دشمنی پر اتر آئیں۔ جہاں جہاں ہندو، مسلمانوں کو قتل کرتے وہاں کانگریسی حکومت کی پولیس ثالث بن کر پہنچ جاتی اور مسلمانوں کو ذلیل ترین شرائط پر ہندوؤں کے ساتھ مصالحت کرنے پر مجبور کیا جاتا۔

کانگریس کی حکومتیں قائم ہوتے ہی ہندوؤں نے مذہبی فسادات کو ہوا دی۔ ہندوؤں کی ان خفیہ تنظیموں کی سرپرستی کی گئی کہ جن کا مقصد مسلمانوں کے خلاف فسادات کرنا اور مسلمانوں کو جانی، مالی اور سماجی نقصان پہنچانا تھا۔ یہ خفیہ تنظیمیں عموماً عید الاضحیٰ، محرم، ہولی اور دیوالی وغیرہ کے موقعوں پر ہندو مسلم فسادات کروا تیں۔

کانگریس کے دور اقتدار میں ”بندے ماترم“ کو قومی ترانہ قرار دے دیا گیا۔ اس نغمے کا مفہوم یہ ہے کہ ”بھارت کی دھرتی ماما اپنے فرزندوں کو سلام بھیج کر ان سے استدعا کرتی ہے کہ مجھے ملیچھوں (ناپاکوں) کے قدموں سے پاک کرو اور اس کے فرزند جھک کر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم تجھے ایک نہ ایک دن پاک کر کے رہیں گے۔“ مسلمان طلبہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ روزانہ سکولوں میں صبح کے وقت بندے ماترم پڑھیں۔ قائد اعظمؒ نے بندے ماترم کو مسلمانوں کے خلاف نعرۂ جنگ قرار دیتے ہوئے فرمایا ”اس سے شرک کی بو آتی ہے۔“

ترنگا (کانگریس کا تین رنگوں والا جھنڈا) بھی لہرانے کا حکم دیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اقوام عالم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ ایک انگریز اور دوسری کانگریس۔ مسلمانوں کے وجود کو سرے سے ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔

ہندو اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع خیال کرتے تھے اور مسلمانوں کو بیچ ذات کے افراد اور ملیچھے، یعنی ناپاک سمجھنے کی وجہ سے ان سے ملنا جلنا، قریب جانا اور ساتھ کھانا کھانا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ہندو مسلمانوں سے نہ سودا سلف خریدتے اور نہ ان کے ساتھ کاروبار کرتے۔ ہندو حلوائیوں اور شربت فروشوں نے مسلمانوں کے لئے الگ برتن رکھے ہوتے۔ سکولوں میں مسلمان بچوں کو الگ اور ہندوؤں کے بچوں کو الگ بٹھایا جاتا، اور مختلف عوامی دفاتر اور لائبریریوں میں مسلمانوں کا داخلہ منع کر دیا گیا۔

کانگریس کے راج میں ہندو اکثریتی صوبوں میں گائے کی قربانی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر اس کی سختی کے ساتھ ممانعت ہو گئی۔ اگر کوئی مسلمان گائے ذبح کرتا تو ہندو اسے خاندان سمیت قتل کر کے اس کے گھر کو آگ لگا دیتے۔ متعدد مقامات پر گائے ذبح کرنے کا بہانہ بنا کر ہندوؤں نے مسلم کش فسادات بھڑکائے۔

کانگریس کے راج میں نصاب تعلیم کو بھی از سر نو مرتب کیا گیا۔ ہندو ماہرین تعلیم نے ہندوؤں کے دیومالائی قصے کتابوں میں بھر دیئے۔ ان نصابی کتابوں میں کسی مسلمان بزرگ کا نام تک موجود نہ تھا۔ خدا کے لئے ”ایشور“ اور ”بھگوان“ جیسے نام استعمال کئے گئے اور یہ کوشش کی گئی کہ کسی کتاب میں کہیں بھی لفظ ”اللہ“ کا ذکر نہ آئے۔

یہ انتخابات تحریک پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم ترین موڑ ثابت ہوئے۔

نشستوں کی تقسیم کچھ اس طرح ہوئی:

یونینسٹ پارٹی	کانگریس	مسلم لیگ	نشستیں
			
101	707	106	

ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت ابھی تک یہ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے نکل جانے کے بعد ہندوؤں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ جس طرح ایک ہزار سال تک ہندو اور مسلمان اکٹھے ہندوستان میں رہے ہیں، انگریزوں کے نکل جانے کے بعد بھی اسی طرح مل جل کر زندگی گزارتے رہیں گے۔ مسلمانوں کو یہ بات سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اگر ایک ہزار سال تک ہندوستان میں ہندو اور مسلمان اس لیے ساتھ ساتھ امن سے رہے کہ ان کے حکمران مسلمان تھے۔ ہندوؤں میں ایک ہزار سال کی غلامی کا غم و غصہ بھرا ہوا تھا۔ انگریز حکمرانوں کی موجودگی کی وجہ سے کسی حد تک تو ہندو اور مسلمان اکٹھے ہندوستان میں رہ رہے تھے، مگر ایک مرتبہ انگریز ہندوستان سے چلے جاتے تو پھر غصے میں پھری ہوئی ہندو اکثریت مسلمانوں کیلئے زندگی عذاب کر دیتی۔ یہ بات اقبالؒ اور قائد اعظمؒ برسوں سے مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن کانگریسی مولوی، احرار اور خاکسار جیسی تحریکوں نے مسلمانوں کو بری طرح سے تقسیم رکھا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ کام خود ہندوؤں سے لینا تھا کہ وہ مسلمانوں کو یہ سمجھائیں کہ کیوں اقبالؒ اور قائد اعظمؒ ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کی علیحدہ ریاست چاہتے ہیں۔ وہ کام جو مسلم لیگ خود نہ کر سکی، ۳۷ء کے انتخابات کے بعد خود ہندوؤں نے کر دکھایا۔ چند ہی دنوں میں ان تمام صوبوں میں کہ جہاں ہندو کانگریس کی حکومتیں تھیں، مسلمانوں کی زندگی حرام کر دی گئی۔ نہ مسلمانوں کی جان محفوظ رہی، نہ مال، نہ عزت آبرو اور نہ ہی ایمان۔

اسی زمانے میں ہندوؤں نے تحقیق کے نام پر بڑے بڑے مضحکہ خیز انکشافات کئے۔ ان کے خیال میں جنوبی امریکہ کا ملک ارجنٹائن پانچ پانچ بھائیوں میں سے ایک بھائی ارجن نے آباد کیا تھا۔ شمالی امریکہ کا ملک گوئے مالا دراصل گوتم مالا ہے۔ وہاں بدھ بھکشو مہاتما بدھ کی مالا (تسبیح) لے گئے تھے۔ اسی طرح ہنگری کا دار الحکومت بڈاپسٹ بھی بد پوسٹ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وہاں مہاتما بدھ کے نام پر ایک پوسٹ (چوکی) قائم کی گئی تھی۔ ہندوؤں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ دیومالائی قصوں میں جہاں اژن کھٹولے کا ذکر آتا ہے اس سے مراد ہوائی جہاز ہے۔ مہابھارت کی جنگ میں اگن بان استعمال کئے گئے تھے، اس سے مراد راکٹ ہیں۔ حال ہی میں ایک ہندو اسکالر نے اگن بان کا ترجمہ ایٹم بم کیا ہے۔ ان خرافات کا مطلب مسلمانوں پر اپنی ثقافتی، مذہبی اور نفسیاتی برتری ظاہر کرنا اور ہندو دھرم کو بڑا ترقی یافتہ ثابت کرنا تھا۔

سی پی (صوبہ جات وسطی) کے وزیر اعلیٰ شری شکلا نے ”ودیا مندر“، تعلیمی اسکیم نافذ کی۔ ودیا مندر (علم کا مندر) میں زیر تعلیم مسلمان طلبہ پر لازم تھا کہ وہ ہندوؤں جیسا لباس استعمال کریں، ہندو طلبہ کے ساتھ ہتھوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر دعا (پرا تھنا) میں شریک ہوں، ”السلام علیکم“ کے بجائے ”نمستے“ اور ”جے رام جی کی“ کہیں۔

کانگریس کے دور اقتدار میں تعلیمی اداروں میں گاندھی کی مورتی لگائی گئی اور مسلمان طلبہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ گاندھی کی مورتی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں اور اس کا احترام کریں۔



ودیا مندر سکیم کے تحت قائم سکولوں میں آج بھی مسلم طلباء سے بیچن گوائے جاتے ہیں انہیں نصاب کے طور پر منتر اور اشلوک پڑھائے جاتے ہیں

ہندوؤں کے مذہبی تہواروں کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی جبکہ مسلمانوں کے تمام مذہبی تہوار بڑی سختی سے کچل دیئے گئے۔ عیدین کی نمازوں پر پابندی لگا دی گئی، عید میلاد النبی اور محرم کے جلوسوں کو بھی روک دیا گیا۔

کانگریس کے راج میں نماز کے اوقات میں مساجد کے سامنے بینڈ باجے بجانا اور ہلڑ بازی روز کا معمول بن گیا۔ بعض مقامات پر اذان دینے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ ہندوؤں کی طرف سے مسلم اوقاف اور نجی جائیدادوں پر بھی غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا۔

مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے لئے ان کی اردو، فارسی اور عربی زبان کو بھی نشانہ بنایا گیا اور یوں ہندی زبان رائج کرنے کی جدوجہد اور زیادہ تیزی سے شروع ہو گئی۔

صرف دو ہی سالوں میں کانگریس کے متعصب ہندوؤں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی اس قدر حرام کر دی کہ مسلمان اس ذلت اور رسوائی پر اللہ سے استغفار کرنے لگے۔ وہ کام جو مسلم لیگ برسوں میں نہ کر سکی، وہ کام قدرت نے ہندوؤں کے ظلم و ستم کے ذریعے صرف دو ہی سال میں کر لیا۔ ۱۹۳۹ء میں بالآخر کانگریس کی یہ حکومتیں ٹوٹ گئیں۔ اب لوہا گرم ہو چکا تھا۔ قائد اعظمؒ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اللہ کا شکر ادا کرنے اور ”یوم نجات“ منانے کا حکم دیا۔ تمام ہندوستان میں کانگریس کی حکومتیں ختم ہونے پر شکرانے کے نوافل ادا کیے گئے، مٹھائیاں تقسیم ہوئیں اور اب مسلمان یکسو ہو کر سمجھ چکے تھے کہ ان کی فلاح اور خیر صرف اور صرف قائد اعظمؒ کی اطاعت میں ہی ہے۔



بھارت کے سکولوں میں ”فینسی ڈریس شو“ کے بہانے مسلمان بچوں کو ہندو بھگوانوں کے روپ دھارنے پر مجبور کیا جاتا ہے



ہندوستان میں انگریز حکومت بھی شدید دباؤ میں تھی، اور قائد اعظمؒ نے ان حالات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

قائد اعظمؒ نے مسلم لیگ کا اجلاس مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں بلانے کا اعلان کر دیا۔ اب ایک نئی تاریخ لکھی جانی تھی، ایک نئے دور کا آغاز ہونا تھا اور ہندوستان کے مسلمان پہلی مرتبہ ایک قیادت کے تحت منظم اور مضبوط ہو کر برصغیر ہند کی تقسیم کا مطالبہ کرنے جا رہے تھے۔

یہاں پر ہم آپ کے سامنے پروفیسر انعام الحق کوثر صاحب کی ایک نایاب تحریر پیش کر رہے ہیں کہ جو ۲۲-۲۳-۲۴ مارچ کے ان تاریخ ساز دنوں کی ایک یادگار سرگزشت ہے۔ ہماری تاریخ اور نصابی کتب میں سے ان تین تاریخ ساز دنوں کی کارروائی کو تقریباً حذف ہی کر دیا گیا ہے۔ ۲۳ مارچ کو یوم قرارداد پاکستان تو منایا جاتا ہے، مگر ان کی رومانوی تاریخ سے ہماری نوجوان نسل یکسر ناواقف ہے۔ آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت کیلئے یہ لازم ہے کہ ہم آج نہ صرف یہ کہ ان تاریخی حقائق کو زندہ رکھیں، بلکہ اس عشق و جنون و جذبے کو بھی محسوس کریں کہ جس کے تحت ہمارے آباء نے اس پاک سرزمین کو حاصل کرنے کیلئے سرودھڑ کی بازی لگادی تھی۔



۱۹۳۹ء میں جس وقت مسلمان ہندوستان میں قائد اعظمؒ کی قیادت میں یوم نجات منا رہے تھے، اس وقت تک علامہ اقبالؒ ۱۹۳۸ء میں اپنا مشن مکمل کر کے اس دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ آخری خواہش بھی پوری کر دی تھی کہ جس کیلئے انہوں نے اپنی ساری زندگی صرف کی تھی۔ اب مسلمانوں کے پاس نظریہ بھی تھا، قائد بھی تھا اور وہ ایک قوم بھی بن چکے تھے۔

علامہ اقبالؒ نے وہ چند آخری نصیحتیں جو قائد اعظمؒ کو کیں تھیں، اس میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں کروایا جائے کہ جس میں پورے ہندوستان سے مسلمانوں کے نمائندے شامل ہوں اور مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن کر ابھرے اور پھر ہندوؤں اور انگریزوں کے مقابلے میں ایک علیحدہ وطن کی نئی جدوجہد کا آغاز ہو۔ علامہ اقبالؒ کے انتقال، کانگریس کی حکومتوں اور اس دور میں مسلم لیگ کی مصروفیات کی وجہ سے قائد اعظمؒ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں نہ کروا سکے۔ مگر یوم نجات کے بعد اب بہترین موقع تھا کہ مسلمانوں کو متحد کر کے براہ راست علیحدہ ریاست کا مطالبہ کیا جائے۔

ایک جانب مسلمان اب ہندوؤں کے خلاف متحد ہو چکے تھے، تو دوسری جانب انگریزوں کے خلاف بھی قدرت نے مسلمانوں کو ایک بھرپور موقع دے دیا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں یورپ میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ پورا یورپ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ برطانیہ براہ راست جرمن حملوں کی زد میں تھا۔ لندن پر روز سینکڑوں حملے ہوتے اور پوری دنیا میں پھیلی ہوئی انگریز فوج ہر محاذ پر بری طرح سے شکست کھا رہی تھی۔ ایسے میں ہندوستان میں موجود بہت بڑی تعداد میں برطانوی اور ہندوستانی فوج کو بھی یورپی محاذوں پر بھیجا جا رہا تھا۔ جرمن حملوں کی وجہ سے براہ راست یہ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ شاید برطانیہ پر ہی جرمنی کا قبضہ ہو جائے۔ ان حالات میں

پاکستان یا شہادت

اجلاس لاہور مارچ ۱۹۴۰ء کی تیاریاں اور کمرانی:

اقبال پارک، جو کبھی منٹو پارک کے نام سے مشہور تھا، بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ کے سائے میں ایک وسیع و عریض میدان ہے جو لاہور کے قدیمی شہر کی طرح اپنے اندر پرانی داستانیں سموئے ہوئے ہے۔ میاں امیر الدین کا کہنا ہے کہ جہاں آج مینار پاکستان ہے، ۱۹۴۰ء میں جلسے کی تیاری کے دوران یہاں ہم نے ایک خوبصورت سیٹج سجایا تھا۔ یہ جگہ ارد گرد کی زمین سے قدرے بلند تھی اور یہاں ایک بہت بڑا کھاڑا تھا۔

جب یہ اجلاس لاہور میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو یہ اہل لاہور کی خوش قسمتی تھی کیونکہ آج ان کا بہت دیرینہ مطالبہ پورا ہو رہا تھا۔ لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد کرنے کی اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ کوششیں ہو چکی تھیں لیکن یہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ سب سے پہلی بار زور کوشش علامہ اقبالؒ نے کی۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء میں اجلاس لکھنؤ سے پہلے، اور اس کے بعد، قائد اعظمؒ کی توجہ بار بار اس امر کی جانب دلائی کہ مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ لاہور میں منعقد کیا جائے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۳۸ء کو قائد اعظمؒ نے جب ان سے دریافت فرمایا کہ آیا لیگ کا سالانہ جلسہ لاہور میں منعقد کرنا چاہیے، تو علامہ اقبالؒ نے اس تجویز کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا، لیکن پنجاب کا برسر اقتدار ٹولہ یعنی یونینسٹ پارٹی اور سرسکندر حیات کی وزارت آڑے آئی۔ حسن رضائے لکھا کہ لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مجوزہ اجلاس کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ صوبائی مسلم لیگ کے زیر انتظام مختلف کمیٹیاں قائم کر دی گئی تھیں جو اس اجلاس کی کامیابی کے لیے رات دن کوشاں تھیں۔ اس سلسلے میں مسلمانان پنجاب نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور صرف اجلاس کے انعقاد کے





تاریخی منٹو پارک، جواب اقبال پارک کے نام سے جانا جاتا ہے، اور مینار پاکستان جو ہمیں اس شاندار ماضی کی یاد دلاتا ہے

لیے ۲۰ ہزار روپیہ کے قریب چندہ جمع ہوا، جس میں سے اجلاس پر پونے گیارہ ہزار روپے خرچ ہوئے باقی ماندہ رقم مسلم لیگ کے فنڈ میں جمع کرا دی گئی۔

لاہور کی خوش قسمتی تھی کیونکہ آج ان کا بہت دیرینہ مطالبہ پورا ہو رہا تھا۔ لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد کرنے کی اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ کوششیں ہو چکی تھیں لیکن یہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ سب سے پہلی پُر زور کوشش علامہ اقبالؒ نے کی۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء میں اجلاس لکھنؤ سے پہلے اور اس کے بعد قائد اعظمؒ کی توجہ بار بار اس امر کی جانب دلائی کہ مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ لاہور میں منعقد کیا جائے۔

جب حکومت وقت سے منٹو پارک میں جلسہ کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو محکمہ زراعت کی طرف سے جناب شاہنواز خان کو ایک خط موصول ہوا جس میں فوراً آٹھ ہزار روپیہ جمع کرانے کا مطالبہ کیا گیا جو کہ ناقابل واپسی تھا اور وجہ یہ بتائی گئی کہ جلسے کے دوران ہونے والی توڑ پھوڑ کو درست کرنے کے لیے یہ رقم درکار ہوگی۔ میاں امیر الدین کے کہنے پر فوراً ایک جواب تحریر کیا گیا جس میں یہ درخواست کی گئی کہ اگر جلسے کے دوران کسی قسم کی توڑ پھوڑ واقع ہوئی تو مسلم لیگ اپنے خرچے پر سب کچھ درست کروادے گی۔ ابھی محکمہ کی طرف سے کوئی جواب وصول بھی نہ ہوا تھا کہ جلسہ مقررہ وقت اور جگہ پر بغیر کسی ناخوشگوار واقعہ کے اپنے اختتام کو پہنچا۔ کیونکہ یہاں اجلاس تھا اور کل ہند مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ہو رہا تھا، اس کی تشہیر اور پراپیگنڈے کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ اسٹیج کی تیاری سے لیکر جلسے کی کارروائی تک عوام کو مطلع کرنے کیلئے کافی روز قبل اخبارات میں اشہارات وغیرہ آنا شروع ہو گئے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو ”زمیندار اخبار“ میں کچھ اس طرح کی سرخی جمائی گئی:

”آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور، صدر منتخب کے خیر مقدم کی وسیع تیاریاں،

عظیم الشان جلوس کن کن بازاروں سے گزرے گا۔“

۳ مارچ کو میاں امیر الدین کے دولت کدہ واقع بارود خانہ میں شہر کے ان معززین اور صاحب رسوخ افراد کو عصرانے پر مدعو کیا گیا جس علاقہ اور بازار سے صدر منتخب کا پر شکوہ جلوس گزارنے کا پروگرام بنایا جا رہا تھا۔ ان سے باہمی تبادلہ خیال کرنے کے بعد جلوس کے لیے مندرجہ ذیل راستہ ترتیب دیا گیا:

۲۱ مارچ کو جلوس ساڑھے نو بجے صبح لاہور ریلوے اسٹیشن سے براستہ برانڈر تھ روڈ، سرکلر روڈ، اکبری بازار، دہلی دروازہ، واٹر ورکس، ہیرامنڈی بازار، بازار حکیمیاں، بھائی گیٹ، سرکلر روڈ، چوک لوہاری، انارکلی بازار سے ہوتا ہوا شام ۳ بجے مسجد نیلا گنبد کے سامنے اختتام پذیر ہوگا۔ جلوس کے راستے کو جھنڈیوں، مانوڑ اور گونا گوں قسم کے مختلف دروازوں سے مزین کیا جائے گا۔ جلوس کے راستہ کو سجانے میں مقامی مسلم دوکاندار اور اسلامی جماعتیں نہایت انہماک سے حصہ لیں گی۔ امید کی جاتی ہے یہ

سب کی نگاہیں قائد اعظمؒ کو تلاش کر رہی تھیں وہ انہیں جلوس کی شکل میں یجانا چاہتے تھے۔ فلک شگاف نعرے لگ رہے تھے۔ قائد اعظمؒ زندہ باد! مسلم لیگ زندہ باد! میں نے لوگوں کو سمجھا بھجا کرواپس لوٹا دیا۔

جلوس اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت شاندار ہوگا۔ اسی طرح کی ایک مجلس مشاورت خان صاحب چوہدری عبدالکریم آنریری مجسٹریٹ کے دولت کدہ واقع قلعہ گوجر سنگھ پر بھی منعقد ہوئی اور وہاں بھی صاحب صدر کے جلوس کو کامیاب بنانے کی تجویز پر غور کیا گیا۔ پنڈال کی تیاری زوروں پر تھی اس کی وسعت اور تیاری کے بارے میں جنرل نیوز سروس کی طرف سے یہ خبر زمیندار اخبار میں شائع ہوئی:

”۳ مارچ آل انڈیا مسلم لیگ کے سٹائیسویں اجلاس کا پنڈال منٹو پارک کے وسیع میدان میں زیر تعمیر ہے۔ جہاں ساٹھ ہزار سے زائد سامعین کے بیٹھنے کیلئے گیلریوں اور ڈاکس وغیرہ کا نہایت مناسب و موزوں انتظام کیا گیا ہے۔ وفود کے ارکان اور مجلس استقبالیہ کے بیٹھنے کی علیحدہ علیحدہ نشستیں مخصوص ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسٹیج کے پیچھے پردہ نشین مستورات کے بیٹھنے کیلئے باقاعدہ پردہ وغیرہ کا انتظام ہوگا۔ پنڈال کے باہر رضا کاروں، وفود اور متعلقہ دفاتر کے علیحدہ علیحدہ کمپ مخصوص کر دیئے گئے ہیں، نیز مختلف قسم کے دوکانداروں کے لیے اسٹالوں کے نشانات لگائے جا چکے ہیں۔ امید ہے کہ ۱۵ مارچ تک کمپ پنڈال بالکل تیار ہو جائے گا۔“

عین اس زمانے میں جب کہ اجلاس میں دو روز باقی تھے یعنی ۱۹ مارچ کو لاہور ایک زبردست خونی حادثے کا شکار ہو گیا۔ پنجاب یونیٹس پارٹی کی وزارت تھی۔ سرسکندر حیات خان سربراہ تھے۔ دوسری عالمگیر جنگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ قانون دفاع ہند نافذ ہو چکا تھا۔ اس قانون کی رو سے تمام فوجی و نیم فوجی رضا کار تنظیموں پر پابندی عائد کی جا چکی تھی۔ حکومت پنجاب نے اس قانون کے تحت علامہ مشرقی کی خاکسار تنظیم پر پابندی عائد کر دی اور یہ حکم جاری کیا کہ وہ باوردی پریڈ اور فوجی مشقیں نہ کریں۔ خاکساروں نے اجلاس سے صرف دو روز قبل یعنی ۱۹ مارچ کو اس حکم کی خلاف ورزی کی تو قانون حرکت میں آ گیا۔ خاکساروں نے مزاحمت کی۔ ان پر فائرنگ کی گئی۔ نتیجتاً بہت زبردست ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لاہور کی سڑکوں، گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں خاکساروں کا خون ہی خون تھا۔ سرکاری اعداد و شمار کے

مسلم لیگ کے ۲۷ ویں سالانہ اجلاس کے پروگرام کی ایک جھلک

۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء بروز جمعرات

- صبح دس بجے قائد اعظمؒ کی آمد، ریلوے اسٹیشن پر استقبال
- ۲ بجے: زخمی خاکساروں کی عیادت
- ۱۲ بجے: قائد اعظمؒ کی پریس کانفرنس
- ۵ بجے: منٹوپارک میں مسلم لیگ کی رسم پرچم کشائی

۲۲ مارچ بروز جمعہ

- دس بجے: سچیکش کمیٹی کا اجلاس
- نواب سرشاہ نواز آف ممدوٹ کا خطبہ
- اڑھائی بجے: اجلاس کا افتتاح
- قائد اعظمؒ کا خطبہ صدارت
- میان بٹیر احمد کی نظم
- رات ۹ بجے سے ایک بجے تک سچیکش کمیٹی میں قراردادوں پر غور

۲۳ مارچ بروز ہفتہ:

- صبح دس بجے تا بارہ بجے: سچیکش کمیٹی کا اجلاس
- قرارداد لاہور جو مولوی فضل حق نے پیش کی اور جس کی تائید چوہدری خلیق الزمان نے کی
- ۳ بجے دوسرا اجلاس
- قرارداد کی تائید میں مولانا ظفر علی خان سردار اورنگزیب خان اور سر عبداللہ ہارون کی تقاریر
- نوابزادہ لیاقت علی خان جنرل سیکرٹری کی سالانہ رپورٹ
- رات نو بجے سے دو بجے تک سچیکش کمیٹی میں دوسری قراردادوں پر غور

۲۴ مارچ بروز اتوار:

- سوا گیارہ بجے دن: قرارداد لاہور کی مزید حمایت میں اکابرین مسلم لیگ کی تقاریر: نواب محمد اسماعیل خان، قاضی محمد عیسیٰ، عبدالحمید خاں، آئی آئی چندر گپتا، ڈاکٹر محمد عالم، عبدالحمید بدایونی، سید ذاکر علی، بیگم محمد علی، نواب بہادر یار جنگ۔
- ساڑھے گیارہ بجے شب اجلاس کا اختتام

مطابق ۳۰ خاکسار شہید ہوئے اور کئی ایک زخمی ہوئے۔ مسلم لیگ جس نے بڑی جانفشانی سے جلسے کے انتظامات کیے تھے حیران و پریشان تھی۔ ڈریہ تھا کہ سرسکندر حیات خان، نامعلوم اجلاس منعقد ہونے دیں گے یا نہیں، اور اندیشہ تھا کہ کہیں یہ اجلاس ایک مرتبہ پھر پہلے کی طرح سازش کا شکار نہ ہو جائے اور اسے ملتوی کرنا پڑے۔ اندیشے کسی قدر درست ثابت ہوئے سرسکندر حیات خان نے لاہور کے حالات سے قائد اعظمؒ کو آگاہ کرتے ہوئے ایک تارکے ذریعے اجلاس ملتوی کرنے کا مشورہ دیا۔ نواب بہادر یار جنگ کہتے ہیں:



”ایک روز سوکراٹھا تو ڈاکے نے دو تار ایک ہی وقت لا کر دیے دیکھا تو ایک تار حضرت قائد اعظمؒ کا تھا اور دوسرا علامہ شریقی کا، دونوں میں جلی کا حکم تھا۔ دونوں تار دہلی سے آئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ کیا معاملہ ہے۔ فوراً بستر باندھا اور قائد اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، خیر وعافیت دریافت کی۔ انہوں نے کچھ نہ کہا بس میرے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا دیا۔ دیکھا تو یہ ایک پیغام تھا..... سرسکندر حیات کا قائد اعظمؒ کے نام کہ اجلاس لاہور ملتوی کر دیا جائے۔ میں نے جب اس کو پڑھ لیا تو قائد اعظمؒ نے فرمایا لاہور کا یہ اجلاس بہت اہم ہے۔ اس میں بہت اہم فیصلے کیے جانے ہیں جس کے نتائج مسلم قوم کے لیے بہت دور رس ہوں گے۔ اجلاس کا اعلان ہو چکا ہے۔ مندوبین کے نام دعوت نامے جاری کیے جا چکے ہیں، مگر صورت حال بہت نازک ہے۔ لیگ کے ایک گروپ کا خیال ہے کہ ان حالات میں اجلاس ملتوی کر دیا جائے جب کہ دوسرے گروپ کا خیال ہے کہ اجلاس ضرور ہو۔ میں تمہاری رائے چاہتا ہوں کیونکہ تمہارا تعلق دونوں تنظیموں یعنی مسلم لیگ اور خاکسار سے ہے۔ میں نے دومنٹ خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد عرض کیا: ”قائد اعظمؒ مسلم لیگ کا اجلاس اسی سال مقرر وقت پر لاہور میں منعقد ہوگا۔ آپ لاہور تشریف لے جائیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میری آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ آپ جلوس کی شکل میں لاہور ریلوے اسٹیشن سے شہر کی طرف روانہ نہ ہوں۔ باقی معاملہ کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“ میری بات سن کر قائد اعظمؒ کا چہرہ کھل اٹھا۔ انہوں نے میری درخواست کو شرف پذیرائی بخشا۔ مسلم لیگ کے تمام سربراہ، قائدین اور کارکنوں کے نام تار روانہ کیے گئے کہ اجلاس لاہور ہی میں پروگرام کے مطابق ہوگا اور وقت مقررہ پر ہوگا۔ دوسرے دن قائد اعظمؒ نے رخت سفر باندھا میں ان کے ساتھ تھا۔ راستے میں مختلف اسٹیشنوں پر قائد اعظمؒ کا والہانہ استقبال ہوا۔ لاہور پہنچنے کے بعد قائد اعظمؒ اسٹیشن کے پچھلے دروازے سے اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے اور میں انہی کے کپارٹمنٹ سے لاہور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اترا۔ لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ سب کی نگاہیں قائد اعظمؒ کو تلاش کر رہی تھیں وہ انہیں جلوس کی شکل میں لیجانا چاہتے تھے۔ فلک شگاف نعرے لگ رہے تھے۔

قائد اعظمؒ زندہ باد! مسلم لیگ زندہ باد! میں نے لوگوں کو سمجھا بھجا کرواپس لوٹا دیا۔“



قائد اعظم کے استقبال کے لیے کھڑے نوجوان

جناب ابوسعید کے مطابق کہ جو مجلس استقبالیہ کے ایک رکن تھے، قائد اعظم جب پلیٹ فارم پر اترے تو استقبالیہ کمیٹی کے ارکان کے علاوہ جناب سرسکندر حیات خان بھی پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک خوبصورت ہار تھا جو قائد اعظم کو پہنانا چاہتے تھے۔ قائد اعظم کی نظر جب ہار پر پڑی تو انہوں نے ہار پہننے سے انکار کر دیا اور خاموشی سے جناب شاہ نواز ممدوٹ کے ساتھ اپنی قیام گاہ کو چلے گئے۔ وہاں انہوں نے کچھ دیر آرام کیا، پھر ہسپتال جا کر زخمی خاکساروں کی خیریت دریافت کی، ان کی دلجوئی کی۔ آپ کے اس عمل سے حالات پر بہت اچھا اثر پڑا۔

اسٹیشن پر ہجوم اس قدر تھا کہ اخباری نمائندے جناح صاحب تک پہنچ ہی نہ سکے۔ چنانچہ جب قائد اعظم ممدوٹ والا پہنچے تو اخباری نمائندے وہاں موجود تھے۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے قائد نے فرمایا:

”مسلم لیگ کا یہ سیشن اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرے گا۔ ہم اس وقت متعدد اہم معاملات سے دوچار ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہم سب کے اشتراک اور تعاون سے ان متعدد مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہونگے۔ ہمیں لازماً پر امن، منظم اور قانون کا پابند رہنا چاہیے۔ مجھے پریس پر پورا اعتماد ہے کہ وہ مسلم لیگ کے موجودہ اجلاس کو کامیاب بنانے میں میرا ہاتھ بٹائے گا۔ ۱۹ مارچ کے سانحہ کے متعلق سن کر جس کی وجہ سے کئی جانیں ضائع ہوئیں اور متعدد اشخاص زخمی ہوئے ہیں بہت دکھ ہوا ہے لیکن ہمیں اس کی وجہ سے ہراساں نہیں ہونا چاہیے بلکہ تمام حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اور مجھے امید ہے کہ ہم صحیح حل دریافت کر لیں گے۔“

۲۱ مارچ کی سہ پہر کو قائد اعظم کو پنڈال سے باہر پرچم کشائی کی رسم ادا کرنی تھی، چنانچہ دو پہر ہی سے لوگوں کا بہت بڑا ہجوم وہاں جمع ہونا شروع ہو گیا۔ سب سے بڑا پنڈال وہ تھا جس میں سالانہ اجلاس ہونے والا تھا۔ اس پنڈال کے بڑے دروازے کا نام ”باب جناح“ رکھا گیا تھا، اور بڑے دروازے کے دونوں طرف اونچے مینار بنائے گئے تھے جس سے اس دروازے کی خوبصورتی اور پنڈال کی شان دو بالا ہو جاتی تھی۔ سٹیج بڑا وسیع تھا جس پر پانچ سو سے زائد افراد کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ دائیں طرف کرسیوں کا خاص بلاک تھا، بائیں طرف کرسیاں تھیں اور ان کے پیچھے گیلری تھی۔ اس کے پیچھے عام نشستوں کے لیے دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ اس پنڈال میں کچھتر ہزار سے زیادہ لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ سٹیج کے لیے سو روپیہ ٹکٹ تھا، اور خاص نشستوں کیلئے آٹھ آنے کا ٹکٹ تھا۔ خواتین کے لیے الگ پردے میں بیٹھنے کا انتظام تھا۔

اس بڑے پنڈال کے علاوہ کچیکٹس کمیٹی کے اجلاس کے لیے الگ پنڈال تھا، جو چاروں طرف سے بند تھا۔ ایک پنڈال چائے کے لیے تھا۔ یہاں حاضرین کے لیے کھانے پینے کا انتظام تھا۔ ایک درمیانے پنڈال میں آل انڈیا مسلم لیگ کا دفتر کھول دیا گیا، ایک دوسرے پنڈال میں مجلس استقبالیہ کا دفتر تھا۔ اس کے علاوہ رضا کاروں کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ ہندوستان کے مختلف حصوں سے رضا کاروں کے جیش آئے تھے۔ سب سے بڑا جیش تو صوبہ سرحد سے آیا تھا۔ ان کے علاوہ سی پی بنگال، بہار، آسام، بمبئی، یوپی اور دہلی سے بھی کافی تعداد میں رضا کار آئے تھے۔ ان سب کے لیے الگ خیمے تھے، ان کے ساتھ مندوبین کی رہائش کا انتظام تھا۔

قائد اعظم کو ۲۱ مارچ کو چار بجے پرچم کشائی کرنی تھی۔ اس پرچم کشائی کی تقریب کے لیے ایک چبوترہ بنایا گیا تھا جس کے درمیان اونچے بانس پر پرچم نصب کر دیا گیا تھا۔ قائد ٹھیک چار بجے پنڈال پہنچے۔ نواب سرشاہ نواز ان کے ہمراہ تھے، جناح صاحب نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

”میں ابھی ابھی ان زخمیوں اور بیماروں کو میوہ ہسپتال دیکھ کر آ رہا ہوں۔ یہ لوگ ایک پر رنج واقعہ کا شکار ہوئے ہیں۔ یہ واقعہ حقیقتاً بہت ہی پر رنج ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت سی جانیں ضائع ہوئیں۔ بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ ہم میں سے ہر ایک کو ان زخمیوں اور ان کے لواحقین سے پوری پوری ہمدردی ہے اور ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ آج دوست اور دشمن اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانان ہند کی ایک ہی نمائندہ جماعت ہے اور وہ آل انڈیا مسلم لیگ ہے جس کی پرچم کشائی کی رسم آج ادا کی جا رہی ہے۔ ہمیں آج اس مبارک موقع پر عہد کرنا چاہیے کہ ہم اس پرچم کو سر بلند رکھنے کیلئے ہر قسم کی قربانیاں دیں گے اور اس کو کسی صورت سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔“

ادھر پرچم کشائی کی رسم ادا کی جا رہی تھی، ادھر شہر میں پھر خاکساروں اور پولیس میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ کرنال کے آٹھ خاکساروں نے انار کلی بازار میں پریڈ شروع کی..... جیسے ہی آٹھ خاکساروں کا جیش بازار میں نمودار ہوا انار کلی میں دہشت پھیل گئی اور دکانیں بند ہونے

ملت کا پاساں ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جناح
صد شکر پھر ہے گرم سفر اپنا کارواں
اور میر کارواں ہے محمد علی جناح
بیدار مغز، ناظمِ اسلامیان ہند
ہے کون؟ بے گماں ہے محمد علی جناح
تصویرِ عزم، جانِ وفا، روحِ حریت
ہے کون؟ بے گماں ہے، محمد علی جناح
رکتا ہے دل میں تاب و تواں نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح
رگ رگ میں اس کی ولولہ ہے حب قوم کا
پیری میں بھی جواں ہے محمد علی جناح
گلتا ہے ٹھیک جا کے نشانے پہ جس کا تیر
ایسی کڑی کماں ہے محمد علی جناح
ملت ہوئی ہے، زندہ پھر اس کی پکار سے
تقدیر کی ازاں ہے محمد علی جناح
غیروں کے دل بھی سینے کے اندر دہل گئے
مظلوم کی فغاں ہے محمد علی جناح
اے قوم! اپنے قائدِ عظمیٰ کی قدر کر
اسلام کا نشان ہے محمد علی جناح
عمرِ دراز پائے، مسلمان کی ہے دعا
ملت کا ترہاں ہے محمد علی جناح



شاہ نواز ممدوٹ، قائدِ عظمیٰ کا استقبال کرتے ہوئے

لگیں۔ پولیس بھی موقع پر پہنچ گئی اور انہوں نے جیش کے سالار کو منتشر ہونے کے لیے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر آنسو گیس چھوڑی گئی اور ان کو گرفتار کر لیا گیا۔

پرچم کشائی کے بعد پورے برصغیر سے آئے ہوئے مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے قائدِ عظمیٰ کو سلامی دی۔ اس کارروائی کے بعد نیشنل گارڈز نے اپنے انتظامی فرائض سنبھال لیے۔

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو جلسہ گاہ میں فرزندانِ توحید کا بے پناہ ہجوم تھا۔ دس کروڑ مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن، بے تاج بادشاہ، قوم کا سپہ سالارِ عظمیٰ، ۳ بجکر ۵۰ منٹ پر پنڈال میں داخل ہوا..... جلسہ گاہ میں طوفان آگیا مگر حاضرین نے نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ نیشنل گارڈز کے چاق و چوبند دستے نے آپ کو سلامی دی۔ فضا نعرہ بیکبیر: اللہ اکبر! قائدِ عظمیٰ: زندہ باد! مسلم لیگ: زندہ باد! کے فلک شکاف نعروں سے گونج اٹھی۔ استقبالِ کمیٹی کے چیئرمین شاہ نواز ممدوٹ نے قائدِ عظمیٰ کا استقبال کیا اور ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ قائدِ عظمیٰ بیچ پر جانے کے لیے جس راستے سے گزرے لوگوں نے ان پر پھولوں کی بارش کر دی۔

قائدِ عظمیٰ کی نشست کے دائیں بائیں اور عقب میں پورے ملک سے آئے ہوئے مسلم لیگی قائدین تشریف فرما تھے۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد کئی نظمیں پڑھی گئیں۔ ان میں جناب انور غازی آبادی نے میاں بشیر احمد کی مندرجہ ذیل مشہور نظم اپنے مسطور کن ترنم میں پڑھی۔

بعد ازاں صدر استقبالیہ کمیٹی نواب شاہ نواز مہروٹ نے قائد اعظمؒ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا:



”مسلم لیگ نے مسلمانوں اور ہندوستان میں بسنے والی دوسری اقلیتوں کے مفادات اور قومی خود مختاری کے لیے جو کام شروع کر رکھا ہے وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک سنہرے باب کی حیثیت اختیار کر لے گا۔ مسلم لیگ آج کل جن خطوط پر کام کر رہی ہے اس سے نہ صرف مسلمانوں کی قومی زندگی، ان کی آزادی کی جدوجہد کو فائدہ پہنچے گا بلکہ وہ دوسری اقلیتوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا۔ انہیں مسرت ہے کہ مسلمان اپنی اس نمائندہ تنظیم کے پوری طرح ساتھ ہیں اور وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے روز بروز مضبوط ہو رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ مسلمان آزاد ہندوستان میں آزاد ہونا چاہتے ہیں اور برطانیہ یا کانگریس ان کو اس راستے سے منحرف نہیں کر سکتے۔ مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی چاہتی ہے مگر یہ فریب بھی نہیں کھا سکتی کہ آزادی حاصل کرتے ہی وہ اکثریت کی غلام بن جائے۔ مسلمان ہر اس سکیم یا منصوبے کی مخالفت کریں گے جو مسلم حقوق کے منافی ہوگا۔

(انہوں نے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا) مسلمانوں کو مغربی طرز حکومت موافق نہیں اور گزشتہ ڈھائی سال کے اس تلخ تجربے کے بعد جو کانگریس کے اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو ہوا ہے ہندوستان کے مسلمان ہرگز یہ برداشت نہیں کریں گے کہ وہ اکثریت کے رحم و کرم پر اپنی زندگی گزاریں۔ اس اکثریت کا مذہب، تہذیب و تمدن اور رسم و رواج مسلمانوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یورپی اقوام جن کا مذہب ایک ہے، زبان ایک ہے، تہذیب و تمدن اور تاریخ ایک ہے وہ ایک قوم کی بالادستی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم اس اکثریت کی بالادستی قبول کر لیں۔ (ان کا اشارہ جرمن قوم کی طرف تھا۔)

گزشتہ ربع صدی میں بیسیوں بار ایسے مواقع آئے کہ فرقہ وارانہ مسائل کا حل نکل سکتا تھا اور دونوں قوموں کے درمیان کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہو جاتا مگر ہر بار کانگریس آڑے آئی۔ وہ مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی اور اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمان اپنا علیحدہ تشخص اور آزادی برقرار نہ رکھ سکیں۔

جہاں تک صوبائی خود مختاری کا تعلق ہے ٹھیک ہے، مگر ایک عوامی حکومت اس طرح چل سکتی ہے جب اکثریت، اقلیتوں کے ساتھ ہر میدان میں انصاف کرے مگر افسوس کہ کانگریس نے صوبوں میں جو حکومتیں بنائیں وہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکیں۔ دوسری طرف پنجاب اور بنگال کی مسلم حکومتوں نے اپنی اقلیتوں کو مطمئن رکھنے کے لیے تمام اقدامات کیے۔ حکومت پنجاب نے گزشتہ تین سالوں میں جنوب مشرقی پنجاب کے غیر مسلم اکثریتی علاقوں میں قحط زدگان کے لیے دو کروڑ ۵۷ لاکھ روپے خرچ کیے۔ اس علاقے کی اکثریت

ہندو جانوں پر مشتمل ہے۔

مجھے تسلیم ہے کہ کچھ مسلمان رہنما اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہو گئے ہیں جو ہندوستان کی آزادی نہیں بلکہ ہندو قوم کی آزادی کیلئے جنگ لڑ رہی ہے۔

اے مہمانان محترم اور اے برادران اسلام میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ

اپنے حبیب پاک سرور کائنات ﷺ کی حرمت کے صدقے میں آپ

جب سرسکندر حیات کا ضامن ذکر آیا تو جلسہ گاہ سے آوازیں بلند ہوئیں ”اس قاتل کا نام مت لو!“ بعد ازاں شدت جذبات سے نعرے بلند ہونے لگے! انگریز کا ٹوڈی ہائے ہائے! سکندر حیات مردہ باد!

کے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دے۔ آپ کو دولت یقین سے مالا مال کرے اور آپ جس عظیم الشان کام کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں اس کے اہتمام و انصرام میں کامیابی فرمائے۔ رہنابیت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین!

آخر میں ایک دفعہ آپ حضرات کی تکلیف فرمائی اور تشریف آوری کے لیے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں اپنے فرض میں کوتاہی کا مجرم ہوں گا اگر مجلس استقبالیہ کے مختل، مخلص اور سرگرم کارکنوں کی خدمت میں دلی ہدیہ تشکر پیش نہ کروں۔ جنہوں نے اس اجلاس کے انعقاد کی کوششوں میں شبانہ روز میرا ہاتھ بٹایا اور جن کے تعاون کے بغیر میں اپنے کمزور کندھوں پر اتنا بار گراں ہرگز نہیں اٹھا سکتا تھا۔“

اس سپاسنامہ میں عروس البلاد دلاہور کے تاریخی ثقافتی اور تعلیمی پس منظر میں برصغیر کی سب سے عظیم سجدہ گاہ، اورنگزیب عالمگیر کی تعمیر کردہ بادشاہی مسجد اور اس کی نگہداشت کے سلسلہ میں جب سرسکندر حیات کا ضامن ذکر آیا تو جلسہ گاہ سے آوازیں بلند ہوئیں ”اس قاتل کا نام مت لو!“ بعد ازاں شدت جذبات سے نعرے بلند ہونے لگے! انگریز کا ٹوڈی ہائے ہائے! سکندر حیات مردہ باد! لوگوں کے جذبات ہجانی کیفیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔

سکندر حیات خود بھی جلسہ میں موجود یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اس طوفان مخالفت کو جوش میں آتا دیکھ کر موصوف جلسہ گاہ سے فرار ہو گئے۔ خطبہ استقبالیہ شورش میں دب گیا۔ آخر کار قائد اعظمؒ مائیکروفون پر تشریف لائے اور یہ شور قیامت دیکھتے ہی دیکھتے سکوت و سکون میں بدل گیا۔ قائد اعظمؒ اس وقت سیاہ شروانی میں ملبوس تھے۔ پہلے آپ نے اردو میں کچھ فرمایا۔ بعد ازاں انگریزی میں ایک گھنٹہ چالیس منٹ تقریر فرمائی۔ حاضرین کی اکثریت انگریزی سے نااہل ہونے کے باوجود ہمدن گوش تھی اور قائد اعظمؒ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر داد کے ڈونگرے برسا رہی تھی۔ کبھی وہ شیر کی طرح دھاڑتے اور کبھی ریشم جیسے نرم لہجے میں بات کر کے مسلمانان ہند کے

دلوں کو گرماتے۔ قائد اعظمؒ نے مسلم خواتین کو، جن کی پہلی بار ایک بڑی تعداد موجود تھی اور پنڈال میں نیشنل گارڈز نے ان کے لیے پردے کا انتظام کر رکھا تھا، سیاسی اور قومی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے کی ہدایت دینے کے بعد ملکی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا:

”ہم اپنے موقف پر ثابت قدمی سے قائم ہیں۔ یہ آزادی پورے ہندوستان کے لیے ہونی چاہیے، کسی ایک طبقے کے لیے نہیں۔ یہ آزادی ہندو کانگریس کے مقاصد کے تحت نہیں ملنی چاہیے۔ جس کا مقصد مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی غلامی ہے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حکومت برطانیہ اور ہندو کانگریس میں ایسا معاہدہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسا ہوا۔ ہم چیخنے رہے فریاد کرتے رہے مگر انگریز گورنروں حتیٰ کہ وائسرائے نے بھی کانگریسی صوبائی وزارتوں کے مظالم کے سلسلہ میں کوئی اقدام کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔

ہندو کانگریس کا مطالبہ ہے کہ پہلے ہمیں آزادی دو پھر ہم دیکھیں گے کہ کسے کیا دینا ہے؟

(گاندھی کا ذکر کرتے ہوئے کہا) ان کا کہنا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کو کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں۔ لیکن گاندھی جی کہتے ہیں کہ وہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور مسلمان بھی اسے پڑھتے ہیں (جلسہ گاہ میں قہقہے بلند ہوئے)۔

(قائد اعظمؒ نے مزید فرمایا) آنکھوں کا اندھا بھی جان چکا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ پھر یہ ناجائز حربے کیوں اختیار کیے جارہے ہیں۔ برطانیہ کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دیا جائے۔ میں اس پلٹ فارم سے اعلان کرتا ہوں۔ اگر کوئی عبوری سمجھوتہ، فیصلہ یا اعلان مسلمانوں کی رضا مندی یا اجازت کے بغیر کیا گیا تو ہم اس کی شدید مزاحمت کریں گے۔ مسلم ہندوستان کے کسی ایسے دستور کو قبول نہیں کر سکتا جس کا لازمی نتیجہ ہندو اکثریت کی حکومت کی صورت میں نکلے۔ ایک ایسے جمہوری نظام کا مطلب صرف ”ہندو راج“ ہی ہو سکتا ہے جو اقلیتوں پر زبردستی ٹھوس دیا گیا ہو اور جس کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو زبردستی اکٹھا کیا گیا ہو۔ اس قسم کی جمہوریت جو کانگریس ہائی کمان کو دل و جان سے عزیز ہے اس چیز کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دے گی جو اسلام میں انتہائی عزیز ہے۔ ہمیں گزشتہ ڈھائی سال کے دوران صوبائی دستوروں پر عمل درآمد کا اچھا خاصا تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔ اس قسم کی جابرانہ حکومت کا ایک ہی مطلب ہے کہ یہاں خانہ جنگی ہو اور نجی افواج بنائی جائیں جن کی سفارش گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں سے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انہیں تشدد سے اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ ٹکے کا بدلہ ٹکے سے دیا جائے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو انہیں یہ ملک چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا چاہیے۔

جیسا کہ عام طور پر سوچا سمجھا جاتا ہے، مسلمان اقلیت نہیں ہیں، اس کی توثیق کے لیے فقط اپنے چاروں طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔





۱۹۴۰ء : قائد اعظمؒ، محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ شاہ نواز ممدوٹ کے ہاں کھانے کی میز پر

بہر حال میں نے تفصیل سے وہ کام، وہ فریضہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے جو ہم سب کو سرانجام دینا ہے۔ کیا آپ کو احساس ہے یہ کام کتنا عظیم اور کتنا کٹھن ہے؟ کیا آپ کو احساس ہو گیا ہے کہ آپ آزادی محض دلیلوں کے بل پر حاصل نہیں کر سکتے؟

میں دانشوروں سے اپیل کروں گا۔ دنیا کے تمام ممالک میں دانشور آزادی کی تحریکوں کے رہنما اور علمبردار ہوتے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں مسلمان دانشور کیا سوچ رہے ہیں؟ وہ کیا کرنے کا عزم باندھ رہے ہیں؟ میں کہتا ہوں جب تک آپ اپنے نصب العین کو اپنے خون میں رچا بسا نہیں لیتے، جب تک آپ اپنی تمام آسائشات ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے، جب تک آپ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے، جب تک آپ اپنے لوگوں کیلئے بے غرضانہ، مخلصانہ اور صدق دلانہ کام کرنے کیلئے مستعد نہ ہوں گے اس وقت تک آپ کو نہ کبھی احساس ہو گا نہ آپ اپنے نصب العین کو پہچان سکیں گے۔

دوستو! اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ قطعی طور پر ارادہ کر لیجیے، پھر تدبیر سوچیے اپنے لوگوں کو منظم کیجیے۔ اپنی جماعت کو طاقتور بنائیے اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد کیجیے۔ میں دیکھتا ہوں لوگ بیدار ہو چکے ہیں۔ انہیں صرف آپ کی قیادت اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اسلام کے جانشینوں کی طرح آگے نکل آئیے، آگے بڑھیے اپنے لوگوں کو معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیجیے۔ تب مجھے یقین ہے کہ آپ ایک ایسی قوت بن جائیں گے جسے دوسروں کے لیے قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔



آج بھی ہندوستان کے برطانوی نقشے کے مطابق گیارہ میں سے چار صوبوں میں جہاں مسلمانوں کا کم و بیش غلبہ ہے خوب عملدرآمد ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود ہندو کانگریس ہائی کمان نے عدم تعاون اور رسول نافرمانی کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ لفظ ”قوم“ کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور اس لحاظ سے ان کا اپنا علیحدہ وطن، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت ہونی چاہیے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنی روحانی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی کو اس طریقے سے زیادہ سے زیادہ ترقی دیں، کہ جو ہمارے نزدیک بہترین اور جو ہمارے نصب العین سے ہم آہنگ اور ہماری قوم کے مزاج کے مطابق ہو۔ ہمارے کروڑوں لوگوں کے بنیادی مفادات ہم پر مقدس فرض عائد کرتے ہیں اور یہ ایمانداری کا تقاضا بھی ہے کہ ایک باوقار اور پر امن حل دریافت کیا جائے جو سب کے لیے منصفانہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ہمیں دھمکیوں اور تشدد آمیز نعروں سے اپنے مقصد اور نصب العین سے منحرف نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں ہر قسم کی مشکلات، ہر طرح کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہم نے اپنے سامنے جو نصب العین رکھ لیا ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت آمادہ اور مستعد رہنا چاہیے۔

یہ ہے وہ کام جو ہمیں، خواتین و حضرات، انجام دینا ہیں۔ میرا خیال ہے میری تقریر خاصی لمبی ہو گئی ہے اور میں نے مقررہ وقت سے زیادہ وقت لے لیا ہے، کئی باتیں ہیں جو آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔

میں نے ایک کتابچہ حال ہی میں چھپوایا ہے جس میں یہ سب باتیں آگئی ہیں۔ یہ کتابچہ آپ کو اردو اور انگریزی زبان میں با آسانی مسلم لیگ کے دفتر سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس کے مطالعے سے ہمارے مقاصد آپ پر پوری طرح روشن ہو جائیں گے اس میں مسلم لیگ کی بہت اہم قراردادیں اور دیگر اعلانات شامل ہیں۔

قرارداد پاکستان

(منظور شدہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء)

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے سالانہ کھلے اجلاس میں قرارداد پاکستان، جو قرارداد لاہور کے نام سے مشہور ہے، پیش ہوئی اور ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ قرارداد حسب ذیل ہے:

۱۔ آئینی مسئلے پر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مجلس عاملہ کے اس اقدام کی تائید و توثیق کرتے ہوئے جوان کی ۱۷، ۱۸، ۲۷ ستمبر، ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء اور ۳ فروری ۱۹۴۰ء کی قراردادوں سے واضح ہوتا ہے، آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس پرزور اعادہ کرتا ہے کہ وہ وفاقی منصوبہ جس کا اظہار گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں کیا گیا قطعاً غیر موزوں، اس ملک کے خاص حالات کے پیش نظر ناقابل عمل اور مسلم ہندوستان کے لیے یکسر ناقابل ہے۔

۲۔ اس اجلاس کی حتمی رائے ہے کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو جو اعلان و انسراے نے حکومت شاہ برطانیہ کی جانب سے کیا تھا وہ اس حد تک اطمینان بخش ہے کہ جس مسلک اور منصوبے پر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء مبنی ہے، اس پر ہندوستان کی مختلف جماعتوں اور فرقوں کے مشورے سے دوبارہ غور کرنے کا یقین دلایا گیا ہے لیکن مسلم ہندوستان اس وقت تک مطمئن نہیں ہوگا جب تک پورے آئینی منصوبے پر اسرور غور نہ کیا جائے، اور کوئی نیا منصوبہ مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں، تاوقتیکہ وہ ان کی رضا مندی اور منظوری سے مرتب نہ کیا جائے۔

۳۔ قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ مسلمہ رائے ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ اس ملک میں قابل عمل اور مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا تاوقتیکہ وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں پر وضع نہ کیا گیا ہو، یعنی، جغرافیائی طور پر متصل وحدتوں کی حد بندی ایسے خطوط میں کی جائے (مناسب علاقائی رد و بدل کے ساتھ) کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی حصے ان کی تشکیل ایسی آزاد ریاستوں کی صورت میں کی جائے جن کی مشمولہ وحدتیں خود مختار اور مقتدر ہوں۔ نیز ان وحدتوں اور خطوط میں اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کا مناسب موثر اور حتمی تحفظ ان کے مشورے سے آئین میں صراحت کے ساتھ کیا جائے، اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے اور دیگر اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کا مناسب موثر اور حکمی تحفظ ان کے مشورے سے آئین میں صراحت کے ساتھ کیا جائے۔

مزید برآں، یہ اجلاس مجلس عاملہ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ بنیادی اصولوں کے مطابق آئین کا ایک ایک منصوبہ مرتب کرے جس کی رو سے مذکورہ علاقوں کو بالآخر کھلی اختیارات حاصل ہو جائیں، مثلاً دفاع، امور خارجہ، مواصلات، محصولات اور دیگر ایسے امور جو ضروری سمجھے جائیں۔

قرارداد لاہور (قرارداد پاکستان) کی تائید اور منظوری

جناب خلیق الزمان قائد حزب اختلاف یو پی اسمبلی نے قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا:



مسلمانوں کو ان حالات کا تجزیہ کر لینا چاہیے جن سے مجبور ہو کر ہم نے بالآخر علیحدگی کا مطالبہ کر دیا ہے۔ اس کی اولین ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہے جس نے ہندوستان کو ایک قوم کا ملک گردانا۔ دوسری ذمہ داری ہندو کانگریس اور ہندو اکثریت پر عائد ہوتی ہے جو صوبائی خود مختاری کے لیے سرگرداں ہیں جس کی وجہ سے مسلمان خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہے ہیں۔ تیسری ذمہ داری ان مسلمانوں کی ہے جنہوں نے اتحاد بین المسلمین کے مقدس مقاصد کو پس پشت ڈالتے ہوئے چھوٹی چھوٹی غیر موثر تنظیمیں بنا رکھی ہیں۔ جو ہندو کانگریس کی حاشیہ بردار آلہ کار ہیں۔

صدر مولانا آزاد کی اس منطق پر کہ ۸ کروڑ مسلمانوں کو خوفزدہ ہونے کے بجائے اپنا دفاع کرنا چاہیے

معاملہ اگر ہندو مسلمان کے درمیان تلوار سے فیصلے کا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ کوئی ڈر خوف نہ تھا لیکن یہاں معاملہ ووٹوں کا ہے۔ میں نے ایک سچے مسلم لیگی اور کانگریس کے دوست کی حیثیت سے مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کر دیا ہے۔ اگر کانگریس لیڈر اب بھی مسلمانوں سے متعلق اپنی مخصوص پالیسی پر کاربند رہیں گے تو مجھے یقین ہے یہاں لازمی خانہ جنگی ہوگی۔

مولانا ظفر علی خان نے اپنے مخصوص انداز میں قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ:



”ہندو کانگریس نے مسلمانوں کی وجہ سے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور اب وہ مسلمانوں ہی سے بے اعتنائی برت رہی ہے۔ کانگریس مسلمانوں کی سیڑھی سے بام تک پہنچی ہے اور اب سیڑھی کولات مار کر گر رہی ہے۔ میں ہندو مسلم اتحاد کا زبردست مبلغ رہا ہوں۔ اس کے لیے میں نے جیل کی صعوبتیں کاٹی ہیں لیکن سالہا سال کے تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ہندو مسلم اتحاد ایک ایسا خواب ہے

جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا اور اسی لیے ہم اپنی الگ حکومت قائم کرنے کا اعلان کر رہے ہیں تاکہ ہم اپنی تہذیب اور ثقافت کے مطابق اپنے گھر کا انتظام کرنے کے لیے آزاد ہوں۔

کیونکہ نماز کا وقت ہو چکا ہے اس اجلاس کو اتوار کی صبح (۲۴ مارچ) تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

نواب اسماعیل خان ایم ایل اے صدر بہار مسلم لیگ نے قرارداد کی مزید تائید میں واضح کیا:



”اقلیتی صوبے اس قرارداد کی مکمل حمایت کا فیصلہ کر چکے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے بعد میں نتائج کیا ہونگے۔ ہم مسلمانوں کے حقوق کے حصول کے لیے جان و مال کی بازی لگا دیں گے۔ بالفرض ہماری یہ جدوجہد ناکام بھی ہوگئی تو ہم جانتے ہیں ہمیں کیا کرنا ہے؟“

قاضی محمد عیسیٰ صدر بلوچستان صوبائی مسلم لیگ نے تائید فرماتے ہوئے اعلان کیا کہ:



”اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے نہایت کشادہ دلی سے اس قرارداد کی مکمل حمایت کی ہے۔ آپ نے کہا کہ ہندوؤں کے ساتھ مسلم اکثریتی علاقوں میں وہی سلوک کیا جائے جو ہندو مسلمانوں سے اقلیتی صوبوں میں کریں گے۔ آپ نے اعلان کیا کہ کل سردار اورنگزیب خان نے کہا تھا کہ وہ درہ خیبر کی درباری کریں گے میں یہ اعلان کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم اس سے ایک چھوٹے دروازے یعنی درہ بولان کی درباری کریں گے۔“

صوبہ سرحد کی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سردار اورنگزیب نے کہا:



”صوبہ سرحد ہندوستان کا دروازہ ہے اور یہاں کے رہنے والے مسلمان اسلامیان ہند کی آزادی کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور ہم اس قوم کے لیے ایک علیحدہ وطن چاہتے ہیں اور اس قرارداد میں ہمارے وطن کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔“

سر عبداللہ ہارون نے قرارداد کی تائید میں مزید فرماتے ہوئے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے متعلق انتباہ کیا:



”اگر انہیں (مسلمانوں کو) پریشان کیا گیا تو سب مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ کچھ کریں کہ جو مغربی جرمنی نے پولینڈ کے ساتھ کیا تھا..... (نعرہ ہائے تکبیر.....)“



اسلام آباد کے عجائب گھر میں قرارداد پاکستان کے جلسے کی ایک منظر کشی

عبدالحمید خان ایم ایل اے قائد مسلم لیگ اسمبلی پارٹی مدراس نے فرمایا:

”مسلم لیگ تمام لوگوں کے لیے آزادی کی جدوجہد کر رہی ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی کو نے میں بھی غلام نہیں سوائے ہندوستان کے، جہاں ۱۵۰ سال سے ہندو اکثریت کے غلام چلے آ رہے ہیں۔ غلام رہنا مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔ یہ دین اسلام کے خلاف ہے۔

اسماعیل ابراہیم چندر نیر ایم ایل اے ڈپٹی لیڈر مسلم لیگ اسمبلی پارٹی بمبئی، نے قرارداد کی پرزور حمایت میں فرمایا کہ ہندو کانگریس کی وفاق سے متعلق مخالفت غلط فہمی نہیں حقیقت ہے۔ دراصل کانگریس ایک ایسا وفاق چاہتی ہے جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں پر حکومت کر سکے۔ قائد اعظمؒ نے آج ان کو ابجد کے آخری حروف بھی پڑھا دیے ہیں، جبکہ ”اب ت“ مولانا محمد علی جوہر پڑھا چکے تھے۔ آپ نے مزید کہا: ”قائد اعظمؒ کے دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں امن کا پیغام دے دو، اور خداوند کریم سے کامیابی کی دعا کرو!“ ہم یہ کیسے بھول سکتے ہیں جب راجکوٹ تحقیقاتی کمیٹی بنائی جا رہی تھی تو گاندھی نے اس کمیٹی میں اس شرط کیساتھ دو مسلمان ارکان کو شامل کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا کہ یہ ارکان بھی پرچارپشید کے ارکان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ یہ وہ بھیانک مثال ہے جو کانگریس نے مسلمانوں کی آزادی کے سلسلے میں اختیار کی ہے۔ اس سے مسلمان کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔“

مولانا عبدالحمید قادری (یو پی) نے فرمایا:

”بابائے قوم نے جو منشور آزادی منظوری کے لیے اجلاس میں پیش فرمایا ہے پوری ملت اسلامیہ بار بار اس کی منظوری کا اعلان کرتی ہے۔“

پوری قرارداد میں پاکستان کا نام کہیں موجود نہیں تھا۔ البتہ بیگم محمد علی کی پہلی تقریر تھی جس میں پاکستان کا ضمناً ذکر آیا تھا۔ آپ ہی نے پہلی بار اسے قرارداد پاکستان کا مسطور کن نام دیا تھا۔

سید عبدالرؤف شاہ نے جوسی پی مسلم لیگ کے صدر تھے، قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

”وہ اس صوبے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں ہندوؤں کی زبردست اکثریت ہے اور جو کانگریس کا گڑھ شمار ہوتا ہے۔ اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں کو ہمارے حال سے گھبرانا نہیں چاہیے اور وہ اپنی آزادی کی جدوجہد تیز سے تیز کر دیں اور اس قرارداد پر عمل کرتے ہوئے اپنے لیے علیحدہ وطن حاصل کر لیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیے۔“

سید ذاکر علی (یو پی) نے فرمایا:

”ہندو کانگریس پر جو دیوانگی اور پاگل پن سوار تھا اس کا مظاہرہ صوبائی وزارتوں کے دوران کیا گیا۔ آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مشکل حالات میں کامل صبر و ضبط کا مظاہرہ کریں۔ اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھیں۔“

ڈاکٹر محمد عالم نے جو حال ہی میں کانگریس سے استعفیٰ دے کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے کہا:

”کانگریس آزادی نہیں چاہتی بلکہ ہندوستان میں ہندو راج کی داعی ہے اور وہ اس مقصد کے حصول کے لیے برطانوی چھتری کے نیچے پناہ لیے ہوئے ہیں۔ آج مسلم رہنما کانگریس کو اس لیے چھوڑ رہے ہیں کہ وہ اس کے مکرو عزائم سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ وہ آزادی کے بہانے رام راج قائم کر کے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا چاہتی ہے۔“

بیگم صاحبہ مولانا محمد علی نے فرمایا:

”مسلمان خواتین کو سیاسی ماحول میں کام کرنے کے پورے مواقع فراہم کرنے پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مرد عورتوں کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دے سکتے۔ بعد میں آپ نے مسلم خواتین کے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔“

مولانا عبدالحامد بدایونی نے فرمایا:

”اجلاس لاہور کی دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کا جذبہ ایثار و قربانی جنہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ ان کے صوبے مملکت پاکستان کا کبھی حصہ نہیں بنیں گے، پھر بھی وہ تحریک پاکستان میں پیش پیش تھے۔ دوسرے نواب بہادر یار جنگ کی یادگار تقریر جس میں حصول پاکستان کی جدوجہد کے لیے طوفانی پیغام تھا۔“

پوری قرارداد میں پاکستان کا نام کہیں موجود نہیں تھا۔ البتہ بیگم محمد علی کی پہلی تقریر تھی جس میں پاکستان کا ضمتاً ذکر آیا تھا۔ آپ ہی نے پہلی بار اسے قرارداد پاکستان کا مسحور کن نام دیا تھا۔

قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوگئی..... نعروں اور تہریک و تہنیت کے ساتھ! واقعی لوگوں کو اس قرارداد کے منظور ہونے پر بڑی خوشی تھی۔ اپنی سلطنت و حکومت جانے کے بعد یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو وہ مطمع نظر اور نصب العین ملا جو ان ہی کے لیے تھا اور جس کا حصول محض ان ہی کی سعی اور جدوجہد پر منحصر تھا۔

قرارداد کی منظوری کے بعد بابائے قوم نے مصور پاکستان حضرت علامہ محمد اقبالؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ اقبالؒ آج ہم میں موجود نہیں اگر وہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ہم نے ان کے تصور کو اپنی ملی جدوجہد کا مطمع نظر بنالیا ہے۔

اس اجلاس میں پہلی بار نواب بہادر یار جنگ بھی شریک ہوئے اور اہل لاہور نے پہلی بار ان کی فصاحت کا لوہا مانا۔ نواب بہادر یار جنگ، ریاستوں کی مسلم لیگ کانفرنس جو مسلم لیگ کے پنڈال میں ہوئی تھی، میں شرکت کے لیے آئے اور اس جگہ انہوں نے پہلی بار تقریر کی تھی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں ان کی تقریر ایک لازمی جزو بن گئی۔

قائد اعظمؒ نے اپنے اختتامی فقرہ میں کہا:

”آپ نے دنیا کے سامنے یہ مظاہرہ کر کے دکھا دیا ہے کہ مسلمان خدمات و سائنحات برداشت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ آپ نے دنیا کو یہ بھی دکھا دیا ہے کہ آپ لاکھوں کے مجمع میں اپنی ساری باضابطہ کارروائیاں انجام دے سکتے ہیں۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ اور قیمتی سند ہے جو کسی قوم کو دی جاسکتی ہے۔ لیگ کا سارا وقار پنجاب کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے میں مسلمانان پنجاب کو اپنے قلب کی



۱۹۴۰ء: قائد اعظمؒ، لیاقت علی خان اور شاہ نواز ممدوٹ کے ہمراہ قرارداد پاکستان کے جلسے کے موقع پر

گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں۔ یہ چیز مجھے آپ سب کی خدمت کرنے کی ہمت دلاتی ہے۔ اجلاس لاہور ہندوستان کی تاریخ میں ایک نشان راہ ہے۔ مسلمانوں نے اپنی منزل کی تشریح و تصریح کر دی ہے۔“

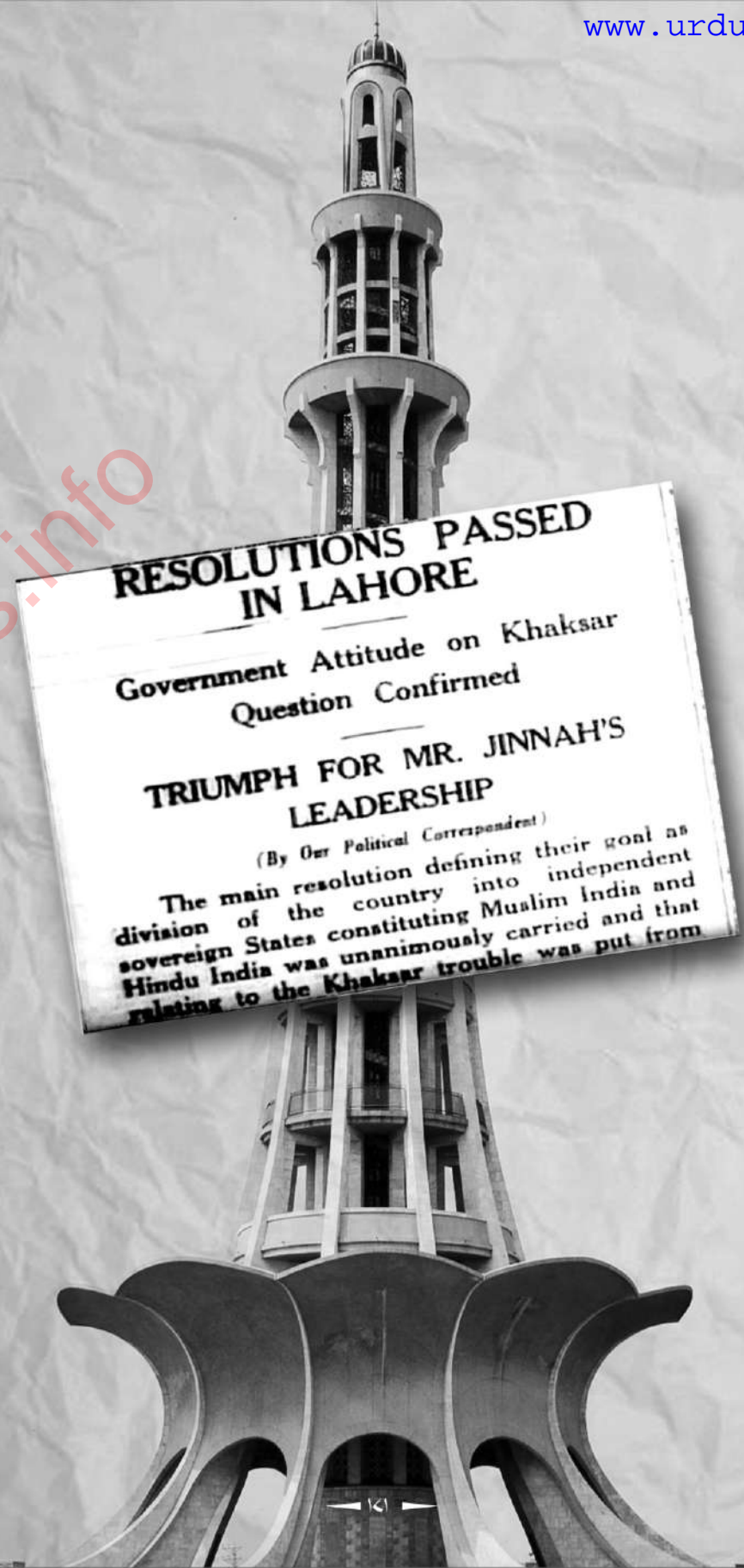
قائد اعظمؒ نے اجتماع کو یقین دلایا کہ وہ سب کے سب اس منزل کے حصول کے لیے جدوجہد کریں گے۔ انہوں نے یہ عظیم فیصلہ صدق نیت سے کیا ہے۔ قائد اعظمؒ نے مجلس استقبالیہ کے صدر نواب مدوٹ کا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے شب و روز کام کیا تھا اور جنہوں نے میزبانی کا پورا حق ادا کر دیا تھا۔ آخر میں قائد اعظمؒ نے مسلمانان پنجاب سے اپیل کی وہ پنجاب مسلم لیگ کی تنظیم کریں اور مسلم لیگ کے پیغام کو ایک ایک گاؤں اور ایک ایک گھر تک پہنچا دیں۔ آپ نے مسلم لیگ رہنماؤں سے کہا کہ وہ ہر صوبے میں مسلم لیگ کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں اور محلے محلے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ اس کی شاخیں قائم کریں۔

آپ نے کہا کہ مسلمان جتنے منظم ہوں گے اتنا ہی جلد وہ اپنے حقوق حاصل کر لیں گے۔ کارکنوں، کسانوں، دانشوروں، زمینداروں، اور اہل ثروت کو یک زبان ہو کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہیے۔ اس طرح رات ساڑھے ۱۱ بجے لاہور اجلاس قائد اعظمؒ زندہ باد مسلم لیگ زندہ باد کے فلک شکاف نعروں کی گونج میں اختتام پذیر ہوا۔

اس تاریخی اجلاس کے بعد قائد اعظمؒ تین دن لاہور میں رہے۔ انہوں نے ان تین دنوں میں لاہور کی مسلم طالبات اور طلبہ سے خطاب کیا۔ مس فاطمہ جناح نے خواتین کے اجلاس میں شرکت کی اور جناح صاحب ۲۶ مارچ کو اسمبلی کا اجلاس دیکھنے تشریف لائے۔ اسی دن مسٹر گابانے خاکساروں پر گولی چلانے کے خلاف ایک تحریک التوا پیش کی۔

اسی دن قائد اعظمؒ واپس تشریف لے گئے انہوں نے لاہور اسٹیشن پر اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

”متحدہ ہندوستان ایک خواب ہے جتنی جلدی ہم اس خواب سے بیدار ہو جائیں بہتر ہے۔ آج مسلمانان ہند نے اپنی منزل کے بارے میں اعلان کر دیا ہے اور مسلمانان ہند اس منزل کو حاصل کر کے ہی دم لیں گے اس لحاظ سے اس اجلاس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔“



عہد جاٹاری

ہندوستان کے مسلمانوں اور تحریک پاکستان کے لیے ۱۹۴۰ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ وہ فیصلہ کن دور ہے کہ جس میں قائد اعظم، مسلم لیگ اور مسلمانوں نے حقیقی معنوں میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے سر دھڑکی بازی لگا دی۔ ۱۹۴۰ء قرارداد پاکستان کے بعد اب مسلمان اور مسلم لیگ مکمل طور پر یکسو ہو کر قائد اعظم کی قیادت میں برصغیر کو تقسیم کر کے آزاد اسلامی ریاست کے حصول کیلئے پوری طرح متحرک ہو چکے تھے۔ گو کہ اب بھی مسلمانوں کی صفوں میں غدار موجود تھے، جیسے کہ دیوبند کے کانگریسی ملا اور صوبہ سرحد میں خان عبدالغفار خان جیسے ہندو نواز کمیونسٹ، کہ جو ہندوؤں کے ساتھ کھلی سازش کر کے مسلمانوں کو تقسیم کر رہے تھے۔ دوسری جانب ابوالکلام آزاد جیسے مسلمان کانگریس کی صفوں میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو قائد اعظم اور مسلم لیگ سے بدظن کرنے کیلئے اپنی شعلہ بیانی کو بھرپور استعمال کر رہے تھے۔ خاکسار اور احرار تحریک بھی مسلم لیگ کیلئے مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ گو کہ گاندھی اور نہرو کی قیادت میں ہندوؤں کو اب بھی یقین تھا کہ وہ تقسیم ہند کے کسی بھی مسلمان مطالبے کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے، مگر پھر بھی قرارداد لاہور کے بعد اب واضح طور پر ہندوؤں کی صفوں میں ایک پریشانی اور سراسیمگی دیکھی جاسکتی تھی۔ ہندوؤں کے لہجے اور عمل میں مسلمانوں کے خلاف رویہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کی آگ اس وقت پوری طرح بھڑک رہی تھی۔ ہندوستان سے لاکھوں کی تعداد میں انگریز اور مقامی ہندوستانی فوج نکل کر یورپ اور افریقہ کے محاذوں پر بھیجی جا چکی تھی۔ ہندوستان میں انگریز اور مقامی ہندوستانی فوج کی تعداد بہت ہی قلیل رہ گئی تھی۔ اگر ہندوستان میں کوئی ہندو مسلم فساد برپا ہوتا تو اس کو روکنے یا سنبھالنے کے لیے اب وائسرائے کے پاس ضرورت کے مطابق افواج بھی نہ تھیں۔ تاج برطانیہ کیلئے یہ ایک انتہائی نازک صورتحال تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں برطانوی فوج جنگ کی آگ میں جھونکی جا چکی تھی، تاج برطانیہ کے تمام معاشی اور جنگی وسائل بری طرح سے خسارے میں جا رہے تھے، اپنی جنگی



ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اس وقت کے برطانوی وزیراعظم چرچل نے پورے ہندوستان میں خوراک کے ذخیروں پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا کہ جس کے نتیجے میں لاکھوں افراد بھوک سے ہلاک ہو گئے۔ ۱۹۴۳ء کے ہولناک قحط میں اندازاً پچاس لاکھ کے قریب افراد بھوک اور بیماریوں سے ہلاک ہوئے۔ سفاک اور بے رحم برطانوی حکومت اب کھلم کھلا قتل عام پر تڑپا رہی تھی۔

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی قیادت ہی پوری قوت سے انگریزوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہ رہی تھی۔ ان دو سیاسی جماعتوں کے علاوہ ہندوستان میں سبھاش چندر بوس کی ایک انقلابی تحریک بھی جنم لے چکی تھی۔



سبھاش چندر بوس

سبھاش چندر ایک بنگالی قوم پرست ہندو تھا، کہ جس کا مقصد ایک مسلح بغاوت کے ذریعے ہندوستان سے انگریزوں کو باہر نکالنا تھا۔ وہ بنگال سے تعلق رکھنے والا آئی سی ایس (انڈین سول سروس) کا ایک افسر تھا۔ دودھ کا گئرس کا صدر بھی منتخب ہوا لیکن گاندھی اور نہرو سے نظریاتی اختلافات کی بناء پر کانگریس سے صدارت سے مستعفی ہو گیا۔

۱۹۲۷ء میں رہائی کے بعد سبھاش چندر بوس کانگریس کا سیکرٹری جنرل بن گیا اور اسے نہرو کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ کلکتہ کا میئر بنا، چند سالوں بعد اس نے یورپ کا

دورہ کیا، جہاں اسے مسوینی سمیت متعدد یورپی سیاستدانوں اور بھارتی طلبہ سے ملنے کا موقع ملا۔ وہاں سبھاش نے کمیونزم اور فاشزم کا عملی روپ بھی دیکھا۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب اس نے مکمل آزادی کیلئے برطانوی حکومت کے خلاف طاقت کے استعمال کا فیصلہ کیا۔ جس کا واضح مطلب تھا: گاندھی سے اختلاف، جو خود بھی سبھاش کی صدارت کے خلاف تھے۔ یوں کانگریس تقسیم ہو گئی، اگرچہ سبھاش کانگریس کو متحد رکھنا چاہتا تھا، مگر گاندھی نے اس سے کہا کہ وہ اپنی الگ کابینہ بنا لے۔ نہرو اور سبھاش میں بھی اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں بیمار سبھاش کو کانگریس کے اجلاس میں اسٹریچر پر لایا گیا اور وہ گاندھی کے حمایت یافتہ امیدوار کے مقابلے میں کانگریس کا صدر منتخب ہو گیا، لیکن ورکنگ کمیٹی میں گاندھی کے حامی ارکان کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اسے صدارت سے مستعفی ہونا پڑا۔

دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد سبھاش چندر بوس نے برطانیہ کے خلاف بڑے پیمانے پر نافرمانی کی تحریک چلائی جس پر



"I hate Indians. They are a beastly people with a beastly religion. The famine was their own fault for breeding like rabbits."
(Churchill)



سجاش چندر بوس، ہٹلر سے ملتے ہوئے



۱۹۳۸ء: سجاش چندر بوس بطور کانگریس کے صدر گاندھی کے ہمراہ

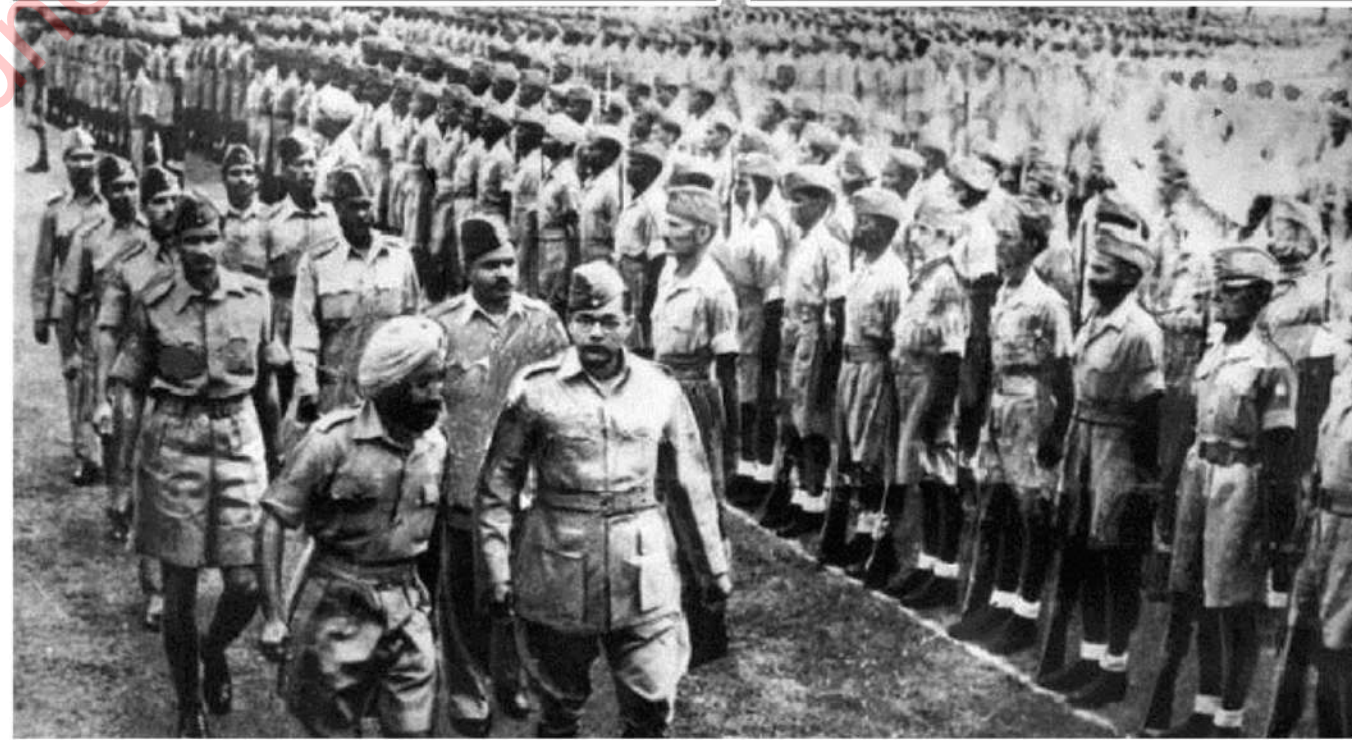


۱۹۴۳ء: سجاش چندر بوس ٹوکیو میں خطاب کرتے ہوئے



۱۹۴۳ء: سجاش چندر بوس جاپانی آبدوز کے حملے کے ہمراہ جرمنی سے جاپان جاتے ہوئے

اسے گرفتار کر لیا گیا، لیکن سجاش کی سات روزہ بھوک ہڑتال کے بعد برطانوی حکومت اسے رہا کرنے پر مجبور ہو گئی، تاہم اس کے گھر کی سخت نگرانی شروع کر دی گئی۔ سجاش اپنے گارڈز کو چمکہ دیکر بھارت سے افغانستان روانہ ہو گیا اور قبائلی باشندے کا حلیہ اختیار کر کے وہاں پہنچ گیا، اس خوف سے کہ بات کرنے سے کہیں اس کی حقیقت نہ ظاہر ہو جائے، اس نے اپنے آپکو گونگا ظاہر کیا۔ افغانستان کی سرحد عبور کرانے میں آغا خان سوم کے حامیوں نے اس کی مدد کی۔ افغانستان سے سجاش اطالوی پاسپورٹ پر ماسکو گیا، وہاں سے روم اور پھر جرمنی۔ اس کا مقصد برطانوی سامراج کے خلاف فوجی جدوجہد کیلئے غیر ملکی حمایت حاصل کرنا تھا۔ سجاش شاید ماسکو میں طویل قیام کرتا، مگر سوویت حکومت کے رویے سے مایوس ہو کر وہ فوری طور پر جرمنی روانہ ہو گیا، جہاں اسکی بڑی پذیرائی ہوئی۔ اس نے ہندوستانی جنگی قیدیوں پر مشتمل ساڑھے چار ہزار فوجیوں کی ”آزاد ہند فوج“ تشکیل دی، جس کے ارکان نے ہٹلر اور بوس سے وفاداری کا حلف اٹھایا۔ لیکن سجاش کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ جرمنی کوئی عملی مدد نہیں کرے گا اور وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ اسکے سپاہیوں نے جو حلف اٹھایا ہے، اس کے نتیجے میں وہ ہندوستان سے زیادہ ہٹلر کے وفادار ہو گئے ہیں۔ سجاش چندر بوس چاہتا تھا کہ آزاد ہند فوج میں جرمنی سے بھرتی کیے گئے سپاہی برطانوی فوج پر حملے کے لیے سوویت یونین کے راستے ہندوستان بھجوائے جائیں، لیکن سوویت یونین پر جرمنی کے حملے کے بعد اس کا امکان بھی ختم ہو گیا تھا۔ اب سجاش کو یقین ہو گیا تھا کہ ہٹلر ہندوستان کی جلاوطن حکومت اور آزاد ہند فوج کو صرف پراپیگنڈے کے لیے استعمال کر رہا ہے اور عملی طور پر کچھ کرنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ فروری ۱۹۴۳ء میں وہ خفیہ طور پر جاپان جانے والی آبدوز میں سوار ہو گیا اور اس طرح جرمنی میں سجاش کی بھرتی کردہ فوج بے یار و مددگار رہ گئی۔



سجاش چندر بوس اپنی آزاد ہند فوج کا معائنہ کرتے ہوئے

جوان مسلمان تھے، کہ جو یقیناً ہندوستان میں چلنے والی تحریک پاکستان سے بے خبر نہ تھے۔ آئندہ آنے والے دنوں میں انڈین نیشنل آرمی اور اس کا مسلح بغاوت کا نظریہ ہندوستان میں موجود مقامی ہندوستانی فوج میں کافی اثر و رسوخ پیدا کر چکا تھا۔ اسکے نتیجے میں برطانوی فوج کے ہندوستانی یونٹوں میں بار بار مسلح بغاوتیں بھی پھوٹ پڑتیں۔

۱۹۴۰ء کی دہائی کے آغاز سے ہی مسلم لیگ قیام پاکستان کیلئے فیصلہ کن جدوجہد میں مصروف ہو چکی تھی۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف سیاسی اور نظریاتی جدوجہد ہی کیا کم تھی کہ مسلمانوں کو اپنی صفوں کے اندر احمقوں اور غداروں سے بھی نمٹنا پڑ رہا تھا۔ جولائی ۱۹۴۳ء میں، خاکسار تحریک کے ایک رکن رفیق صابر نے، بمبئی میں قائد اعظمؒ کے گھر جا کر ان پر خنجر سے قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اللہ کے فضل اور کرم سے معجزانہ طور پر قائد کو چہرے اور ہاتھ پر معمولی زخم آئے اور حملہ آور کو گرفتار کر لیا گیا۔ اگر اس روز یہ احمق شخص رفیق صابر



نواب بہادر یار جنگ کی ایک یادگار تصویر

اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہو جاتا تو آنے والی صدیوں تک مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہو جاتا۔ قائد اعظمؒ کے علاوہ مسلمانوں کے پاس اس دور میں کوئی اور ایسا رہنما نہیں تھا کہ جو بیک وقت اپنی صفوں کے غداروں، ہندوؤں اور انگریزوں سے ٹکر لے سکتا۔

دشمنوں کی جانب سے مسلم لیگ کی قیادت کو قتل کرنے کی سازشیں مسلسل جاری تھیں۔ اگلے ہی سال جون ۱۹۴۴ء میں قائد اعظمؒ کے انتہائی قریبی ساتھی اور راز دار دوست نواب بہادر یار جنگ کو حقے میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ نواب بہادر یار جنگ پوری تحریک پاکستان کے نقیب تھے۔ آپ کی شعلہ بیان تقریریں پوری ملت اسلامیہ میں آزادی اور انقلاب کی آگ بھڑکار رہی تھیں۔ ذاتی حیثیت

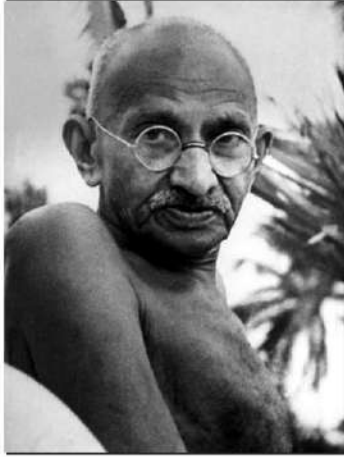
جاپان میں ستمبر ۱۹۴۲ء میں بھارتی تارک رہنما الیش بہاری بوس بھارتی جنگی قیدیوں پر مشتمل انڈین نیشنل آرمی بنا چکا تھا، جو اختلافات کی وجہ سے چند ماہ بعد ہی ختم ہو گئی تھی۔ سہاش نے جاپان پہنچنے کے بعد اسکی تنظیم نو کی اور بھارتی تارکین وطن میں زبردست مہم چلا کر اس کے ارکان کی تعداد ۸۵ ہزار تک پہنچا دی۔ جس میں خواتین کا ایک علیحدہ یونٹ بھی شامل تھا۔ ”انڈین نیشنل آرمی“ آزاد ہند کی جلاوطن عبوری حکومت کے ماتحت تھی، جسے جرمنی، جاپان، اٹلی اور کروشیا نے تسلیم کر لیا تھا۔ عبوری حکومت نے اپنی کرنسی، ڈاک ٹکٹ اور ضابطہ دیوانی بھی جاری کر دیا۔ ۱۹۴۲ء میں جاپان نے انڈیمان اور نکوبار پر قبضہ کر لیا اور ایک سال بعد وہاں آزاد ہند کی عبوری حکومت قائم کر کے ان جزائر کا نام ”شہید“ اور ”سوراج“ رکھ دیا گیا۔

سہاش چندر بوس کی جدوجہد آزادی اور زندگی کا اختتام بڑے پراسرار انداز میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۸ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان جا رہا تھا کہ تائیوان میں اس کا طیارہ حادثے کا شکار ہو گیا، تاہم اس کا کوئی حتمی ثبوت نہیں مل سکا اور جنگ آزادی کے اتنے بڑے لیڈر کا لاپتہ ہو جانا آج تک ایک معمہ بنا ہوا ہے۔

قائد اعظمؒ محمد علی جناح کے سہاش چندر بوس سے گہرے تعلقات تھے، اور گوکہ تاریخ اس حوالے سے خاموش ہے، مگر یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ قائد اعظمؒ سہاش چندر بوس کی اس مسلح بغاوت کو تحریک آزادیء ہند کا ایک اثاثہ سمجھتے تھے کہ جس کے ذریعے تاج برطانیہ پر دباؤ بڑھایا جاسکتا تھا۔ یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ سہاش چندر بوس کی انڈین نیشنل آرمی میں بہت بڑی تعداد میں افسر اور



قائد اعظمؒ سہاش چندر بوس کے ساتھ



(In an exchange with jinnah in New Dehli on 28th September
1944, Gandhi lost his temper)

“Pakistan means war to the knife”

(Jinnah, Pakistan & Islamic Identity: The Search for Saladin
by Akbar S Ahmed.)

گاندھی کہ جو پوری دنیا میں امن اور محبت کا مصنوعی پرچار کرتے کرتے مر گیا، وہ بھی قائد اعظم اور مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان سے اس قدر بچر چکا تھا کہ اس نے ۲۸ ستمبر ۱۹۴۴ء کو براہ راست یہ بیان دیا: ”پاکستان کا مطلب ہے: خنجروں سے خونی جنگ“۔ قائد اعظم نے گاندھی کے اس نفرت انگیز اور اشتعالی بیان کے جواب میں فوری طور پر فرمایا: ”ذرا یہ دیکھیں کہ عدم تشدد کا یہ پیامبر آج ہمیں دھمکی دے رہا ہے کہ ہمارے درمیان معاملات خنجر سے طے ہو گئے“۔ اسی طرح ایک موقع پر وائسرائے کے سامنے مطالبہ پاکستان کے معاملے پر گاندھی نے میز پر مکا مار تے ہوئے بھڑک کر کہا: ”ہم عدم تشدد پر یقین رکھنے کے باوجود، (مطالبہ پاکستان پر) مسلمانوں کو خون میں نہلا دیں گے۔“

یہ تھا اصل ناپاک اور ہندو انتہاء پسند چہرہ کہ جسے وہ امن و آشتی کی چادر میں چھپائے رکھتا تھا۔ قائد اعظم اور مسلمان اب اس حقیقت کو بہت اچھی طرح جان چکے تھے کہ آنے والے دنوں میں اس بات کے بہت زیادہ امکانات ہیں کہ مسلمانوں کو پاکستان کے حصول کیلئے صرف سیاسی ہی نہیں، خونی راستہ بھی دیکھنا پڑے گا۔

جوں جوں ہندوستان میں ہندو مسلم منافرت اور فسادات بڑھتے جا رہے تھے، تاج برطانیہ میں سرایسنگی اور خوف پھیلتا جا رہا تھا۔ ہندوستان میں ابھی بھی ہزاروں کی تعداد میں انگریز افسر اور ان کے خاندان کی عورتیں اور بچے مقیم تھے۔ ہندوستان میں انگریز اور ہندوستانی فوج انتہائی قلیل تعداد میں موجود تھی۔ اگر ہندو مسلم فسادات کی کوئی ایک چنگاری بھی آپے سے باہر ہوتی تو وہ پورے ہندوستان کو جلا کر راکھ کر سکتی تھی کہ جس میں ہزاروں کی تعداد میں خود انگریز اور ان کے اہل خانہ بھی جل جاتے۔ یہ بات اب تاج برطانیہ کو حتی طور پر نظر آرہی تھی کہ وہ ہندوستان پر مزید اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم بالآخر اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ نتیجے کے اعتبار سے تو برطانیہ فتح یاب ہوتا ہے، مگر حقیقی معنوں میں اس قدر بد حال اور معاشی اور عسکری طور پر اس

میں بھی قائد اعظم آپ کو ایک انتہائی رازدار دوست کی حیثیت سے قریب رکھتے تھے۔ نواب بہادر یار جنگ کی شہادت قائد اعظم، مسلم لیگ اور پوری تحریک پاکستان کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ یہ نواب بہادر یار جنگ ہی تھے کہ جنہوں نے ایک موقع پر یہ روح پرور اور روانوی خطاب فرمایا تھا:

“

"Muslims! Solutions found in zest copying others sometimes are temporary and therefore transitory. Today we don't need those who want to shine as a flower on the tree of our nation and taste sweet on the lips as a fruit. We need those who become fertilisers and get assimilated into the earth, making its roots stronger. The ones who become water and soil to produce the colourful flowers; annihilate themselves to make the fruits sweet. We don't need decoration for the halls to enchant the viewer, we want those stones of the foundation that, buried forever, accept the responsibility of the stability of the structure above.

Nawab Bahadur Yar Jang

”مسلمانو! جلد بازی میں کیے گئے فیصلے دیرپا نہیں ہوتے۔ آج ہم محض ایک ایسے پودے کی ہی چاہ میں نہیں ہیں کہ جو کل کو ایک گلاب کی طرح کھلے گا، اور نہ ہی ہم محض ایک لذیذ میوے کو حاصل کرنے کی خواہش میں ہیں۔ ہمیں دراصل ایک ایسی زرخیز کھاد کی ضرورت ہے کہ جو ہماری جڑوں کو مضبوط کر سکے۔ جو ہمارے قومی درخت کی مٹی اور پانی کے ساتھ ملکر اس کی شاخوں میں نئے پھول کھلا سکے۔ جو کہ خود تو فنا ہو جائے مگر اس درخت کے پھولوں کی خوشبو میں زندہ و جاوید رہے۔ اس وقت ہم صرف ایک ایسے منظر کی ہی جستجو میں نہیں کہ جو آنکھوں کو بھلا محسوس ہو، بلکہ ہمیں اپنی بنیاد میں ایسے مضبوط پتھروں کی ضرورت ہے کہ جو خود تو مٹی تلے دبے ہوں، مگر اپنے اوپر کھڑی عمارت کو استحکام فراہم کریں۔“

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے نتائج نے ہندوؤں اور خود انگریزوں کو حیران اور ششدر کر کے رکھ دیا۔ ۱۹۳۷ء میں جو مسلم لیگ ایک صوبے میں بھی حکومت نہ بنا سکی تھی، وہ ۱۹۴۶ء میں نناوے فیصد مسلم نشستوں پر کامیاب ہوئی۔ اب حتمی طور پر یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت صرف اور صرف مسلم لیگ ہے اور انگریزوں اور ہندوؤں کو اب مسلم لیگ اور قائد اعظم سے ہی مذاکرات کرنے ہونگے۔

انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی سے انگریز حکومت پر پہلے ہی بہت زیادہ دباؤ آچکا تھا کہ اب انہیں مسلم لیگ کے مطالبات کو بہت سنجیدگی سے لینا پڑ رہا تھا۔ حالات مزید اس وقت حکومت کے لیے خراب ہو گئے جب انتخابات کے اگلے ہی مہینے ہندوستانی فوج میں بھی مسلح بغاوت پھوٹ پڑی۔ ہندوستانی نیوی سے شروع ہونیوالی یہ بغاوت جلد ہی ہندوستانی ایئر فورس اور پولیس میں بھی پھیل گئی۔ اب حالات مکمل طور پر انگریز حکومت کے ہاتھ سے نکلنے نظر آرہے تھے۔ اس مسلح بغاوت کو تو بہت مشکل سے انگریز فوج نے دوسری ہندوستانی یونٹوں کی مدد سے قابو کر لیا، اور باغیوں کو بڑی تعداد میں پھانسیاں دی گئیں، مگر وہ یہ دیکھ چکے تھے کہ اب بغاوت صرف عوام اور سیاسی جماعتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ پولیس اور مسلح افواج بھی کسی بھی لمحے، انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت کر کے حکومت کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔



قدرتباہ و برباد ہو چکا ہوتا ہے کہ اب ہندوستان جیسے برصغیر پر مزید قبضہ رکھنا اس کے لیے مکمل طور پر ناممکن ہو جاتا ہے۔ جنگ عظیم کے فوراً بعد ہی تاج برطانیہ یہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ ہندوستان سے انخلاء جلد یا بدیر انہیں کرنا ہی پڑے گا، مگر کب؟ اس کا اندازہ خود لندن میں انگریز حکومت کو بھی نہ تھا۔



۱۹۴۶ء : رائل انڈین نیوی میں ہونیوالی بغاوت

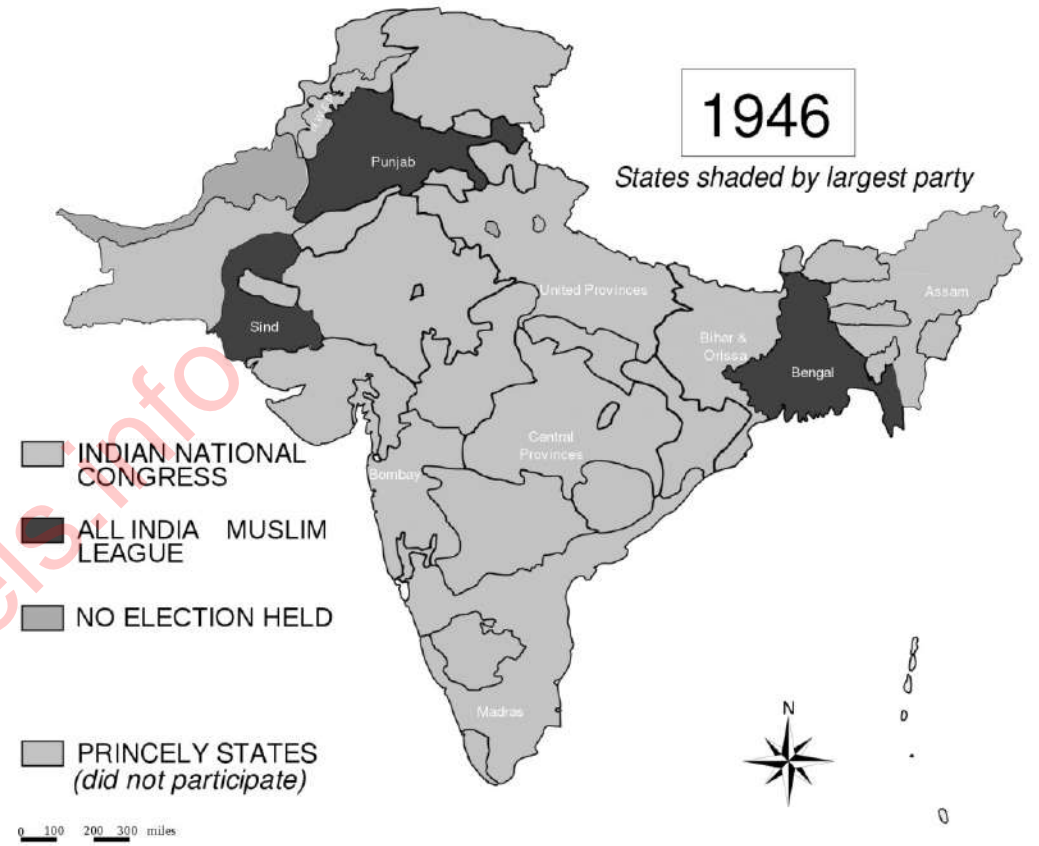
۱۹۴۶ء کے آغاز میں پورے ہندوستان میں ایک مرتبہ پھر صوبائی انتخابات کرائے جاتے ہیں۔ ان انتخابات میں سب سے بڑا معرکہ اس بات پر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کون سی سیاسی جماعت کرے گی، کانگریس یا مسلم لیگ۔ قائد اعظم اور مسلمانوں کیلئے یہ زندگی اور موت کا معرکہ تھا۔ مسلم لیگ نے پورے ہندوستان میں اپنے تمام وسائل کو انتخابی مہم میں جھونک دیا۔ ایسے نازک موقع پر کہ جب دارالعلوم دیوبند مسلسل مسلمانوں سے غداری کر کے ہندو مشرکوں کا ساتھ دے رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے قائد اعظم کی حمایت میں امیر ملت پیر جماعت علی شاہ کو لا کھڑا کیا۔ نوے برس کی عمر میں پیر جماعت علی شاہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے انتہائی قابل احترام بزرگ ہستی تھے۔ جہاں کانگریسی مولویوں اور دیوبندیوں نے پاکستان کو ”کافرستان“ اور قائد اعظم کو ”کافر اعظم“ ہونے کے فتوے جاری کیے، وہیں ان کے مقابلے پر پیر جماعت علی شاہ صاحب نے ”مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ“ کا نعرہ لگایا۔ آپ نے یہ فتویٰ بھی جاری کیا کہ جو شخص مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء قائد اعظم کے سپاہی بن کر پورے ہندوستان میں پھیل گئے، اور گلی گلی جا کر مسلمانوں کو قائد اعظم اور پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا۔



۱۹۴۶ء: قائد اعظم، کابینہ مشن کے اراکین کے ہمراہ

تاج برطانیہ کیلئے ہندوستان "Jewel in Crown" یعنی تاج برطانیہ میں جڑا ہوا سب سے قیمتی ہیرا تھا۔ یہ تصور ہی کہ تاج برطانیہ کو ہندوستان کو آزادی دینی پڑے گی، انگریز حکمرانوں کیلئے عذاب بنا ہوا تھا۔ وہ ہر قیمت پر مکاری، فریب اور سیاست کے ذریعے کسی نہ کسی طور پر ہندوستان پر اپنا قبضہ برقرار رکھنا چاہتے تھے، چاہے اس کیلئے انہیں محدود طور پر ہندوستان کو آزادی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان رہے تو تاج برطانیہ کے ماتحت ہی، مگر داخلی طور پر ہندو اور مسلمان صوبے الگ کر کے انہیں داخلی خود مختاری دے دی جائے۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں انگریز حکومت نے اپنا خاص کابینہ مشن ہندوستان بھیجا کہ جس کا ہدف کانگریس اور مسلم لیگ سے مذاکرات کر کے اپنے اس منصوبے کے لیے راہ کو ہموار کرنا تھا۔

اس دور میں قائد اعظم ایک چوکھی جنگ لڑ رہے تھے۔ پورے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات اور ہندوؤں کی طرف سے شدید مزاحمت تھی۔ انگریز سرکار اپنی پوری ریاستی طاقت کے ساتھ مطالبہ پاکستان کو روکنا چاہ رہی تھی، خود قائد اعظم کی اپنی صحت تیزی سے گر رہی تھی اور وہ جانتے تھے ان کے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے اور چوتھی جانب مسلم لیگ میں اور ایسی کوئی قیادت ہی موجود نہیں تھی کہ جو قائد اعظم کے بعد اس خطرناک جنگ میں مسلمانوں کی کمان سنبھال سکتی۔ اگر قائد اعظم اپنی زندگی میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر پاتے تو پھر نہ صرف یہ کہ تمام تحریک پاکستان کی جدوجہد ضائع چلی جاتی بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کا مستقبل بھی جتنی طور پر تاریک ہو جاتا۔ قائد اعظم شدید دباؤ میں تھے اور اس کا اثر براہ راست ٹی بی کی بیماری کی شکل میں ظاہر ہوا کہ جس نے پوری شدت سے اب



1946ء کے انتخابات کا نتیجہ

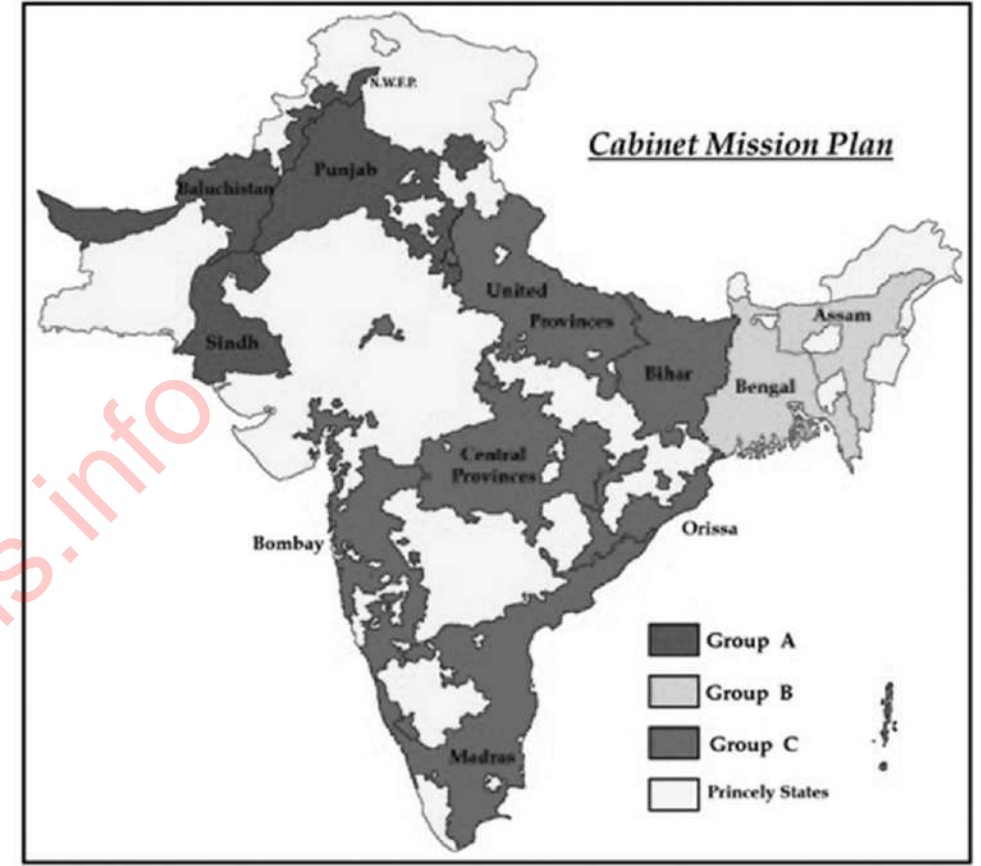
دیکر جماعتیں آزاد اراکین	کانگریس	مسلم لیگ	نشستیں
237	923	425	

بنگال، پنجاب اور سندھ کے صوبے مسلم لیگ نے بھاری اکثریت سے جیت لیے۔

صوبہ شامل ہو گئے، اور بنگال اور آسام پر مشتمل ایک علیحدہ گروپ ترتیب دیا جائے گا۔

۳۔ وسطی اور جنوبی ہندوستان میں موجود ہندو اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک اور گروپ بنایا جائے گا۔

۴۔ ایک مرکزی حکومت کے تحت کہ جو دہلی میں قائم ہوگی اس تمام ریاست کے معاملات مثلاً دفاع، معیشت اور خارجہ امور کو چلائے گی اور باقی ماندہ اختیارات مختلف یونٹس کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔



مسلم لیگ کے اندر گہری بحث و مباحثہ کے بعد قائد اعظمؒ نے مجبوراً کابینہ پلان کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ قدم انتہائی مجبوری کی صورت میں اٹھایا جا رہا تھا کہ جس میں مسلمانوں کو خدشہ تھا کہ اگر یہ بھی قبول نہ کیا تو شاید انہیں انگریزوں کے بعد ہندوؤں کی غلامی قبول کرنا پڑے۔ مگر اللہ کا کرنا کچھ یوں ہوا کہ جہاں مسلم لیگ اس منصوبے پر کراہت سے رضامند ہو گئی، وہیں ہندو کانگریس نے بڑی شدت کے ساتھ اس کو مسترد کر دیا۔ مسلمانوں کے لیے علیحدہ نیم خود مختار صوبوں کا بلاک بھی ہندوؤں کو ناقابل قبول تھا۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک غیبی تائید تھی کہ جہاں مسلم لیگ سے اجتہادی غلطی ہو رہی تھی، وہیں اللہ تعالیٰ نے کانگریس کے ذریعے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ براہ راست قدم اٹھا کر اب مکمل آزادی کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ چاہے اس کیلئے کوئی بھی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

اب مسلمانوں کے پاس کوئی سیاسی طریقہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ انگریز پاکستان دینا نہیں چاہتے تھے، ہندو کسی صورت میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں چاہتے تھے۔ اب قائد اعظمؒ دیکھ چکے تھے کہ اگر براہ راست قدم نہ اٹھایا گیا تو مسلمانوں کے ہاتھ نہ تو کوئی آزاد ریاست آئے گی اور نہ ہی کوئی نیم خود مختار۔ صرف مکمل غلامی اور رسوائی نظر آرہی تھی۔

اب وقت آچکا تھا کہ مسلمان خون بہا کر صدیوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کریں اور براہ راست ہندوؤں سے ٹکرا کر اپنی طاقت کا اظہار کریں۔ پوری مسلم لیگ میں ”عہد نامہ قربانی“ ”Pledge of Sacrifice“ جاری کر دیا گیا۔ اس ساری تحریک کی سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو قربانی اور شہادت پر آمادہ کرتے ہوئے خود قائد اعظمؒ نے سب سے پہلے اس عہد جانشاری پر دستخط کیے، اور آپ پوری طرح سے کمر بستہ تھے کہ اب سیاسی تحریک کو چھوڑ کر باقاعدہ مسلح بغاوت کے ذریعے پاکستان کو حاصل کیا جائے، اور پاکستان کی راہ میں اب کوئی بھی رکاوٹ برداشت نہیں کی جائے گی۔

قائد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ قائد اعظمؒ نے اپنی اس بیماری کو انتہائی خفیہ رکھا ہوا تھا۔ آئندہ آنے والے دور میں انگریز وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ جناحؒ کے پاس زندہ رہنے کے لیے زیادہ وقت نہیں ہے تو میں ہر صورت میں مطالبہ پاکستان کی منظوری کو موخر کر کے ہندوستان کی تقسیم روک دیتا۔ قائد اعظمؒ نے جس طرح اپنی بیماری کو راز رکھا، بعد میں ایک مورخ نے اسے ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا سب سے بڑا راز قرار دیا۔

حالات کی نزاکت کے پیش نظر قائد اعظمؒ مکمل خود مختاری پر بھی سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ وہ اس بات پر بھی تیار ہو گئے کہ شروع میں نیم خود مختار ریاست قبول کر لی جائے کہ جو آگے جا کر خود مختاری کا اعلان کر سکتی ہے۔ کابینہ مشن کے تحت انگریزوں نے جو تجاویز رکھیں وہ کچھ یوں تھی کہ:

۱۔ ایک متحدہ ہندوستان برطانوی ڈومنین کے تحت آزاد کر دیا جائے گا۔

۲۔ مسلم اکثریتی صوبوں کا ایک الگ گروپ ترتیب دیا جائے گا کہ جس میں سندھ، پنجاب، بلوچستان، شمال مغربی سرحدی

PLEDGE OF SACRIFICE

At The Convention Of National Legislators Held In Delhi
On April 9-10, 1946, They Took The Following Pledge :

In the name of Allah, the Beneficent the Merciful.

"Say: my prayer and my sacrifice and my living and my dying
are all for Allah, the Lord of the Worlds" (Al-Quran)

I M. A. Jinnah, a member of the Muslim
League Party of the Central Legislative
Assembly do hereby solemnly declare my firm conviction that the
safety and security, and the salvation and destiny of the Muslim
nation inhabiting the sub-continent of India lie only in the
achievement of Pakistan which is the one equitable, honourable
and just solution of the constitutional problem and which will
bring peace, freedom and prosperity to the various nationalities
and communities of this great sub-continent.

I most solemnly affirm that I shall willingly and unflinchingly
carry out all the directions and instructions which may be issued
by the All-India Muslim League in pursuance of any movement
launched by it for the attainment of the cherished national goal
of Pakistan, and, believing as I do in the rightness and the justice
of my cause, I pledge myself to undergo any danger, trial or
sacrifice which may be demanded of me.

"Our Lord! Bestow on us endurance, and keep our steps firm
and help us against the disbelieving people." Amen!

Signature

Dated 9 April 1946

TODAY LET EVERY MUSLIM ALSO TAKE THIS PLEDGE OF SACRIFICE IN
THE CAUSE OF NATIONAL FREEDOM

عہد جانشاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"کہو، میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت سب کچھ میرے اللہ کے واسطے ہے، اور وہی تمام جہانوں کا مالک ہے"
(القرآن)

میں ایم اے جناح رکن مسلم لیگ پارٹی کے جو مرکزی قانون ساز اسمبلی کا حصہ ہے، پورے ہوش و حواس
اور مضبوط یقین کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ برصغیر ہند میں مقیم مسلمان ملت کی حفاظت اور دفاع اور اس کی نجات اور
اس کی تقدیر صرف اس بات میں مضمر ہے کہ پاکستان کو حاصل کر لیا جائے، کہ جو برابری اور عزت اور انصاف پر مبنی، واحد حل ہے
اس آئینی مشکل کا (کہ جس کا آج ہم کو سامنا ہے)، اور جو آزادی اور خوشحالی کی ضمانت ہے ان تمام اقوام اور گروہوں کے لیے کہ
جو اس عظیم برصغیر میں بستے ہیں۔

میں پوری سنجیدگی اور ذمہ داری سے تصدیق کرتا ہوں کہ میں اپنی پوری رضا اور رغبت سے اور مکمل دیانت داری سے ان تمام ذمہ
داریوں اور ہدایات پر عمل کروں گا کہ جو آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے جاری کی جائیں، کہ جن کا مقصد اپنے محبوب قومی ہدف
پاکستان کو حاصل کرنے کیلئے کسی بھی تحریک کا احیاء کرنا ہو، اور میں اس بات پر پورا یقین اور ایمان رکھتا ہوں کہ ہم صراطِ مستقیم پر ہیں
اور ہمارا مقصد حق اور انصاف پر مبنی ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ ہر قسم کے خطرات کے سامنے ڈٹا رہوں گا، مقدمات کا سامنا کروں گا،
اور کوئی بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں کروں گا کہ جس کا مجھ سے مطالبہ کیا جائے گا۔

"اے رب ہم یہ صبر نازل فرما، اور ہمارے قدم مضبوطی سے جمادے اور کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔" آمین!

تاریخ 9 April 1946

دستخط ایم اے جناح

آج تمام مسلمانوں کو چاہیے قومی تحریک آزادی کے راستے میں اس عہد جانشاری کی قسم کھائیں۔

۱۰-۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء دہلی میں منعقدہ قومی قانون سازوں کے اجلاس کے موقع پر لیا گیا جانشاری کا عہد

اب براہ راست مسلح تصادم کا وقت آچکا تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں پورے ہندوستان میں شدید جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ تاریخ میں اس دن کو ”ڈائریکٹ ایکشن ڈے“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دن ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریزوں کے بنائے ہوئے تمام قوانین کو توڑتے ہوئے براہ راست ہتھیار اٹھالیے تھے اور ہندوؤں سے ان کا شدید تصادم ہوا تھا۔ دونوں جانب سے ہزاروں لوگ مارے گئے، یہاں تک کہ ہندوستان کے کئی شہروں میں فوج بلا کر کر فیو لگانا پڑا۔ ہزاروں مسلمانوں کی شہادت تو ہوئی مگر تاج برطانیہ اور ہندوؤں پر ایک دہشت طاری ہو گئی کہ اب مسلمان پاکستان حاصل کرنے کیلئے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ قائد اعظمؒ کے اسی جرأت مندانہ اور دلیرانہ فیصلے کے نتیجے میں تاج برطانیہ مجبور ہو گیا کہ ایک سال کے اندر اندر ہی ہندوستان کو تقسیم کر کے یہاں سے دفع ہو جائے۔

یہ رمضان المبارک کا مہینہ اور جمعہ کا دن تھا۔ مسلمانوں نے اس اتفاق کو اللہ کی طرف سے ایک واضح اشارہ خیال کیا ان کے خیال میں یہ وہی معرکہ حق و باطل دوبارہ دوہرایا جا رہا تھا کہ جو نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے مابین ہوا تھا۔ جبکہ دوسری طرف ہندو کے ناپاک ذہن اس معرکہ کو اکھنڈ بھارت کی کڑی سمجھ رہے تھے۔ فسادات کا یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔

قائد اعظمؒ کا یہ جذبہ شہادت اور جذبہ سرفروشی ہی تھا کہ جس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں عشق اور جنون کی وہ آگ لگا دی کہ اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی اپنے سے کئی گنا زیادہ بڑی ہندو طاقت سے وہ ٹکرائے۔ قائد اعظمؒ اسی لیے ”قائد اعظم“ ہیں، کہ میدان سیاست ہو یا میدان کارزار، میرکارواں ہمیشہ پوری ملت سے آگے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ لاکھوں اور کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے علامہ اقبال اور قائد اعظمؒ پر، سیدی رسول اللہ ﷺ کے سپاہیوں پر، کہ جن کی برکت سے آج امت رسول ﷺ میں یہ مدینہ ثانی قائم و دائم ہے۔



طلوع صبح آزادی.....!!!

ڈائریکٹ ایکشن ڈے قائد اعظم کا ایک انتہائی جارحانہ اور دلیرانہ اقدام تھا، جس نے نفسیاتی طور پر تاج برطانیہ اور ہندو انتہا پسندوں کو مکمل طور پر شکست سے دوچار کر دیا۔ آج تک مسلمان صرف سیاسی جدوجہد کے ذریعے اپنے حقوق طلب کر رہے تھے، کہ جس کے نتیجے میں انگریزوں اور ہندوؤں کو یہ غلط فہمی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی کہ مسلمانوں پر زور اور زبردستی کر کے انہیں مطالبہ پاکستان سے دور رکھا جاسکتا ہے۔ مگر ”ڈائریکٹ ایکشن ڈے“ میں مسلمانوں نے جس سرفروشی اور جارحانہ مطالبہ پاکستان کیلئے اپنی جانیں قربان کیں، ہندو اکثریت کے خلاف مزاحمت کی اور تاج برطانیہ کے خلاف بغاوت کی، تو اس سے انگریز سرکار کو اب یہ پیغام دیا جا چکا تھا کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے علاوہ مسلمان کوئی اور حل قبول نہیں کریں گے، چاہے اس کیلئے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو جان مال اور عزت کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ انگریزوں کو اندازہ تو اچھی طرح تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اور ہندوستانی فوج میں ہونیوالی بغاوتوں کی وجہ سے وہ اب ہندوستان پر اپنا مزید قبضہ برقرار نہیں رکھ سکیں گے، مگر پھر بھی ان کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ مسلمان اس قدر جارحانہ اقدام اٹھا کر ہندوستان کی تقسیم کو اس قدر جلد ممکن بنا سکیں گے۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کی مسلح بغاوت کے بعد انگریز حکومت نے حتمی فیصلہ کر لیا کہ اب فوری طور پر ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ دو بڑے علاقے ایسے تھے کہ جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تقریباً برابر آبادی رکھتے تھے۔ ان کی تقسیم انگریز حکومت کیلئے بہت بڑا مسئلہ بن گئی تھی۔ ہندوستان میں موجود درجنوں نیم آزاد ریاستوں کو تو اختیار دیا گیا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کر لیں، مگر بنگال اور پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس مقصد کیلئے انگلستان کے ایک وکیل ریڈ کلف کو ہندوستان بلایا گیا۔ مضحکہ خیز طور پر اس کو صرف آٹھ ہفتے دیئے گئے کہ وہ نقشے پر لکیریں لگا کر پنجاب اور بنگال کے صوبوں کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تقسیم کرے۔ ریڈ کلف اس سے قبل زندگی میں کبھی ہندوستان نہیں آیا تھا، نہ وہ علاقے سے واقف تھا، نہ مقامی آبادی سے اور نہ ہی ان کے درمیان موجود اختلافات سے۔





قائد، پیر صاحب مانگی شریف کے ہمراہ



قائد، پیر صاحب زکوڑی شریف کے ہمراہ

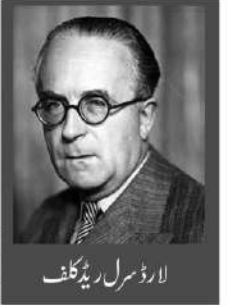
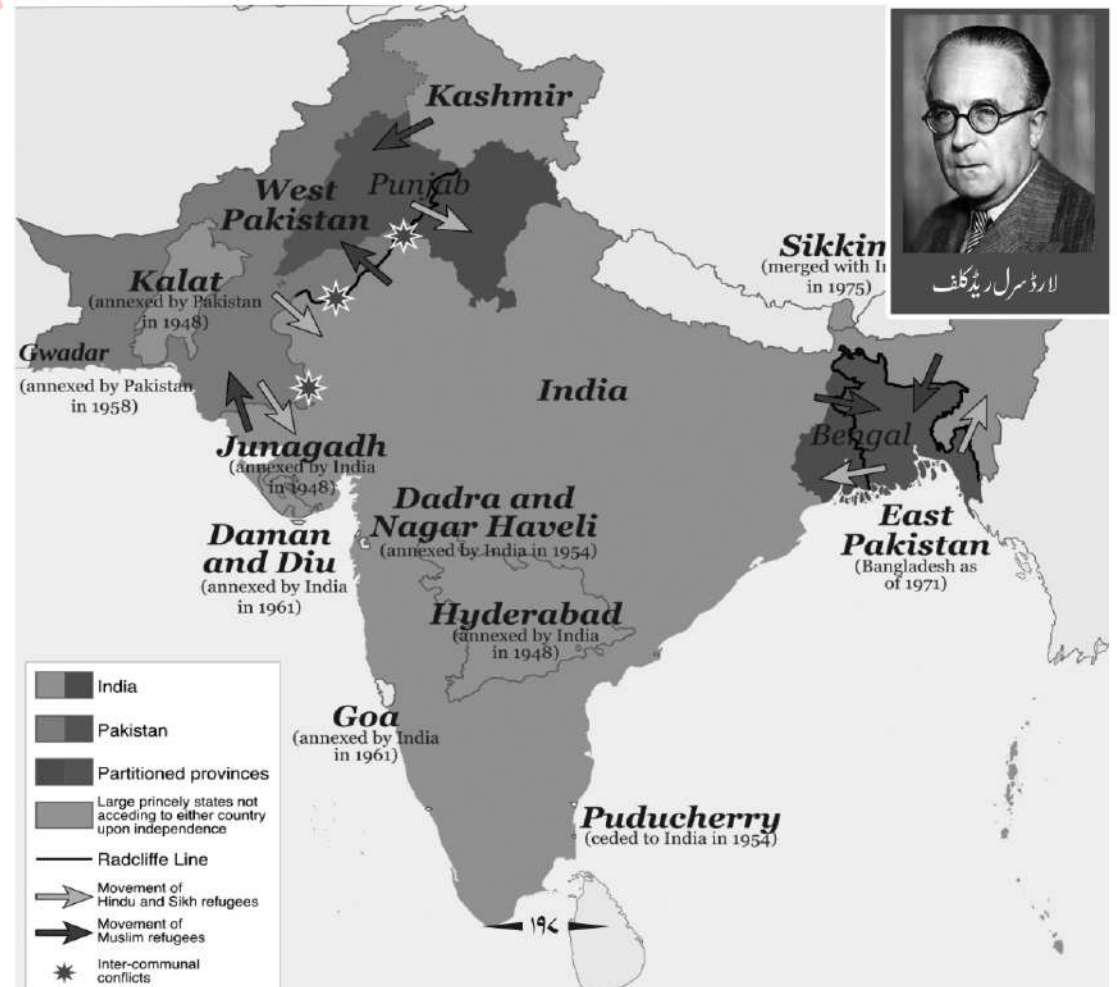


صرف یہ ایک تصویر ہی نہرو اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے درمیان تعلقات واضح کرتی ہے

انگریز حکومت وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی قیادت میں پہلے ہی مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھی تھی۔ نہرو کے ماؤنٹ بیٹن کی بیوی سے انتہائی گہرے تعلقات تھے، کہ جن کو استعمال کر کے وہ براہ راست ماؤنٹ بیٹن کے فیصلوں پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریڈ کلف نے تقسیم ہندوستان سے صرف چند روز پہلے پنجاب میں موجود گرداس پور کا قصبہ بھارت کے حوالے کر دیا، حالانکہ وہاں کی اکثریت آبادی مسلمان تھی۔ گرداس پور سے کشمیر کی جانب سڑک نکلتی تھی۔ جس ملک کے ہاتھ میں یہ قصبہ ہوتا وہ کشمیر پر بھی اپنا اثر قائم کر سکتا تھا، اسی لیے آخری دنوں میں سازش کر کے نقشے کو تبدیل کر دیا گیا اور ریڈ کلف کی اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے آج تک کشمیر میں مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔

دوسری جانب یہ تو فیصلہ ہو چکا تھا کہ مسلمان اکثریتی صوبے سندھ اور پنجاب کے مسلم علاقوں کو تو بہر حال پاکستان میں شامل ہونا ہے۔ گو کہ صوبہ سرحد بھی مسلم اکثریتی تھا مگر کانگریس اور خان عبدالغفار خان کی غداری کی وجہ سے انگریزوں نے یہاں ریفرنڈم کرانے کا فیصلہ کیا۔ ریفرنڈم میں صوبہ سرحد کے عوام نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔ بننے والے پاکستان کیلئے یہ زندگی اور موت کا سوال تھا کہ صوبہ سرحد ہر حال میں اس کے ساتھ شامل ہو۔ اس ریفرنڈم کیلئے مسلم لیگ نے پورے ہندوستان سے اپنے وسائل سرحد کے مسلمانوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کیلئے راضی کرنے پر جھونک دیئے۔ ہزاروں کی تعداد میں علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء پورے صوبہ سرحد میں پھیل گئے اور گاؤں گاؤں جا کر پشتوؤں میں یہ جملہ کہتے: ”شن صندوق کے واچو“ (اپنا ووٹ سبز ڈالے)۔ دوسری جانب صوفیاء کے تمام بڑے بڑے سلاسل بھی پاکستان کی حمایت میں میدان میں اتر آئے۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب کے حکم پر پیر آف مانگی شریف اور پیر زکوڑی شریف جیسی گدیاں کھل کر سرحد کے پشتوؤں کو پاکستان کی حمایت پر آمادہ کرنے کیلئے نکل آئیں۔ اسی طرح والی عسوات نے بھی کھل کر پاکستان کی حمایت کی اور مسلم لیگ کے ریفرنڈم فنڈ میں خطیر رقم بھی عطیے کے طور پر جمع کروائی۔ قائد اعظم نے ذاتی طور پر والی عسوات کو خط لکھ کر اس کا اقرار بھی کیا۔

دوسری جانب ہندو کانگریس، نیشنل عوامی پارٹی کے کمیونسٹ سرخ پوشوں کے سربراہ خان عبدالغفار خان کے ساتھ مل کر مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف ناپاک زہر یلا پراپیگنڈہ کرتے رہے۔ ایک موقع پر نہرو قبائلی پشتوؤں سے خطاب کرنے سرحد آیا۔ ایک غیرت مند قبائلی سردار نے آگے بڑھ کر نہرو کو تھپڑ رسید کرنے کی کوشش کی، اور جب انگریزوں کی طرف سے نہرو کو بچانے کی کوشش کی گئی تو قبائلی بھڑک کر نہرو پر حملہ آور ہو گئے۔ اس کی گاڑی پر پتھراؤ کیا گیا، یہاں تک کہ غصے میں پھرے قبائلیوں کو نہرو سے دور رکھنے کیلئے پولیس کل



لارڈ سمرل ریڈ کلف



نہرو خانگی دستے کی گمرانی میں وزیرستان سے فرار ہوتے ہوئے



پلیٹیکل ایجنٹ رابن بڈن، قبائلی سردار ملک مہر دل محسود کو نہرو پر حملہ آور ہونے سے روکتے ہوئے

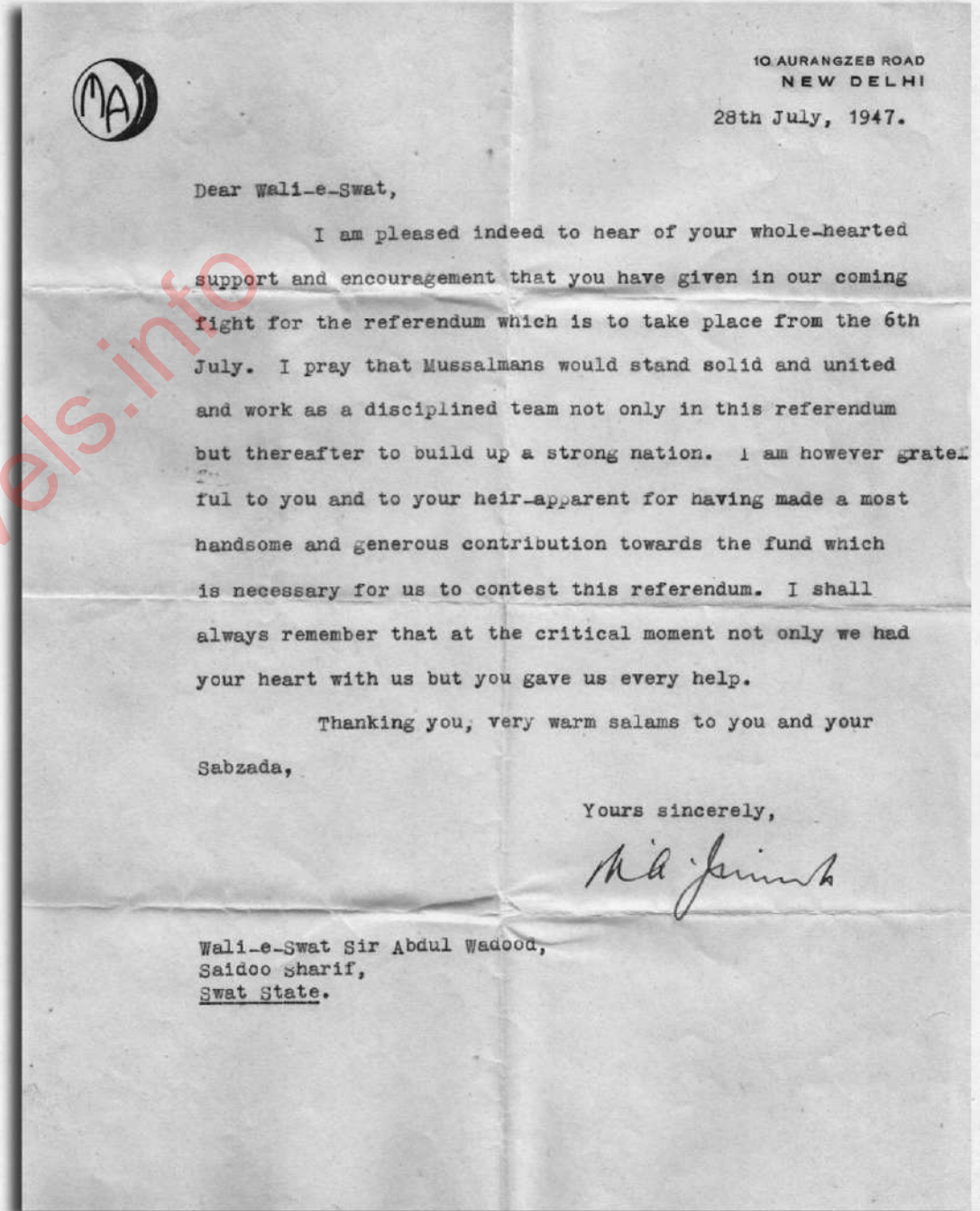


نہرو لانڈری کوئل میں پتھراؤ کے بعد اپنی گاڑی کا معائنہ کرتے ہوئے

ایجنٹ کو فائرنگ بھی کرنا پڑی۔ اس واقعے کے بعد نہرو کو کبھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ سرحد کے قبائل کے درمیان جاتا اور انہیں پاکستان کی مخالفت پر اکساتا۔

۳ جولائی ۱۹۴۷ء کو، پاکستان بننے سے تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے، صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا آغاز ہوا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب ریفرنڈم ہوا تو ۹۹.۹۹ فیصد پشتون مسلمانوں نے پاکستان کی حمایت میں ووٹ دیا اور اس طرح شمال مغربی سرحدی صوبہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

بلوچستان کے حوالے سے قائد اعظمؒ کے خان آف قلات سے طویل مذاکرات ہوئے، اور قائد اعظمؒ نے کئی ملاقاتوں اور خطوط میں خان آف قلات کو قائل کر لیا کہ وہ بھی پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دے۔ ایک موقع پر کہ جب خان آف قلات کے خاندان میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ پاکستان کے ساتھ شامل ہو جائے یا آزادی کا اعلان کر دیا جائے، تو خان آف قلات کو خواب میں حضور نبی



Dear Wali-e-Swat,

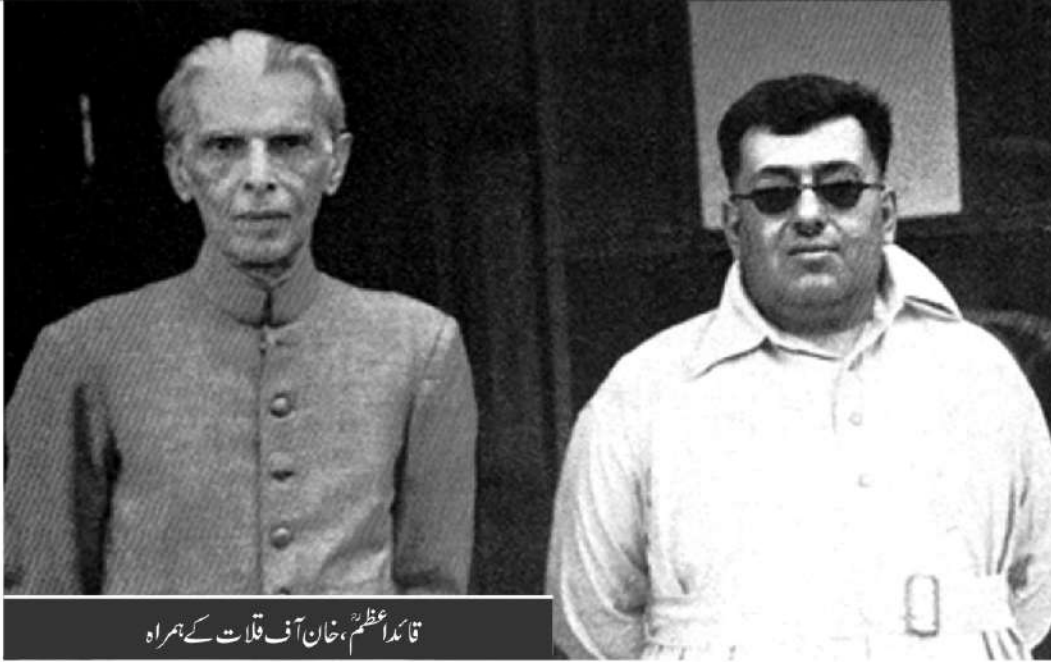
I am pleased indeed to hear of your whole-hearted support and encouragement that you have given in our coming fight for the referendum which is to take place from the 6th July. I pray that Mussalmans would stand solid and united and work as a disciplined team not only in this referendum but thereafter to build up a strong nation. I am however grateful to you and to your heir-apparent for having made a most handsome and generous contribution towards the fund which is necessary for us to contest this referendum. I shall always remember that at the critical moment not only we had your heart with us but you gave us every help.

Thanking you, very warm salams to you and your Sabzada,

Yours sincerely,

M. J. Jinnah

Wali-e-Swat Sir Abdul Wadood,
Saidoo Sharif,
Swat State.



قائد اعظم، خان آف قلات کے ہمراہ

کریم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی، اور سیدی رسول اللہ ﷺ نے خان آف قلات کو براہ راست حکم دیا کہ بغیر کسی تاخیر کے فوری طور پر بلوچستان کی ریاست کو پاکستان میں ضم کر دیا جائے۔ خان آف قلات کے پوتے پرنس عمر نے بعد میں قومی ٹیلی ویژن پر یہ پورا جذباتی واقعہ سنایا اور تصدیق کی کہ بلوچستان کی ریاست سیدی رسول اللہ ﷺ کے براہ راست حکم کی وجہ سے پاکستان میں شامل ہوئی۔

جولائی ۱۹۴۷ء تک پورے ہندوستان میں موجود ہر مسلمان ہندو اور سکھ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب ہر حال میں ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ جہاں مسلمانوں کیلئے یہ ایک ناقابل یقین کامیابی تھی، وہیں پر ہندوؤں اور سکھوں کیلئے شرمناک شکست۔ کانگریس، ان کے حلیف دیوبندی کانگریسی ملا، اور سکھ، انگریزوں کو ساتھ ملا کر بھی قیام پاکستان کو روکنے میں ناکام رہے تھے۔ قیام پاکستان کا تصور ہی کہ جو ان کی ”بھارت ماتا“ کو تقسیم کرتا ہو، ہندوؤں کیلئے ناقابل قبول تھا۔ دونوں جانب شدید نفرت اور غصہ ابل رہا تھا۔ ہندوستانی فوج کہ جو دوسری جنگ عظیم کے سلسلے میں پوری دنیا میں پھیلا دی گئی تھی، ابھی تک مکمل طور پر ہندوستان واپس نہیں آئی تھی۔ جن دستوں کو واپس بلایا گیا، ان کی اکثریت ہندو اور سکھ تھی اور مسلمان فوجوں کو ابھی تک ہندوستان سے باہر رکھا گیا تھا۔ انگریز حکومت کے دور میں مسلمانوں کو اسلحہ رکھنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ نوابوں اور جاگیرداروں کے علاوہ بہت کم مسلمان ایسے تھے کہ جنہیں انگریز سرکار کی طرف سے اسلحہ رکھنے کی اجازت تھی۔ دوسری جانب فوج اور پولیس میں اکثریت ہندوؤں کی تھی، اور اس کے علاوہ ہندو جاگیردار اور تاجر بھی کثیر تعداد میں اسلحہ رکھتے تھے۔ سکھ تو مذہبی طور پر ہی مسلح رہتے۔

چند ہی روز میں پورے ہندوستان میں خونریز ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کے گاؤں کے گاؤں مسلح ہندو اور سکھ جتھے گھیر لیتے کہ جن کو اسلحہ فوج اور پولیس کی جانب سے سپلائی کیا جاتا۔ دوسری جانب لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان جانے

GOVERNOR GENERAL'S HOUSE,
KARACHI.

2nd February 48.

My dear Khan Sahib,

I was glad to meet your Prime Minister, Nawabzada Mohammed Aslam, today when he came to talk over matters with me on your behalf. We have discussed the matter, and he will convey to you the result of our talk.

As your friend and well-wisher, I advise you to join Pakistan without further delay. I do hope that you will carefully consider the matter and let me have your ^{final} reply which you promised to do after your stay with me in Karachi when we have fully discussed the whole question in all its aspects.

Yours sincerely,

His Highness the Khan of Kalat.

His Highness the Khan of Kalat.



**600,000
Murders
in 7 Days**

The maimed, the dying, and the rapid shroud as religious fanatics rioted in the streets leaving behind them a trail of corpses—In one of the greatest massacres of all time!

by LEITH ANDERSON

[illegible]



پر آمادہ ہو رہے تھے۔ ہندوؤں نے مکمل طور پر یہ پلان بنا لیا تھا کہ مہاجروں کے قافلوں پر حملے کیے جائینگے۔ ایسی صورتحال میں ہندوستان کے مسلمان بہت ہی بے رحمی سے کاٹ ڈالے گئے۔ تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ مسلمانوں نے پاکستان کی جانب ہجرت کا آغاز کیا، مگر ان میں سے صرف آدھی سے بھی کم تعداد پاکستان پہنچ پائی۔ تقریباً ساٹھ لاکھ مسلمان ہجرت کے دوران یا ہندوستان میں ہونیوالے ہندو مسلم فسادات میں شہید کر دیئے گئے۔ تاریخ انسانی میں نہ تو کبھی انسانوں نے اتنی بڑی ہجرت کی ہے اور نہ ہی اتنے محدود عرصے میں کبھی اتنا بڑا قتل عام ہوا ہے۔ ڈھائی لاکھ کے قریب مسلمان بچیوں کو اغواء کر کے ہندوؤں اور سکھوں نے بے حرمت کیا، اور وہ کبھی پاکستان نہ پہنچ سکے۔ دہلی کے ریلوے اسٹیشن سے لاہور جانے کیلئے ایک کے بعد ایک مہاجروں سے بھری ہوئی ٹرین نکلتی، مگر مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں کاٹ دی جاتی اور لاہور ریلوے اسٹیشن پر صرف لاشیں اترتیں۔ کئی کئی ٹرینیں ایسی بھی پہنچیں کہ جن میں کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہ بچا تھا۔

ہندوؤں کی طرف سے یہ پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں بھی ہندوؤں کا اسی طرح قتل عام کیا گیا کہ جس طرح ہندوؤں اور سکھوں نے بھارت میں مسلمانوں کا کیا تھا۔ یہ صرف خرافات اور جھوٹ پر مبنی پراپیگنڈہ ہے۔ لاہور سے دہلی جانے والی ٹرین چند ہی منٹ میں بھارت کی سرحد میں داخل ہو کر محفوظ ہو جاتی تھی، اور تاریخ میں کوئی ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ہے کہ لاہور سے دہلی جانے والی کسی ٹرین کو پاکستان کی حدود کے اندر نشانہ بنایا گیا ہو۔ یہ ضرور ہوا کہ پاکستان میں جب مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں پہنچی تو چند جذباتی نوجوانوں نے انتقاماً ہندوؤں پر بھی حملہ کیا، مگر قائد اعظمؒ نے ان انتقامی کارروائیوں پر فوراً ہی قابو پا لیا تھا۔ ہندوستان میں ہونیوالے



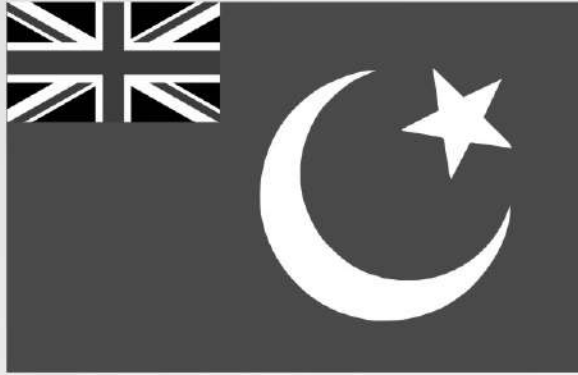
کراچی کی بندرگاہ پر موجود ہندو مہاجرین جو ممبئی کے لیے پرامن طریقے سے روانہ ہو رہے ہیں



مسلمانوں کے قتل عام کا کسی صورت بھی ان انتقامی کارروائیوں سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا کہ جو چند پھرے ہوئے پاکستانی نوجوانوں کی ہوں۔ پاکستان سے ہندوستان کی جانب ہجرت کر نیوالے ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے تمام مال و اسباب، زیورات اور دولت کے ساتھ ہجرت کی، جب کہ ہندوستان سے پاکستان آئیوالے تمام مسلمان قافلے لٹے پٹے آئے۔ ہندوستانی فوج میں صرف بلوچ رجمنٹ کے چند دستے اس وقت ہندوستان میں موجود تھے اور انہیں قائد اعظمؒ نے مسلمان قافلوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی۔ جس ٹرین یا قافلے کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کے مسلمان سپاہی ہوتے، وہ تو کسی حد تک بچ کر پاکستان پہنچ جاتا، مگر مہاجرین اتنے زیادہ تھے اور مسلمان فوجیوں کی تعداد اتنی قلیل کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ہر ٹرین اور ہر قافلے کی حفاظت کی جاسکتی۔ جب انگریز حکومت ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ مل کر خود ہی مسلمانوں کا قتل عام کروا رہی ہو تو ایسے میں وہی ہوا کہ جو ہونا تھا، یعنی بے بس اور غیر مسلح مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا بے دریغ قتل عام۔

خود قائد اعظمؒ بھی مسلمانوں کا یہ قتل عام دیکھ کر رو پڑے۔ آپ کی وہ تاریخ ساز تقریر آج بھی قوم کو حوصلہ دلاتی ہے کہ جو آپ نے اس مشکل گھڑی میں مسلمانوں کو حوصلہ دلانے کیلئے کی۔

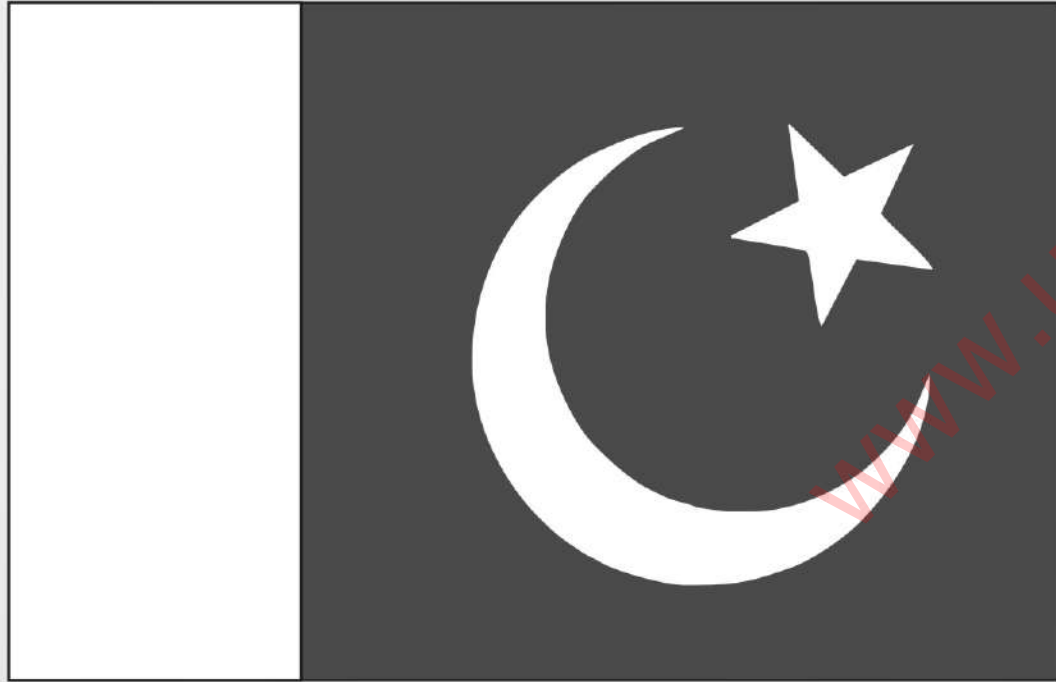
”ہمیں جو دکھ دیا گیا ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ مگر ہمیں پاکستان کو قائم رکھنے کیلئے ابھی اور قربانی دینا ہوگی۔ مسلمان مصیبت میں گھبرایا نہیں کرتا۔ (مجمع کی طرف سے جوش و خروش) ہمارے حوصلے بلند ہیں، (مجمع کی طرف سے نعرہ تکبیر کی صدائیں) اگر تمام ملت ہمت اور لگن کے ساتھ کام کرتی رہی تو ہماری یہ مصیبتیں ان شاء اللہ بہت ختم جلد ختم ہو جائیں گی۔“



پاکستان کے مجوزہ ریاستی پرچم میں سامراجی حکمرانوں کی ترمیم کی خواہش



لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا پاکستان کیلئے تیار کردہ پرچم



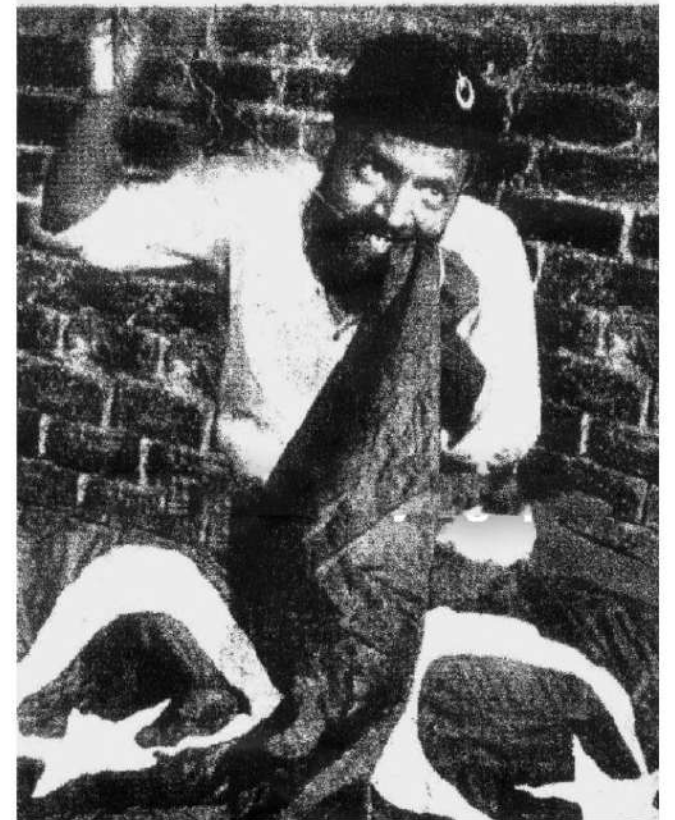
قائد اعظم اور دیگر قائدین کا آزاد و خود مختار پاکستان کیلئے منظور کردہ پرچم

جولائی ۱۹۴۷ء تک یہ حتمی فیصلہ ہو چکا تھا کہ اگست کے وسط میں ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ انگریز سرکار اب بھی اپنی سازشوں اور مکاریوں سے باز نہیں آئی تھی۔ قانونی طور پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کو دو ریاستوں میں تقسیم کیا جائے گا، بھارت اور پاکستان۔ مگر فی الحال یہ تاج برطانیہ کے ماتحت ریاست تصور ہوگی اور ان کا گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی ہوگا۔ ہندو کانگریس نے ماؤنٹ بیٹن کو بھارت کا گورنر جنرل بنانے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن یہ چاہتا تھا کہ وہ پاکستان کا بھی گورنر جنرل بنے، مگر قائد اعظم نے سختی سے انکار کر دیا۔ گوکہ کانگریس کی حد تک پاکستان ایک ڈومنین یعنی تاج برطانیہ کی ماتحت ریاست بننا تھا، مگر قائد اعظم اور مسلم لیگ کی پوری قیادت کا مکمل یہ ارادہ تھا کہ ہر معاملے میں پاکستان کو تاج برطانیہ سے خود مختار رکھا جائے گا۔

ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کے جھنڈے کے حوالے سے بھی کئی فتنے کھڑے کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان کے جھنڈے کی کئی ڈیزائن انگریز حکومت کی طرف سے قائد اعظم اور مسلم لیگ کو پیش کیے گئے کہ جن میں پاکستان کو تاج برطانیہ کی ایک ذیلی ریاست کے طور پر دکھایا گیا تھا۔ قائد اعظم نے سختی سے انگریزوں کے تجویز کردہ تمام جھنڈے مسترد کر دیے اور پاکستان کا سبز ہلالی پرچم، کہ جو مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم سے مشابہ تھا، تیار کرنے کا حکم دیا۔

قائد کی قائم کردہ پرچم کمیٹی نے مسلم لیگ کے اس پرچم میں ضروری اضافوں اور تبدیلیوں کے ساتھ ریاست کا پرچم تیار کیا۔ متعدد ڈیزائن اس سلسلہ میں زیر غور آئے۔ پہلے تجویز تھی کہ جتنے صوبے ہیں اتنے تارے پرچم پر رکھے جائیں۔ لیکن نئے صوبوں کی تشکیل اور صوبائی حدود کی مستقبل میں تبدیلی کے نتیجہ میں تاروں کی تعداد میں اضافہ اس صورت میں معیوب لگتا۔ اس لیے تمام صوبوں اور پوری ریاست کا ترجمان ایک تارہ رکھا گیا۔

قائد نے تحریک کے دنوں میں مسلم لیگ کے پرچم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا (جو بعد ازاں کچھ



قائد اعظم کے حکم پر ۱۹۴۷ء میں ماسٹر الطاف حسین پاکستان کا پہلا جھنڈا ہاتھ سے دہلی میں بنا رہے ہیں۔

ترمیم کے ساتھ پاکستان کا پرچم بنا اور ایک مشن کی علامتی شناخت بھی) کہ:

”یہ کوئی نیا جھنڈا نہیں، یہ کئی صدیوں پرانا ہے اور انہیں یہ پیغمبر اسلام نے دیا۔ مسلمانوں کے مابین بدانتظامی نے انہیں یہ پرچم بھلا دیا، لیکن مسلمانوں میں نئی بیداری یہ جھنڈا اٹھا کر لہرانے کا باعث بنی۔ انہوں نے اعلان فرمایا کہ دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو ان کے پرچم کو نیچا کر سکے۔“

اور پھر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعہ رمضان المبارک کی ۲۷ تاریخ کو شب قدر کی رات وہ مبارک لمحہ آپہنچتا ہے کہ جس کیلئے تقریباً پچھلی ایک صدی سے مسلمان جدوجہد کر رہے تھے، اور جس کے آنے سے قبل لاکھوں مسلمان اپنی جان مال و عزت کی قربانیاں دے کر شہادت کے رتبے پر فائز ہو چکے تھے۔ ۱۴ اگست کی رات ریڈیو پاکستان لاہور سے مصطفیٰ علی حمدانی کی آواز میں یہ اعلان نشر ہوتا ہے:



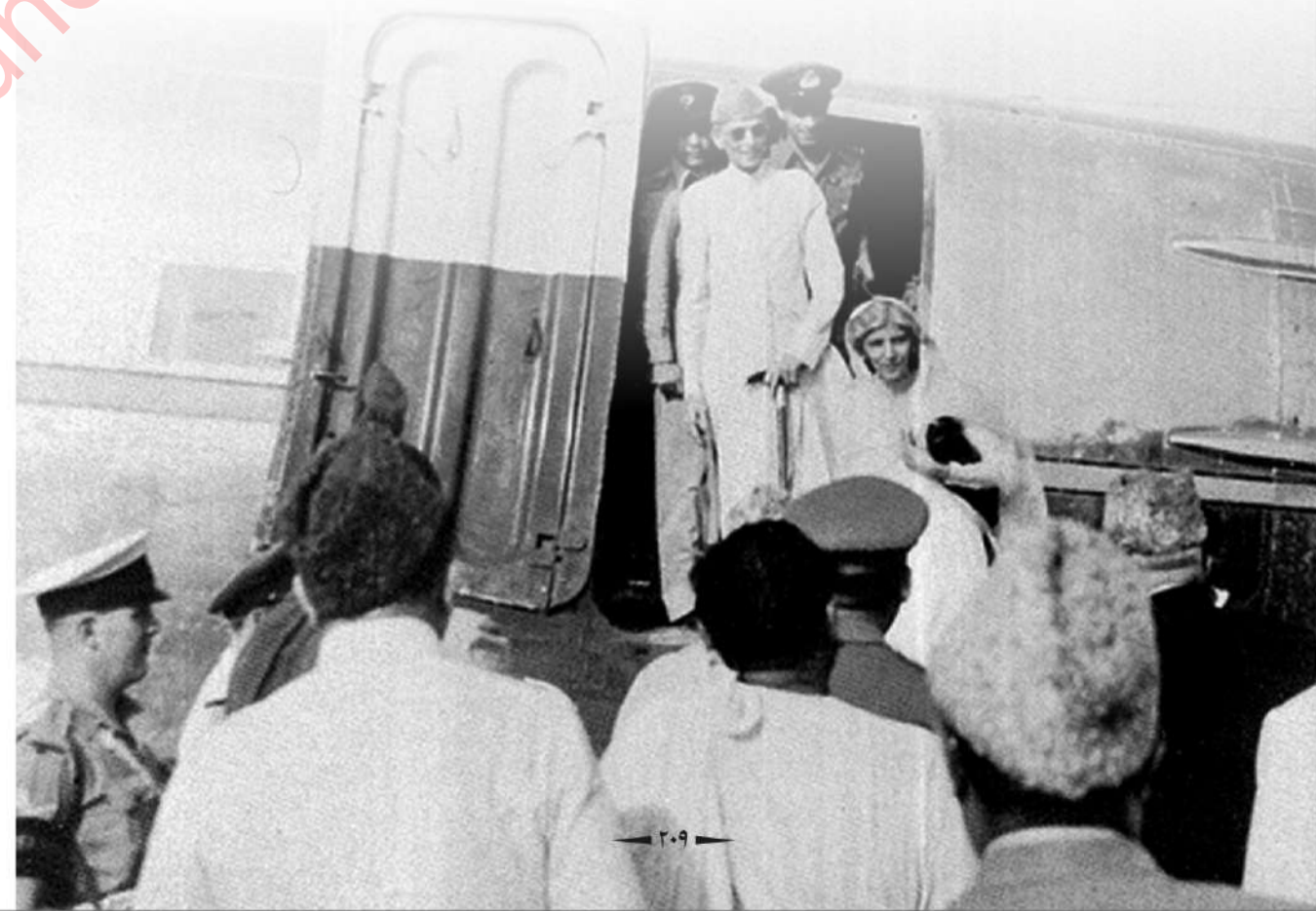
”اسلام و علیکم۔ پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس۔ ہم لاہور سے بول رہے ہیں۔

۱۳ اور ۱۴ اگست سن ۴۷ عیسوی کی درمیانی رات، بارہ بجے ہیں۔

طلوع صبح آزادی.....!!!“

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں قائد اعظم گورنر جنرل کی حیثیت سے آخر کار اپنے عہدے کا حلف اٹھا لیتے ہیں۔

بالآخر اگست ۱۹۴۷ء کو قائد بھٹی سے طیارے میں سوار ہو کر کراچی تشریف لائے۔ پاکستان کے قیام میں اب چند ہی روز رہ گئے تھے اور اس کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے آپ نے کراچی تشریف لا کر اپنے عہدے کا حلف لینا تھا۔ کراچی ہی اس نئی اسلامی ریاست کا پہلا دار الحکومت بھی قرار پایا۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں قانون ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوتا ہے کہ جس میں قائد تین دن بعد قائم ہونیوالی نئی اسلامی ریاست پاکستان کے نامزد گورنر جنرل کی حیثیت سے خطاب فرماتے ہیں۔







قائد اعظمؒ سے حلف لینے کے بعد ماؤنٹ بیٹن دہلی روانہ ہو گیا کہ جہاں اس نے خود بھارت کے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھانا تھا۔ اس طرح پاکستان کا یوم آزادی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء قرار پایا اور بھارت کا ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء۔ قائد اعظمؒ کی حلف برداری اور قیام پاکستان کی خبریں ۱۵ اگست کے اخباروں میں شائع ہوئیں۔



شاد باد منزل مراد

۱۴ اگست، ۲۷ رمضان المبارک کو، جمعہ کی رات، اللہ نے حضور ﷺ کی امت پر خاص الخاص کرم فرمایا اور مدینہ ثانی پاکستان، قائد اعظم کی قیادت میں، قیام پذیر ہوتا ہے۔ اس سے قبل تیرہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی، سوائے مدینہ منورہ کی پہلی ریاست کے، کہ اسلامی تہذیب میں کوئی اور ریاست نظریہ اسلام پر بالکل اسی طرح قائم کی جائے کہ جس طرح سیدی رسول اللہ ﷺ نے پہلی ریاست مدینہ قائم فرمائی تھی۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں نے دو قومی نظریے کی بنیاد پر اپنی آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ کیا۔ ہندوستان کے مشرک کدے سے ہجرت کر کے پاکستان کے مدینہ ثانی کی جانب ہجرت کی۔ لاکھوں مسلمان اپنے نظریے، عقیدے، طرز حیات اور تہذیب کی حفاظت میں قربان ہو گئے، اور لاکھوں لٹے اپنے نئے وطن پاکستان پہنچے۔ انسانی تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ رونما ہو چکا تھا۔ جدید دور کے انسان کی سیاسی تاریخ میں نہ تو کبھی ایسا منظر دیکھا گیا تھا، نہ ہی اس کی کسی کو امید تھی۔ پاکستان کا بن جانا بیسویں صدی کا سب سے بڑا سیاسی معجزہ تھا۔ دوسری جانب قیام پاکستان ہی امت مسلمہ کے دوبارہ احیاء کی پہلی واضح بشارت تھی۔ اس سے قبل تقریباً تین سو برس سے پوری مسلمان دنیا، کاشغر سے لیکر نیل کے ساحل تک، مسلسل شکست و ریخت کا شکار تھی، غلامی میں دھیلی جا چکی تھی، اور بالآخر عثمانی خلافت کے تباہ ہونے کے بعد مکمل طور پر بے یار و مددگار یتیم اور راہ گم کردہ تھی۔ ایسی گھٹا ٹوپ تاریک رات میں اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبالؒ کو وہ مشعل بردار رہبر بنا کر بھیجا کہ جنہوں نے پوری امت اور خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کو آنے والے دور کی سنہری تصویر دکھائی۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا



علامہ اقبالؒ نے جس قافلے کا آغاز کیا تھا، اب اس کی قیادت قائد اعظمؒ محمد علی جناح کے ہاتھ میں تھی۔ وہ مشن کہ جس کی تکمیل کی خاطر علامہ اقبالؒ نے سردھڑ کی بازی لگا دی تھی، اب وہ منزل مراد مسلمانوں کو مل چکی تھی۔ اک نئی اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی۔ تعمیر پاکستان ہو چکی تھی، اب تکمیل پاکستان باقی تھی۔ بغیر کسی شک و شبہ کے، قائد اعظمؒ اس وقت پورے عالم اسلام کے عظیم ترین رہنما تھے۔ پاکستان شدید خطرات میں تو گھرا ہوا تھا، مگر محفوظ ترین ہاتھوں میں تھا۔ جہاں روحانی طور پر اس پاک سرزمین کی حفاظت کی جارہی تھی، وہیں دنیاوی طور پر امت مسلمہ کی بہترین قیادت اسے میسر تھی۔ مگر قائد اعظمؒ یہ بات بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔ ان کی صحت تیزی سے گرتی جارہی تھی، اور پاکستان ابھی ایک زخمی نوزائیدہ بچے کی مانند شدید ترین خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ قائد کے پاس ایک لمحہ بھی آرام کرنے کیلئے نہ تھا۔

انگریزوں کی غداری اور ہندوؤں کی مکاری پاکستان کے خلاف پہلے روز سے ہی کھل کر سامنے آچکی تھی۔ بھارت کی حکومت نے پاکستان کے حصے کے ہتھیار، روپیہ اور دیگر وسائل پاکستان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ خود پاکستان کے اندر جو اسلحہ موجود تھا اسے انگریز فوج نے بحری جہازوں میں بھر کر سمندر میں غرق کر دیا۔ ہندوستانی فوج میں جو مسلمان دستے تھے وہ ابھی تک پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے۔ نئے بننے والے پاکستان کے پاس نہ تو مطلوبہ تعداد میں فوج تھی، نہ ہتھیار تھے، نہ روپیہ تھا اور نہ ہی مسلمان فوجی افسر کہ جو پاکستان کی فوج کی قیادت کر سکتے۔ نئی ریاست کے اہم ترین عہدوں پر ابھی تک انگریز قابض تھے، یہاں تک کہ فوج کا سپہ سالار بھی ایک انگریز جنرل گریسی تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں لے پئے اور زخمی مجاہدین ہر ہفتے پاکستان پہنچ رہے تھے۔ ان کی آباد کاری اور بحالی حکومت کیلئے سب سے بڑی آزمائش بن چکی تھی۔

قائد اعظمؒ نے اپنے آخری ایام میں مجاہدین کے حوالے سے فرمایا:

”قیام پاکستان کے بعد مجاہدین کے سلسلہ نے مجھے سخت پریشان کیا۔ میں یہ تو ضرور جانتا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تبادلہ آزادی ہوگا۔ لیکن مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ اس وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو آبائی وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ مشرقی پنجاب، دہلی اور مغربی یوپی میں جس وسیع پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، مجھے کبھی اس کا وہم بھی نہ تھا۔ یہ سب کچھ طے شدہ اور منظم سازش اور پروگرام کے ماتحت کیا گیا۔ ہم نہتے تھے، فوج ہمارے پاس نہیں تھی، اسلحہ دشمن کے قبضہ میں تھا، خزانہ خالی تھا، نظم و نسق کا تجربہ رکھنے والے افراد کی کمی تھی، ہم سخت مشکل میں گھر گئے تھے۔ لیکن میں مسلمانوں کے عزم اور بلند حوصلگی کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس حادثہ عظیم نے میرے قلب پر ایک زبردست چوٹ لگائی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تباہ حال مسلمانوں کی ابتلاء نے میری صحت پر برا اثر ڈالا ہے۔ اس وقت پاکستان کے لیے سب سے اہم مسئلہ مجاہدین کی آباد کاری ہے۔ مجھے کامل امید ہے کہ حکومت پاکستان اس مسئلہ کو جلدی حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ جب تک ایک ایک مجاہد آباد نہیں ہوتا، مجھے قرار نصیب نہیں ہو سکتا۔“

(حوالہ: کتاب: قائد اعظم کے آخری ایام)

چودہ ہزار آئی سی ایس افسروں میں سے فقط ۱۷۸۲ مسلمان افسر تھے کہ جن میں صرف ۳۹۰ افسروں نے حکومت پاکستان کی ملازمت اختیار کی۔ اس بھیانک صورتحال میں ۶۷۲ برطانوی افسران کی خدمات لی گئیں۔ فوج میں کوئی بھی مسلمان افسر بریگیڈیئر کے عہدے سے بڑا نہیں تھا۔ تقسیم ہند کے وقت پورے ہندوستان میں ۱۰۶۳ کارخانے تھے جن میں سے فقط ۵۰ پاکستان کے حصے میں آئے اور جن میں بھی زیادہ تر بند پڑے تھے۔ خیموں میں سرکاری دفاتر قائم کیے گئے، کاغذوں کو جوڑنے کیلئے کامن پنیں تک نہ تھیں، درختوں کے کانٹوں سے کاغذوں کو جوڑ کر سرکاری کام کیا جاتا۔

پاکستان کے حصے میں ۱۴ ارب روپے آنے تھے کہ جس میں صرف ۲۰ کروڑ پاکستان کو دیئے گئے۔ پہلے تین ماہ سرکاری ملازمین کو تنخواہیں نہ مل سکیں۔ اس موقع پر ریاست حیدرآباد نے ۲۰ کروڑ روپیہ اور قائد کی اپیل پر عوام نے ۷۵ کروڑ روپے جمع کر کے قومی خزانے میں جمع کرائے۔

ایسے میں انگریز حکومت اور ہندوؤں نے پاکستان کی ریاست پر ایک اور کاری ضرب لگائی۔ کشمیر کے ڈوگرہ حکمران نے دہلی میں ہندو





۱۹۴۵ء : آفریدی قبیلے کے سردار قائد اعظم کو روٹی پیش کرتے ہوئے



۱۹۴۸ء : قبائلی سردار، قائد اعظم کو رائل بطور تحفہ پیش کرتے ہوئے



۱۹۴۸ء : قائد اعظم، لنڈی کوتل میں قبائلی سرداروں سے محو گفتگو



کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے

Kashmir is the jugular vein of Pakistan



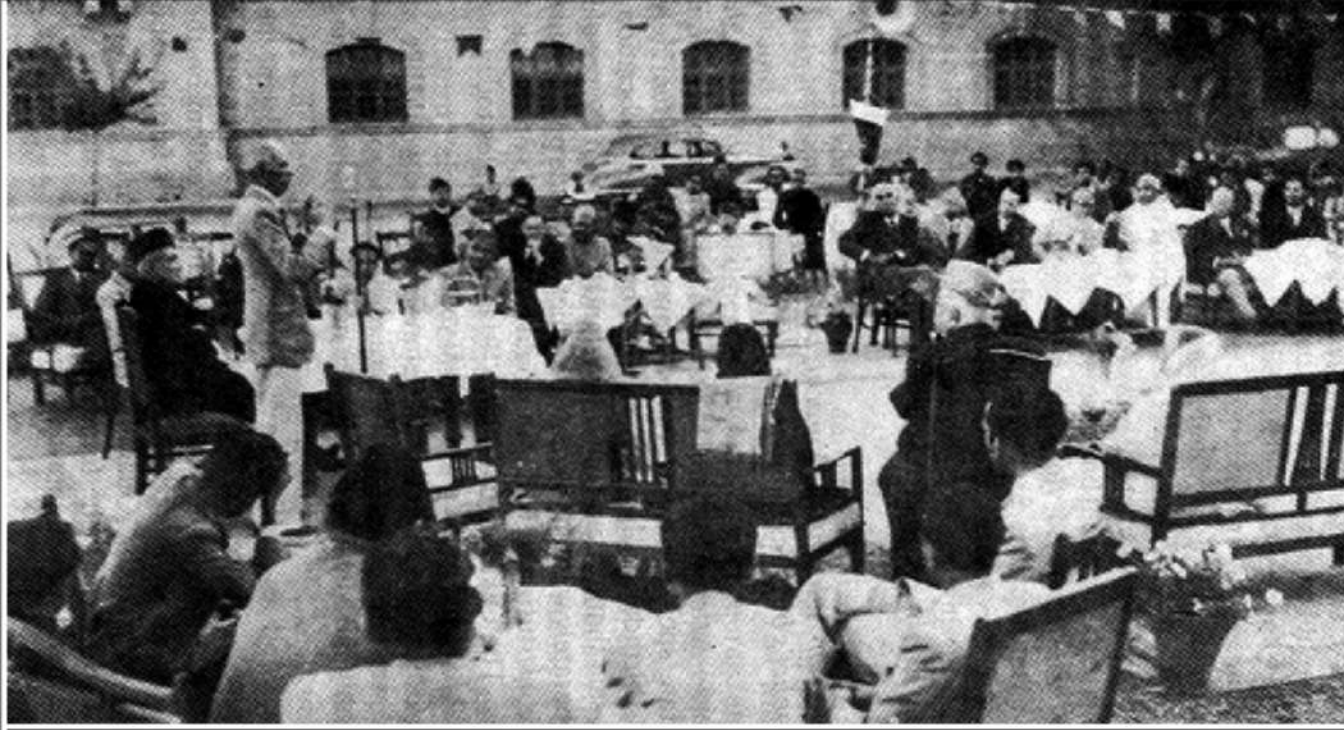
۱۹۴۸ء : پہلی پاک۔ بھارت جنگ میں حصہ لینے والے وزیرستان کے قبائلی محاذ پر جانے کیلئے تیار



جنرل گریسی

حکمرانوں سے سازش کر کے بھارتی فوج کو کشمیر میں طلب کر لیا، حالانکہ کشمیر کی اکثریت مسلمان تھی اور پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتی تھی۔ یہ بھارت کی طرف سے کھلم کھلا جارحیت اور پاکستان کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ اب قائد اعظم کیلئے ایک انتہائی مشکل صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔ کشمیر کے بارے میں آپ خود فرما چکے تھے کہ ”کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے“۔ بھارتی فوج اب کھلم کھلا سری نگر کے ہوائی اڈے پر اتر رہی تھی۔ قائد اعظم نے فوج کے سپہ سالار جنرل گریسی کو حکم دیا کہ پاک فوج کے دستوں کو کشمیر میں داخل کر دیا جائے مگر اس انگریز جنرل نے قائد اعظم کا حکم ماننے سے یکسر انکار کر دیا۔ اب قائد اعظم کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا سوائے اس کے کہ آپ براہ راست مداخلت کر کے صوبہ سرحد کے قبائل سے رابطہ کریں اور مجاہدین کے دستوں کو

کشمیر میں داخل کر دیا جائے۔ قائد اعظم نے براہ راست حکم دے کر جہاد کشمیر کا اعلان کروا دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں پشتون مجاہدین صوبہ سرحد سے کشمیر میں داخل ہو گئے، اور وہ تمام علاقہ آزاد کرالیا کہ جو آج ”آزاد کشمیر“ کے نام سے پاکستان کے ساتھ شامل ہے۔ یہ قبائلی مجاہدین سری نگر کے نزدیک تک پہنچ چکے تھے مگر بھارتی فوج اس سے قبل وہاں اتر چکی تھی۔ اس وقت سے لیکر اگلے سو سال تک کہ جب تک قائد اعظم زندہ رہے، آپ مسلسل مجاہدین کو جہاد کشمیر میں مکمل مدد اور حمایت فراہم کرتے رہے۔ بھارتی فوج کی قوت زیادہ ہونے کی وجہ سے مجاہدین کشمیر پر قبضہ تو نہ کر سکے، مگر بھارت اس جہاد سے اس قدر پریشان ہو چکا تھا کہ قائد اعظم کے انتقال کے فوراً بعد خود اقوام متحدہ میں اس مسئلہ کو لے گیا اور کشمیر میں حق خود ارادیت کیلئے کشمیریوں کی رائے لینے کا وعدہ کیا۔ اقوام متحدہ نے اس معاملے میں دخل دے کر پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ مجاہدین کو پیچھے ہٹالیا جائے اور بھارت کو موقع دیا جائے کہ کشمیر میں استصواب رائے کروا کر مسئلہ کو حل کرے۔ اس وقت تک قائد اعظم کا انتقال ہو چکا تھا اور عالمی دباؤ کے تحت پاکستان مجبور ہو گیا کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر میں جنگ بندی کرے۔ آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ جنگ بندی صرف بھارت کی ایک سازش تھی اور اس کا کبھی بھی کشمیر میں استصواب رائے کروانے کا ارادہ نہیں تھا۔ مسئلہ کشمیر آج ستر برس بعد بھی اسی جگہ کھڑا ہے کہ جہاں قائد اعظم کے انتقال کے وقت تھا۔ مگر یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ جہاد کشمیر کا آغاز براہ راست قائد اعظم نے اپنے حکم سے کروایا تھا۔



قائد اعظم جوں اور وکلاء سے سندھ چیف کورٹ میں خطاب کرتے ہوئے

ایک اور موقع پر قائد نے فرمایا:

“

“The prophet of Islam had given us a constitution 1,300 years ago. We have to simply follow and implement it, and based on it we have to establish in our state Islam's great system of governance.”

M.A.Jinnah

”ہمارا آئین تو تیرہ سو سال قبل وجود میں آیا ہے، یعنی ہمارا آئین قرآن ہے۔ ہمیں کسی نئے آئین کی ضرورت نہیں۔ ہم قرآن پر ہی نظام حکومت کی بنیاد رکھیں گے۔“

قائد نے انتہائی سختی سے اسلام کے علاوہ کسی اور ”ازم“ کو پاکستان میں رد کر دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ قائد نے ہمیشہ پاکستان میں قرآن و سنت کے مطابق اسلامی نظام کی بات کی بلکہ نام لیکر اسلام کے علاوہ دیگر تمام ”ازموں“ اور سیاسی نظریات بشمول سیکولر ازم سختی سے رد کر دیا تھا:

”علامہ اقبالؒ کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ مسلمان نہیں ہو سکتا خواہ پیر یا مولانا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ سوشلزم

قائد اعظم کو بمشکل تیرہ مہینے ملے اپنے ہاتھوں تعمیر کی گئی اس ریاست کو سنبھالنے کیلئے۔ ان مختصر سے تیرہ مہینوں میں قائد اعظم نے وہ کچھ کر دکھایا کہ جو بعد میں آنے والی تمام حکومتیں مل کر بھی نہ کر سکیں۔ قائد اعظم نے ہر محاذ پر آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے مضبوط بنیادوں پر ریاست پاکستان کی تعمیر کا آغاز کر دیا۔ اس میں نظریاتی تعمیر بھی تھی، عسکری بھی، معاشی بھی اور معاشرتی بھی۔

ان میں سے چند کارہائے نمایاں یہ ہیں:

اسلام بطور نظریہ و آئین

قیام پاکستان سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد ۱۰۰ سے زائد تقریروں اور تحریروں میں قائد نے بات مکمل طور پر واضح کر چکے تھے کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا اور پاکستان صرف ایک اسلامی فلاحی ریاست ہی بنے گا۔

قیام پاکستان کے بعد قائد نے بحیثیت گورنر جنرل عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام تقریب سے خطاب کیا۔ اس خطاب میں قائد نے اس طبقہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ فرمایا:

“

I cannot understand the logic of those who have been deliberately and mischievously propagating that the Constitution of Pakistan will not be based on Islamic Sharia. Islamic principles today are as much applicable to life as they were 1300 years ago.

M.A.Jinnah

” (پاکستان کا آئین شریعت اسلامی کے اصولوں پر مبنی ہوگا۔) مجھے ان لوگوں کی منطق سمجھ نہیں آتی کہ جو دیدہ و دانستہ شرارت اور فساد پیدا کرنے کیلئے کہتے ہیں اور یہ پراپیگنڈہ کئے جا رہے ہیں کہ پاکستان کا آئین شریعت پر مبنی نہیں ہوگا۔ اسلامی اصول آج بھی زندگی پر اتنے ہی قابل اطلاق ہیں کہ جتنے تیرہ سو برس قبل تھے۔ آئیے ہم پاکستان کا آئندہ دستور بنا کر دنیا کو دکھائیں۔“

اور کمیونزم کے سارے بانی یہودی تھے۔ آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ سوشلزم اور کمیونزم مسلمانوں کے لیے ایک ایسا زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔ آپ کبھی نہ بھولیں کہ یہودی، انگریز سوشلسٹ، کمیونسٹ اور ہندو سب مسلمانوں کے مٹانے کے درپے ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہ پاکستان کو مٹانے کی کوشش بھی کریں گے۔ آپ کو اس وقت بھی ہوشیار رہنا ہوگا۔“

۲۶ نومبر ۱۹۴۶ء کو قائد نے یہ انٹرویو دیا:

”قرآن و سنت کے زندہ و جاوید قانون پر مبنی ریاست (پاکستان) دنیا کی بہترین اور مثالی ریاست ہوگی۔ یہ اسلامی ریاست اسی طرح سوشلزم، کمیونزم، مارکسزم اور کپٹلزم کا قبرستان بن جائے گی۔ جس طرح سرور کائنات ﷺ کا مدینہ اس وقت کے تمام فرسودہ نظاموں کا گورستان بنا۔ پاکستان میں اگر کسی نے روٹی کے نام پر اسلام کے خلاف کام کرنا چاہا یا کسی ازم وغیرہ کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی تو پاکستان کی غیور قوم اسے کبھی بھی برداشت نہیں کرے گی۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ دنیا کی تمام مشکلوں کا حل اسلام سے بہتر کہیں نہیں ملتا۔“

قیام پاکستان کے وقت چونکہ اس نئی ریاست کا سارا ڈھانچہ انگریز سامراج کا بنایا ہوا تھا، تو سب سے پہلے ضروری تھا کہ ایک اسلامی فلاحی ریاست کے نظریاتی خدوخال واضح کیے جائیں کہ جن کی بنیاد پر آئندہ ملک کا اسلامی آئین ترتیب دیا جائے۔ پاکستان بننے کے چند ہی دنوں کے اندر اگست کے مہینے میں ہی قائد نے سب سے پہلے جس محکمے کو قائم کیا اس کا نام تھا: ”Department of Islamic Reconstruction“ یعنی ”ادارہ برائے تعمیر نو اسلام“۔ اس محکمے کا سربراہ قائد اعظمؒ نے علامہ محمد اسد کو لگایا۔ علامہ اسد، علامہ اقبالؒ کے ترتیب یافتہ جرمین تھے، کہ جنہوں نے یہودیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ علامہ اسد کو پاکستان کی شہریت بھی دی گئی اور اب آپ قائد اعظمؒ کے دست راست بن کر اس اہم ترین محکمے کے سربراہ کے طور پر فائز کیے گئے کہ جس نے آئندہ آنے والے دنوں میں پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کیلئے تجاویز پیش کرنا تھیں۔

اس ادارے کو جو ذمہ داری دی گئی وہ پوری اسلامی ریاست کی از سر نو تعمیر تھی۔

● پاکستان کے پہلے آئین کا مسودہ تیار کرنا۔

● پاکستان کے معاشی نظام کیلئے ایک ڈھانچہ تشکیل دینا۔



علامہ محمد اسد

فوج کی تنظیم نو

نظریہ اسلام کی تعمیر نو اور احیاء کے ساتھ ساتھ قائد اعظمؒ نے فوری توجہ پاک فوج کی از سر نو تنظیم سازی پر مرکوز فرمادی تھی۔ آپ نے بری بحری اور فضائی افواج کے ٹھکانوں کے دورے کیے اور بہت تیزی سے پاکستان کو ایک مضبوط عسکری طاقت بنانے پر جت گئے۔ سب سے پہلے آپ نے جاسوسی اور دشمن کی تخریبی کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے ”آئی ایس آئی“ (انٹرسروسز انٹیلی جنس) کے قیام کا حکم فرمایا۔ آج آئی ایس آئی پاکستان کے دفاع کی ایک مضبوط ترین چٹان ہے کہ جس کی بنیاد خود قائد اعظمؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھی تھی۔

قائد اعظمؒ نے ۲۳ جنوری ۱۹۴۸ کو کراچی میں بحریہ کے جہاز دلاور کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں فرمایا:

“

You will have to make up for the smallness of your size by your courage and selfless devotion to duty for it is not life that matters but the courage, fortitude and determination you bring to it.

M.A. Jinnah

”آپ اپنی کم تعداد ہونے پر فکر نہ کریں اس کی کو آپ کو بہمت، استقلال اور بے لوث فرض شناسی سے پورا کرنا پڑے گا کیونکہ اصل چیز زندگی نہیں ہے بلکہ بہمت، صبر و تحمل اور عزمِ صمیم ہیں جو زندگی کو زندگی بنا دیتے ہیں۔“

قائد اعظمؒ نے ۸ نومبر ۱۹۴۷ کو افواج پاکستان سے خطاب میں فرمایا:

”مجھے یقین ہے کہ ہم ان مشکلات اور خطروں سے کامیابی سے گزر جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ مکمل اتحاد، باہمی تعاون سے کام کریں اور ان خطروں کا مقابلہ کریں جو آج ہمیں درپیش ہیں۔“



۱۹۴۸ء : علامہ محمد اسد ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن کے سٹاف کے ہمراہ

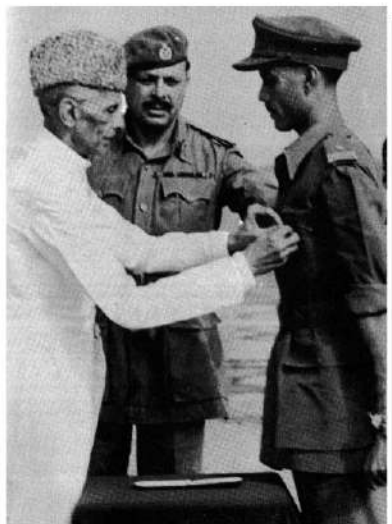
• پاکستان کے تعلیمی نظام کیلئے ایک خاکہ فراہم کرنا۔

• پاکستان میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے تجاویز مرتب کرنا۔

علامہ اسد نے انتہائی محنت سے پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کیلئے تجاویز مرتب کرنا شروع کر دیں۔ اس دور میں ریڈیو پاکستان میں آپ کی تقاریر بھی نشر کی جاتیں کہ جس میں نظریہ اسلام اور ریاست پاکستان کے گہرے تعلق کو واضح کیا جاتا تھا۔ یہ علامہ اسد کی تیار کردہ تجاویز ہی تھیں کہ جن کی بنیاد پر ۱۹۴۹ء میں اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے قومی اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کی کہ جس میں پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا عہد کیا گیا تھا۔ یہی قرارداد مقاصد آگے چل کر ایک اسلامی آئین بنانے کی بنیاد بنی تھی۔ آج یہ قرارداد آئین پاکستان کا حصہ ہے، اور اس حیرت انگیز نظریاتی کام کی شہادت دیتی ہے کہ جس کا آغاز قائد اعظم علامہ محمد اسد کے ذریعے پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی کر دیا تھا۔

لیکن ۱۹۴۸ء میں قائد اعظمؒ کی وفات کے بعد، اس وقت کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے علامہ اسد کا تبادلہ وزارت خارجہ میں کر دیا۔ اس کے بعد قائد اعظمؒ کا قائم کردہ یہ ادارہ کبھی اپنے پاؤں پر نہ کھڑا ہوسکا اور جلد ہی یہ ماضی کا قصہ بن گیا۔ قائد اعظمؒ کی وفات کے ایک ماہ بعد ہی ادارے کا سارا ریکارڈ پراسرار طور پر نظر آتش ہو گیا۔







قائد اعظم محمد علی جناح کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج کوئٹہ کے دورے پر

قائد اعظمؒ نے اپنی زندگی کا جو آخری خط یا حکم یکم ستمبر ۱۹۴۸ء کو زیارت سے جاری کیا تھا، وہ بھی فوج سے متعلق تھا جس کی تفصیل عقیل عباس جعفری نے ”پاکستان کرو نیل“ میں دی ہے، یہ خط اس وقت کے پاکستان آرمی کے چیف جنرل ڈگلس گریسی کے نام تھا۔ قائد اعظمؒ نے تحریر کیا ”میں نے آپ کے خط کی ایک نقل قائد اعظم ریلیف فنڈ کے نائب صدر کو بھیج دی ہے اور میں نے اس فنڈ میں سے تین لاکھ روپے کی امداد کی منظوری دے دی ہے جو تھل پروجیکٹ کے مہاجر فوجیوں کی بہبود کے لیے مخصوص ہے۔“



آپ نے ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء کو کراچی میں افواج پاکستان سے خطاب میں فرمایا:

“

“You have to stand guard over the development and maintenance of Islamic democracy, Islamic social justice and the equality of manhood in your own native soil. With faith, discipline and selfless devotion to duty, there is nothing worthwhile that you cannot achieve”.

M.A.Jinnah

”اب آپ کو اپنی پاک سرزمین میں اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی انصاف اور انسانی مساوات کے اصولوں کے احیاء اور فروغ کی پاسبانی کرنی ہے۔ اس اہم کام کیلئے آپ کو ہمہ وقت ہمدن تیار اور ہوشیار رہنا پڑے گا۔ آرام کرنے کا موقع ابھی نہیں آیا ہے، ایمان، تنظیم اور فرض شناسی کے زریں اصولوں پر کاربند رہیں تو کوئی شے ایسی نہیں جس کو آپ حاصل نہ کر سکیں۔“

۱۳ جون ۱۹۴۸ء کو کوئٹہ میں اسٹاف کالج کے افسروں سے خطاب میں افواج پاکستان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

“

The Defence Forces are the most vital of all Pakistan Service and correspondingly a very heavy responsibility and burden lies on your shoulders. I have no doubt in my mind, from what I have seen and from what I have gathered, that the spirit of the Army is splendid, the morale is very high, and what is very encouraging is that every officer and soldier, no matter what the race or community to which he belongs, is working as a true Pakistani. If you all continue in that spirit and work as comrades, as true Pakistanis selflessly, Pakistan has nothing to fear.

M.A.Jinnah

”پاکستان کی دیگر ملازمتوں کے مقابلے میں دفاعی افواج کی بہت اہمیت ہے اور اسی نسبت سے آپ کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ میں نے جو کچھ دیکھا اور معلوم کیا ہے اس کی بنا پر بلاشبہ کہہ سکتا ہوں کہ ہماری افواج کے حوصلے قابل فخر ہیں۔ ان کی ہمتیں بلند ہیں اور سب سے اطمینان بخش بات یہ ہے کہ ہر افسر اور سپاہی خواہ کسی فرقہ یا نسل کا ہو سچے پاکستانی کی طرح کام کر رہا ہے۔ اگر آپ اسی جذبہ سے سچے رفیقوں اور سچے پاکستانیوں کی طرح بے غرضی سے کام کرتے رہیں تو پھر پاکستان کو کسی بات کا ڈر نہیں۔“

پاک فضائیہ

قائد اعظم نے مندرجہ ذیل الفاظ ۱۳ اپریل ۱۹۴۸ کو پاک فضائیہ کی رسالہ پورا کینڈی میں کہے۔

“

It gives me great pleasure to pay my first visit to a unit of the Royal Pakistan Air Force. There is no doubt that any country without a strong Air Force is at the mercy of any aggressor. Pakistan must build up her Air Force as quickly as possible. It must be an efficient Air Force second to none and must take its right place with the Army and the Navy in securing Pakistan's defence. I am well aware of air developments in other countries and my Government is determined that the Royal Pakistan Air Force will not be behind.

M.A.Jinnah

”پاکستان رائل ایئر فورس کا یہ پہلا دورہ میرے لیے نہایت پر مسرت موقع ہے۔ بلاشبہ ایک طاقتور ایئر فورس کے بغیر کوئی بھی ملک، حملہ آور کے رحم و کرم پر ہی ہوتا ہے۔ پاکستان کو اپنی فضائیہ کی تشکیل جلد سے جلد مکمل کر لینی چاہیے۔ اور یہ لازماً ایک بہترین ایئر فورس ہونی چاہیے جو کسی دوسری فوج سے پیچھے نہ ہو، اور اسے بری اور بحری فوج کے ساتھ پاکستان کے دفاع میں اپنے محاذ پر اپنی ذمہ داری ادا کرنا چاہیے۔ میں دوسرے ممالک میں (فضائیہ میں) ہونے والے ترقی سے آگاہ میں ہوں، اور ہماری حکومت کا یہ عزم ہے کہ ہماری ایئر فورس کسی سے پیچھے نہیں ہوگی۔





ولادی سلاف ٹورووچ



صوفیا ٹور ووج



چکالہ: ۱۹۵۴ء، ایئر کمونڈیٹور راج اور صوفیا ٹور راج آفیسروں اور کیڈٹس کے ہمراہ۔

پاک فضائیہ کی اس دور میں بہت بری صورتحال تھی۔ نہ ہمارے پاس طیارے تھے اور نہ ہی تکنیکی افراد کہ جوان جنگی طیاروں کی دیکھ بھال کر سکتے اور پاکستانی پائلٹوں کو تربیت دے سکتے۔ قائد اعظم نے اس مسئلے کا ایک حیرت انگیز حل نکالا۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد یورپ میں ہزاروں بے روزگار پائلٹ اور فضائیہ کے امور کو سمجھنے والے تکنیکی افسران بے روزگار پھر رہے تھے۔ قائد اعظم نے یورپ کے اخباروں میں اشتہار دلوائے کہ پاکستان کی ریاست کو فضائیہ کی تعمیر کرنے کیلئے انجینئروں اور پائلٹوں کی ضرورت ہے۔ ان اشتہاروں کے نتیجے میں پولینڈ سے تعلق رکھنے والے ۴۵ پائلٹوں اور تکنیکی عملے نے پاکستان کی ریاست کو اپنی خدمات پیش کر دیں، اور اس طرح یہ تمام تین سال کے کنٹریکٹ پر پاک فضائیہ کی تعمیر نو کیلئے پاکستان آ گئے۔

اس دستے کی قیادت ایک نوجوان پائلٹ ولادی سلاف ٹوروچ کر رہے تھے۔ ٹوروچ نے نہ صرف پاک فضائیہ کی تعمیر کی بلکہ پاکستان کو ہی مستقل طور پر اپنا گھر بنالیا۔ ٹوروچ کی اہلیہ صوفیا بھی ایک کمرشل پائلٹ تھیں انہوں نے بھی اپنی ساری زندگی پاکستان میں گزاری اور یہیں اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی کیں۔ اپنی وفات سے قبل وہ سپارکوم میں ایئر سسٹمز انجینئرنگ کی سائنسدان تھی۔ ان کا انتقال ۲۰۱۲ء میں کراچی میں ہوا۔ آنے والے کئی سالوں میں ٹوروچ پاک فضائیہ میں ایئر کموڈور کے عہدے تک ترقی پا گئے، اور ۱۹۸۰ء میں یہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔

یہ قائد اعظمؒ کی فراست کی ایک حیرت انگیز مثال ہے کہ آپ نے پوری دنیا سے قابل ترین افراد کو پاکستان لا کر ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

۱۹۴۸ء میں ایک نیوی کے اڈے پر خطاب کے دوران قائد اعظمؒ نے پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا اعلان اور اس عزم کا اظہار بھی کیا۔



پی اے ایف میوزیم کراچی میں نصب میں ایئر کمڈور ٹورووچ کا مجسمہ

“

“Today is a historic day for Pakistan, doubly so for those of us in the Navy. The Dominion of Pakistan has come into being and with it a new Navy – the Royal Pakistan Navy – has been born. I am proud to have been appointed to command it and serve with you at this time. In the coming months, it will be my duty and yours to build up our Navy into a happy and efficient force.”

M.A.Jinnah



پاک بحریہ

مارچ ۱۹۴۸ء میں نیول اکیڈمی سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا:

”آج ایک تاریخی دن ہے۔ یہ دن ان لوگوں کیلئے اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے جو پاکستان بحریہ سے وابستہ ہیں۔ پاکستان وجود میں آچکا ہے اور اسی کے ساتھ اس کی نئی بحریہ ’رائل پاکستان نیوی‘ بھی۔ میں اس بحریہ کی کمان سنبھالنا اور آپ کے ساتھ اس کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہوں۔ آنے والے دنوں میں یہ میری اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس بحریہ کو دنیا کی موثر ترین افواج میں سے ایک بنائیں۔“



پڑے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر خدا ہی ان کی مدد کرے تو کرے، ہم تو ان کی مدد نہیں کریں گے۔“

قائد اعظمؒ ان کھوئے سکون اور قوم فروشنوں سے ان کی غداری کے عوض لی جانے والی اراضی کو حکومتی تحویل میں لے کر عام کسانوں اور کاشت کاروں میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ ”لینڈ ریفرم کمیٹی“ نے اپنی تجاویز پر قائد کی وفات سے چند روز قبل پیش کیں۔ قائد کی طبی حالت نہایت نازک تھی لہذا ان کی وفات کے باعث اس پر عمل نہ ہو سکا۔ اس کمیٹی کی سفارشات کو بعد کے حکمرانوں نے نہ صرف پس پشت ڈالا بلکہ نظروں سے ہی اوجھل کر دیا۔

اپنے انتقال سے قبل یکم مارچ ۱۹۴۸ء کو قائد اعظمؒ نے ایک مرتبہ پھر جاگیرداروں سے اپنی کراہت کا اظہار فرمایا:

”میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ خدا کے فضل سے اس عمر میں میرے پاس آرام کرنے کے لیے بہت کچھ ہے لیکن پھر بھی میں اپنا خون پانی کیوں کرتا ہوں؟ اتنی بھاگ دوڑ مشقت کیوں کرتا ہوں؟ یقیناً سرمایہ داروں کے لیے نہیں بلکہ غریب عوام کیلئے!“



۱۹۴۸ء: قائد پاکستان کے اولین سکون کا معائنہ کرتے ہوئے

۳۰ جون ۱۹۴۸ء تک برطانوی ہند کے کرنسی نوٹوں پر پاکستان کی مہر لگا کر ان کو استعمال کیا جاتا رہا۔ اپنے انتقال سے قبل قائد نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا اور پاکستان کے سکون کو جاری کیا۔ یہ قائد اعظمؒ کی زندگی کی آخری سرکاری تقریب تھی۔ آپ کی صحت بہت خراب ہو چکی تھی مگر اس کے باوجود آپ کانپتے ہوئے وجود کے ساتھ سٹیٹ بینک کے افتتاح کے لیے

تشریف لائے اور ایک معرکہ آراء تقریر فرمائی کہ جس میں آپ نے واضح طور پر اعلان فرمادیا کہ مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے اور انسان کی فلاح اب صرف اس بات میں ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں پر چل کر معاشرے کو تشکیل دے۔ آپ نے سٹیٹ بینک کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ پاکستان میں اسلامی معاشی نظام کو قائم کرے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ اس حوالے

جاگیر داری نظام کا خاتمہ، دولت کی منصفانہ تقسیم، مسلمانوں کی غربت کا خاتمہ، اسلامی فلاحی ریاست کا قیام

علامہ اقبالؒ اپنے انتقال سے قبل قائد اعظمؒ کو بہت تاکید سے نصیحت فرما گئے تھے کہ مسلمانوں کی غربت کا علاج مغربی نظام معیشت میں نہیں بلکہ اس فلاحی نظام میں ہے کہ جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ ایک خط میں علامہ اقبالؒ قائد اعظمؒ کو فرماتے ہیں:

”سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلے کو کیسے حل کیا جائے..... مقام مسرت یہ ہے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے باعث اس مسئلے کا حل اور جدید خیالات کی روشنی میں اسکے فروغ کے اسباب متوقع ہیں۔ طویل اور سنجیدہ مطالعے کے بعد، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اسلامی قوانین کو صحیح طریقے پر سمجھا جائے اور ان پر عمل کیا جائے تو پھر ہر شخص کی بنیادی ضرورتیں قانونی طور پر پوری ہو جاتی ہیں۔“

قائد اعظمؒ اس حقیقت کو بہت اچھی طرح جان چکے تھے کہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کیے بغیر نہ تو پاکستان کی معیشت بہتر ہو سکتی ہے، نہ مسلمانوں کی غربت دور ہو سکتی ہے اور نہ ہی پاکستان ایک فلاحی ریاست بن سکتا ہے۔ روز اول سے ہی قائد اعظمؒ نے اپنی پوری قوت اس امر پر صرف کی کہ پاکستان میں ایک اسلامی معاشی نظام فوری طور پر قائم کیا جائے۔ اس کیلئے آپ نے کئی کمیٹیاں بنوائیں، کہ جن میں جاگیر داری کے خاتمے، اسلامی معاشی نظام کے قیام، سٹیٹ بینک کا قیام اور سکون اور کرنسی کے اجراء کے معاملات کو تفصیل سے طے کیا گیا۔

قیام پاکستان کے بعد قائد اعظمؒ نے فوراً ہی ایک ”لینڈ ریفرم کمیٹی“ بنائی کہ جسکے ذمے جاگیر داری نظام کے خاتمے کے لیے اصلاحات مرتب کرنا تھا۔ قائد جاگیر دار طبقہ کی خصلت اور معاشرے میں ان کے اثر و رسوخ اور پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے ان کے بھیا تک کردار سے آگاہ تھے۔ ایک موقع پر جاگیرداروں کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا:

”آج میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو انتباہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ عوام کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔ اور وہ اسلام کی تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کروڑوں لوگوں کا استحصال کیا گیا۔ اور وہ ایک وقت کا کھانا بھی حاصل نہیں کر سکتے؟ اگر یہی تصویر پاکستان ہے تو میں اس سے باز آیا! اگر وہ عقلمند ہیں تو انہیں زندگی کی نئی حقیقتوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنا

سے سٹیٹ بینک پر گہری نظر رکھیں گے۔ قائد اعظم کی یہ تقریر آج بھی آنے والی نسلوں کیلئے مشعل راہ ہے۔

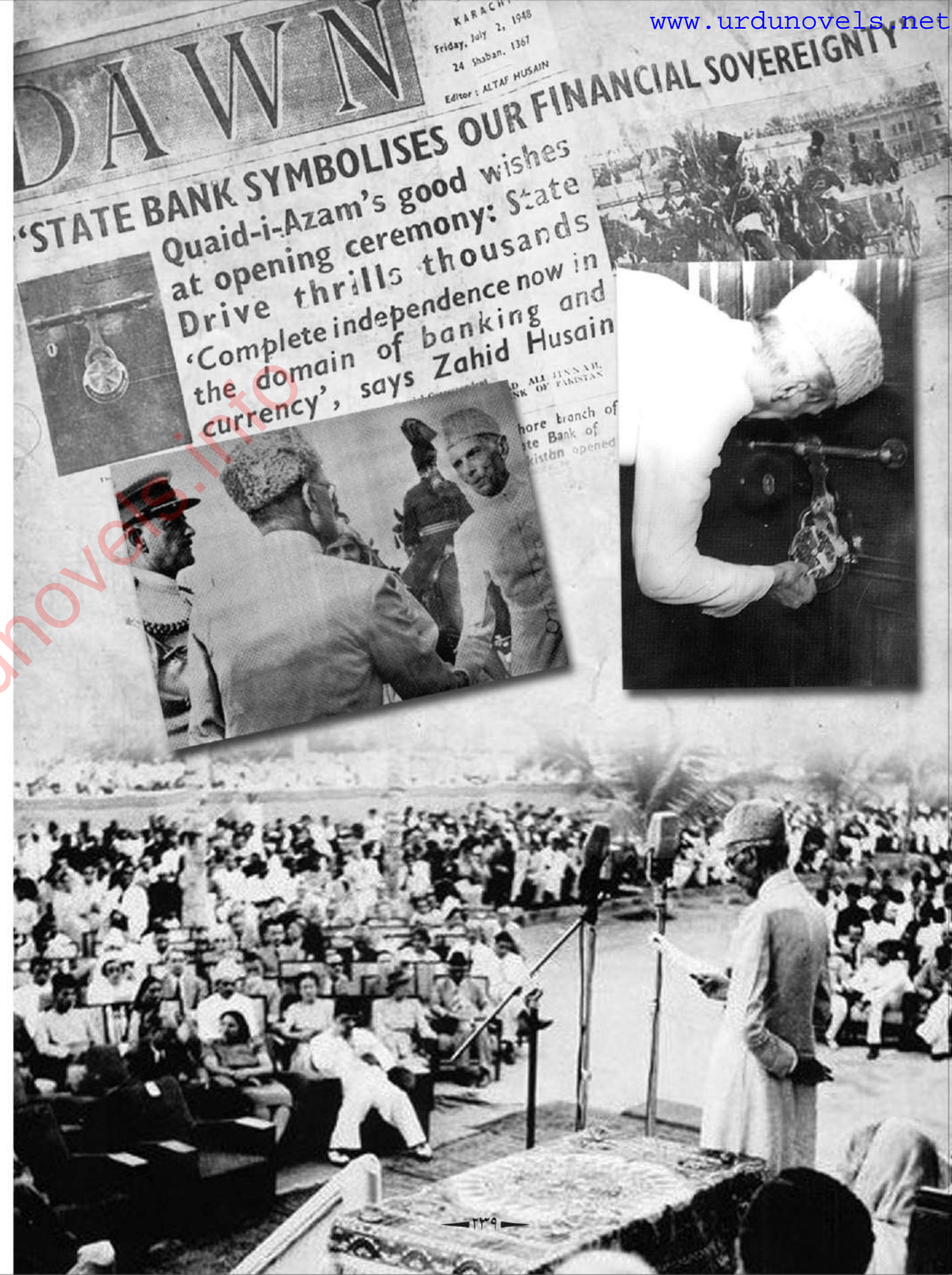
“

The economic system of the west has created almost insoluble problems for humanity and to many of us it appears that only a miracle can save it from disaster that is not facing the world. It has failed to do justice between man and man and to eradicate friction from the international field. On the contrary, it was largely responsible for the two world wars in the last half century. The Western world, in spite of its advantages, of mechanization and industrial efficiency is today in a worse mess than ever before in history. The adoption of Western economic theory and practice will not help us in achieving our goal of creating a happy and contented people. We must work our destiny in our own way and present to the world an economic system based on true Islamic concept of equality of manhood and social justice. We will thereby be fulfilling our mission as Muslims and giving to humanity the message of peace which alone can save it and secure the welfare, happiness and prosperity of mankind.

M.A. Jinnah

”مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کو ایسے سنگین مسائل سے دوچار کر دیا ہے جن کا حل تقریباً ناممکن ہے۔ ہم میں سے بہت سے افراد اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ دنیا کو جس تباہی اور سنگین صورتحال کا سامنا ہے، اب اسے کوئی مجرہ ہی اس سے بچا سکتا ہے۔ یہ معاشی نظام انسانوں کے درمیان انصاف کے قیام میں ناکام ہو چکا ہے۔ یہ بین الاقوامی سطح پر تفرقہ کا باعث ہے۔ بیسویں صدی کے پہلے حصے میں ہونے والی دو تباہ کن جنگوں کی ذمہ داری بھی اسی معاشی نظام پر عائد ہوتی ہے۔ سائنسی ترقی کے فوائد اور صنعتی کارکردگی کے باوجود مغرب کو آج جن خراب حالات کا سامنا ہے قبل ازیں تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ مغربی معاشی نظریہ کو اپنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے ہم عوام الناس کی خوشحالی کے مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔

ہمیں اپنا لائحہ عمل اور طریقہ کار اختیار کر کے دنیا کے سامنے اسلام کے حقیقی مساوات انسانی اور سماجی انصاف کے نظریہ پر مبنی اپنا نظام معیشت پیش کرنا ہوگا۔ ہمیں بحیثیت مسلمان اپنا مشن پورا کرنے کیلئے انسانیت کو امن و سلامتی کا ایک منفرد پیغام دینا ہوگا۔ جو انسانی فلاح و ترقی اور خوشیوں کا تحفظ کر سکے۔“



تعلیم اور اردو زبان



قائد کے حکم پر مہمن مسلمان تاجروں نے جولائی ۱۹۴۷ء میں کلکتہ میں تین کروڑ کی لاگت سے مسلم کمرشل بینک کا آغاز بھی کیا۔ اسکے علاوہ قائد کا ایک اور عظیم کارنامہ عالم اسلام کی پہلی جہاز راں کمپنی کا قیام بھی ہے۔ محمدی اسٹیم شپ کمپنی قائد کے حکم سے قائم کی گئی۔

ہندوستان کی تمام تر فضائی کمپنیاں ہندوؤں کی ملکیت تھیں۔ قائد نے اس کے جواب میں نئی ریاست کی پہلی فضائی کمپنی ”اورینٹ ایئرز“ کے نام سے شروع کروائی کہ جو بعد میں ”پی آئی اے“ میں ضم کر دی گئی۔ قائد نے اس فضائی کمپنی کا آغاز پاکستان بننے سے قبل ۱۹۴۶ء میں ہی کروادیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ دنیا کے اسلام کی پہلی فضائی کمپنی ہے۔ دیگر مسلمان سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کیلئے قائد نے خود اس کمپنی کے ۲۵ ہزار کے حصص خریدے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد اس کا صدر دفتر کلکتہ سے کراچی منتقل کر دیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان یہ رابطے کا واحد ذریعہ تھا۔



پاکستان ایک نظریاتی ریاست تھا اور قائد اس بات کی اہمیت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ نظریہ پاکستان کی حفاظت کیلئے پورے نظام تعلیم کی اصلاح لازماً کرنا ہوگی۔ اسی لیے ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ریسرچ کے ذمے جو ذمہ داریاں لگائی گئیں تھیں ان میں ایک اہم ترین ذمہ داری تمام نظام تعلیم کی اصلاح بھی تھی کہ اس کو ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست کی ضروریات کے طور پر ڈھالا جاسکے۔ تعلیمی نظام کے ساتھ ساتھ قومی شناخت اور باہم رابطے کا ذریعہ قومی زبان ہوتی ہے۔ قائد اردو زبان کی اہمیت سے بھی پوری طرح واقف تھے، اور قیام پاکستان سے قبل اور بعد کئی مرتبہ آپ نے بڑی مضبوطی سے اس موقف کا اظہار فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں ڈھاکہ میں اپنے خطاب کے دوران پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی صفوں میں موجود غداروں اور منافقوں سے متنبہ کرتے ہوئے قائد نے فرمایا:

“

Anyone who tries to mislead [you] is merely the enemy of Pakistan. Without one state language, no nation can remain tied up solidly together and function. Look at the history of other countries. There[fore] so far as the state language is concerned, Pakistan's language should be Urdu; but, as I have said, it will come in time. I tell you once again, do not fall into the trap of those who are the enemies of Pakistan. Unfortunately you have fifth-columnists. I am sorry to say that they are Muslims -- who are financed by outsiders

M.A. Jinnah

”کوئی آدمی آپ کو غلط راہ پر ڈالنا چاہتا ہے تو وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ دوسری اقوام کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ بغیر ایک قومی زبان کے کوئی ملک آپس میں یکجا نہیں رہ سکتا، نہ پنپ سکا ہے۔ جہاں تک مملکت پاکستان کی زبان کا تعلق ہے، پاکستان کی زبان اردو ہوگی۔ میں آپ کو انتباہ کرتا ہوں۔۔۔ آپ کے درمیان غدار اور وہ بھی مسلمانوں کے روپ میں موجود ہیں کہ جن کو باہر سے امداد ملتی ہے۔“

خارجہ پالیسی

ایک اور موقع پر مزید فرمایا:

“

Let me restate my views on the question of a state language for Pakistan. For official use in this province, the people of the province can choose any language they wish. This question will be decided solely in accordance with the wishes of the people of this province alone, as freely expressed though their accredited representatives at the appropriate time and after full and dispassionate consideration. There can, however, be only one lingua-franca, that is, the language for intercommunication between the various provinces of the State, and the language should be Urdu and cannot be any other. The State language, therefore, must obviously be Urdu, a language that has been nurtured by a hundred million Muslims of this subcontinent, a language understood through that length and breadth of Pakistan and above all, a language which, more than any other provincial language, embodies the best that is the Islamic Culture and Muslim tradition and is nearest to the language used in other Islamic countries.

M.A.Jinnah

”پاکستان کی سرکاری زبان سے متعلق میں اپنی رائے پیش کرتا ہوں۔ صوبوں کے اندر عوام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کون سی زبان استعمال کریں گے مگر قومی زبان صرف ایک ہی ہو سکتی ہے۔ اسی زبان میں ملک کے تمام علاقے ایک دوسرے کے ساتھ مواصلاتی تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور یہ زبان اردو ہونی چاہیے۔ وہ زبان جسے برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے پروان چڑھایا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو پاکستان کے پورے طول و عرض میں سمجھ جاتی ہے، یہ وہ زبان ہے جس میں باقی صوبائی زبانوں کی نسبت بہت زیادہ اسلامی روایات موجود ہیں اور پھر یہ دیگر اسلامی ممالک کی زبانوں سے قریب تر بھی ہے۔ اور یہی ہماری زبان ہے۔ کسی طرح کی غلط فہمی میں نہ رہیں۔ (ملک کی) قومی زبان صرف ایک ہو سکتی ہے۔ اگر اس ملک کے مختلف صوبے کندھا ملا کر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو پھر میری رائے میں وہ زبان اردو ہی ہو سکتی ہے۔“

☆



۱۹۴۸ء : قائد اعظم ترکی کے پہلے سفیر کی اسناد سفارت قبول کرتے ہوئے

قائد فرماتے ہیں:

“

"I told them of the danger that a Hindu empire would represent for the Middle-East and assured them that Pakistan would tender co-operation to all nations struggling for freedom without consideration of race or colour... If a Hindu empire is achieved, it will mean the end of Islam in India, and even in other Muslim countries. There is no doubt that spiritual and religious ties bind us inexorably with Egypt. If we were drowned all will be drowned."

M.A.Jinnah

”میں نے ان کو آگاہ کیا کہ (پورے برصغیر پر مشتمل) ایک ہندو سلطنت مشرق وسطیٰ کیلئے کتنا بڑا خطرہ بن سکتی ہے، اور ان (عرب مسلمانوں کو) یقین دلایا کہ پاکستان بغیر کسی رنگ و نسل کی تفریق کے تمام اقوام کی جدوجہد آزادی میں ان کی بھرپور حمایت کرے گا۔۔۔ (برصغیر میں) اگر ایک ہندو سلطنت قائم ہو جاتی ہے تو اس کا نہ صرف یہ مطلب ہوگا کہ ہندوستان میں اسلام ختم ہو جائے گا، بلکہ کئی دوسرے مسلمان ممالک میں بھی یہ اسلام کی تباہی کا باعث بنے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روحانی اور مذہبی رشتے ہمیں محکم طور پر مصر کے ساتھ مضبوطی سے جوڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہم غرق ہوئے، تو سب (مسلم دنیا) غرق ہو گئے۔“

۱۹۴۶ء میں عرب نیوز کے ایک نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ ہندوستان میں ایک اسلامی کانفرنس کا انعقاد کیا جائے۔ قیام پاکستان کے ہنگاموں میں اور اس کے بعد استحکام پاکستان کی کوششوں کے دوران قائد کو اس اسلامی سربراہی کانفرنس کرانے کا موقع نہ ملا مگر اس خواہش کا اظہار اور مسلمان امت کیلئے بھرپور آواز آپ پاکستان کے سربراہ کی حیثیت سے ہمیشہ اٹھاتے رہے۔ اقوام متحدہ میں بھی مسئلہ فلسطین پر سب سے زیادہ سخت موقف قائد اعظم اور پاکستان کا ہی تھا۔

—★—



قائد اعظم، محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ اہرام مصر کی سیاحت کرتے ہوئے



۱۹۴۷ء: قائد اعظم، مصری صحافی کے ہمراہ خوشگوار موڈ میں

طلوع صبح آزادی.....!!!

ڈائریکٹ ایکشن ڈے قائد اعظم کا ایک انتہائی جارحانہ اور دلیرانہ اقدام تھا، کہ جس نے نفسیاتی طور پر تاج برطانیہ اور ہندو انتہا پسندوں کو مکمل طور پر شکست سے دوچار کر دیا۔ آج تک مسلمان صرف سیاسی جدوجہد کے ذریعے اپنے حقوق طلب کر رہے تھے، کہ جس کے نتیجے میں انگریزوں اور ہندوؤں کو یہ غلط فہمی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی کہ مسلمانوں پر زور اور زبردستی کر کے انہیں مطالبہ پاکستان سے دور رکھا جاسکتا ہے۔ مگر ڈائریکٹ ایکشن ڈے، میں مسلمانوں نے جس سرفروشی اور جانثاری سے مطالبہ پاکستان کیلئے اپنی جانیں قربان کیں، ہندو اکثریت کے خلاف مزاحمت کی اور تاج برطانیہ کے خلاف بغاوت کی، تو اس سے انگریز سرکار کو اب یہ پیغام دیا جا چکا تھا کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے علاوہ مسلمان کوئی اور حل قبول نہیں کریں گے، چاہے اس کیلئے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو جان مال اور عزت کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ انگریزوں کو اندازہ تو اچھی طرح تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اور ہندوستانی فوج میں ہونیوالی بغاوتوں کی وجہ سے وہ اب ہندوستان پر اپنا مزید قبضہ برقرار نہیں رکھ سکیں گے، مگر پھر بھی ان کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ مسلمان اس قدر جارحانہ اقدام اٹھا کر ہندوستان کی تقسیم کو اس قدر جلد ممکن بنا سکیں گے۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کی مسلح بغاوت کے بعد انگریز حکومت نے حتمی فیصلہ کر لیا کہ اب فوری طور پر ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ دو بڑے علاقے ایسے تھے کہ جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تقریباً برابر آبادی رکھتے تھے۔ ان کی تقسیم انگریز حکومت کیلئے بہت بڑا مسئلہ بن گئی تھی۔ ہندوستان میں موجود درجنوں نیم آزاد ریاستوں کو تو اختیار دیا گیا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کر لیں، مگر بنگال اور پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس مقصد کیلئے انگلستان کے ایک وکیل ریڈ کلف کو ہندوستان بلا یا گیا۔ مضحکہ خیز طور پر اس کو صرف آٹھ ہفتے دیئے گئے کہ وہ نقشہ پر لکیریں لگا کر پنجاب اور بنگال کے صوبوں کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تقسیم کرے۔ ریڈ کلف اس سے قبل زندگی میں کبھی ہندوستان نہیں آیا تھا، نہ وہ علاقے سے واقف تھا، نہ مقامی آبادی سے اور نہ ہی ان کے درمیان موجود اختلافات سے۔

DAWN

Karachi
Monday, September 11, 1947
7 Eng'ns, 1947
Editor: ALTAH HUSAIN

Printed by Quaid-i-Azam
Mohammad Ali Jinnah
Karachi

Refrigeration & Machinery Corp
3-Motion Building, Quaid-e-Azam Road, Karachi
Telephone No. 1010

THE QUAID-I-AZAM IS DEAD LONG LIVE PAKISTAN!

Government of Pakistan Gazette Extraordinary

THE PRIME MINISTER AND MEMBERS OF THE PARLIAMENT ANNOUNCE WITH DEEP SORROW AND GRIEF THE DEATH OF QUAD-I-AZAM, THE FATHER OF THE NATION, WHO PASSED AWAY AT 11:00 P.M. ON SATURDAY SEPTEMBER 9, 1947, AT HIS RESIDENCE, 10, BANGALORE ROAD, KARACHI. HIS DEATH WAS A GREAT LOSS TO THE NATION. HIS SERVICES TO THE NATION AND TO THE CAUSE OF INDEPENDENT PAKISTAN WILL BE REMEMBERED BY THE PEOPLE OF PAKISTAN.

FUNERAL TODAY: "BE DISCIPLINED"

AN OFFICIAL FROM THE GOVERNMENT OF PAKISTAN REQUESTS THE PEOPLE OF PAKISTAN TO ANNOUNCE A DAY OF MOURNING FOR THE DEATH OF QUAD-I-AZAM AT 11:00 P.M. ON SUNDAY, SEPTEMBER 14, 1947.

THE FUNERAL PRAYER WILL BE HELD AT 11:00 A.M. ON SUNDAY, SEPTEMBER 14, 1947, AT THE GOVERNMENT GROUND, KARACHI.

THE PRIME MINISTER AND MEMBERS OF THE PARLIAMENT WILL BE PRESENT AT THE FUNERAL PRAYER.

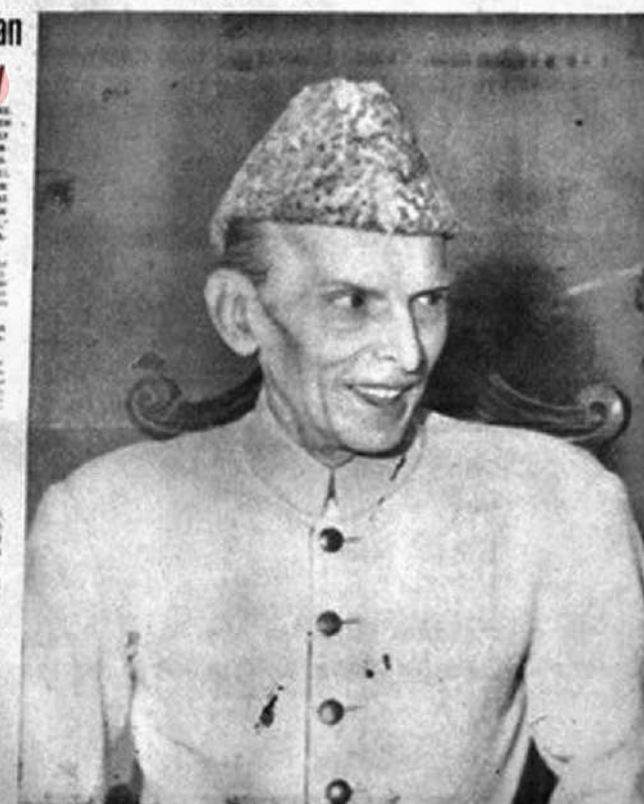
THE GOVERNMENT REQUESTS THE PEOPLE OF PAKISTAN TO BE DISCIPLINED AT THE FUNERAL PRAYER.

How it Happened

THE QUAID-I-AZAM, THE FATHER OF THE NATION, PASSED AWAY AT 11:00 P.M. ON SATURDAY, SEPTEMBER 9, 1947, AT HIS RESIDENCE, 10, BANGALORE ROAD, KARACHI. HIS DEATH WAS A GREAT LOSS TO THE NATION. HIS SERVICES TO THE NATION AND TO THE CAUSE OF INDEPENDENT PAKISTAN WILL BE REMEMBERED BY THE PEOPLE OF PAKISTAN.

West Punjab Premier's message

THE WEST PUNJAB PREMIER HAS BEEN ADVISED BY THE GOVERNMENT OF PAKISTAN THAT THE QUAID-I-AZAM HAS PASSED AWAY. HE HAS REQUESTED THE PEOPLE OF WEST PUNJAB TO ANNOUNCE A DAY OF MOURNING FOR THE DEATH OF QUAD-I-AZAM AT 11:00 P.M. ON SUNDAY, SEPTEMBER 14, 1947.



Inna Lillahi wa inna ilaihi raji'un
(To God we belong, and to Him is our return)

Prime Minister's Message to Nation

"GOD HAS TAKEN THE HAND OF THE GREAT LEADER OF THE NATION, THE FATHER OF PAKISTAN, MUHAMMAD ALI JINNAH. HIS DEATH IS A GREAT LOSS TO THE NATION. HIS SERVICES TO THE NATION AND TO THE CAUSE OF INDEPENDENT PAKISTAN WILL BE REMEMBERED BY THE PEOPLE OF PAKISTAN."

Special issues of Dawn
will be published today
carrying latest news
as it comes

تقریر کے دوران انکی آواز بمشکل سنائی دیتی تھی اور کمزوری اور نفاس کے مارے وہ بولتے، رک جاتے اور کھانسنے لگتے تھے۔ جب ہم گورنر جنرل ہاؤس واپس پہنچے تو وہ جوتوں اور سوٹ سمیت ہی بستر پر گر پڑے۔ اسی شام امریکی سفیر کی طرف سے دیئے جانے والے استقبالیے میں آپ کو شریک ہونا تھا۔ اس دعوت کو رد کرانے کے سلسلہ میں میری کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ پارٹی میں موجود مہمانوں سے باتیں کرتے اور مسکراتے ہوئے انہوں نے اپنی تھکن اور کمزوری کا کوئی احساس نہ ہونے دیا۔ بہر حال ویسے یہ آخری سماجی مصروفیت تھی، جس میں قائد اعظم نے شرکت کی۔

کراچی میں پانچ دن کے قیام کے بعد ہم ہوائی جہاز سے کوئٹہ واپس پہنچے۔ ہوائی سفر کی صعوبتوں سے وہ بظاہر متاثر تو نہ ہوئے، لیکن اگلے ہی دن نفاس کے آثار نظر آنے لگے اور ہلکا سا بخار بھی عود کر آیا۔ کوئٹہ میں مختلف اداروں اور سیاسی و سماجی شخصیات کی جانب سے دعوتوں کی درخواستیں آنا شروع ہو گئیں۔ صورتحال کچھ ایسی تھی کہ انکار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، لیکن اس بات سے قائد اعظم کچھ اتنے پر مردہ ہوئے کہ انہوں نے زیارت جانے کا فیصلہ کر لیا جو کوئٹہ سے چند میل کے فاصلہ پر زیادہ ٹھنڈا اور پرسکون مقام ہے۔

زیارت کی ریزیڈنسی ہماری قیام گاہ تھی۔ یہ ایک قدیم مگر دلفریب و منزلہ عمارت ہے۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے کوئی فوجی چوکی کسی ٹیلے پر واقع ہو۔ یہاں وسیع و عریض لان اور باغات ہیں۔ پھل دار درختوں اور حسین پھولوں کی کھار یوں کا ایک جھنڈا اس علاقہ کی دلکشی اور حسن میں چار چند لگاتا ہے۔ قائد اعظم دیکھتے ہی اس کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔

کمشنر کوئٹہ کی بیگم مسز خان سے مجھے پتہ چلا کہ ڈاکٹر ریاض علی شاہ جو کہ سینے کی بیماریوں کے ماہر تھے، اپنے ایک مریض کو دیکھنے زیارت آئے ہوئے ہیں۔ مسز خان نے تجویز پیش کی کہ قائد اعظم کا معائنہ ڈاکٹر شاہ سے کروایا جائے۔ جب میں نے اس خیال کا اظہار بھائی سے کیا تو انہوں نے پروز طریقہ سے مخالفت کی اور کہا کہ انہیں کوئی مہلک بیماری نہیں ہے۔ البتہ اگر ان کا ہاضمہ درست ہو جائے تو وہ جلد ہی چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ لیکن چند دنوں کے بعد جب انہوں نے اپنی کیفیت میں کوئی افادہ محسوس نہ کیا تو پھر طبی امداد حاصل کرنے کے بارے میں پہلی مرتبہ خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر قائد اعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین کو ہدایت کی کہ وہ سیکرٹری جنرل چوہدری محمد علی کو ٹیلی فون کریں اور لاہور کے مشہور ڈاکٹر کرنل الہی بخش کو وہاں بلوانے کا فوری بندوبست کریں۔ یہ ۲۱ جولائی، ۱۹۴۸ء کا دن تھا۔

پیغام بھیج دینے کے بعد ہم بے چینی سے ڈاکٹر کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ قائد اعظم کی حالت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ مگر ان کا ذہن اب بھی بیدار تھا۔ وہ مجھے سے نئے آئین، تنازعہ کشمیر اور مہاجرین کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے مگر جو چیز انہیں سب سے زیادہ پریشان کیے ہوئے تھی وہ یہ تھی کہ ان کے پاس وقت اور طاقت بہت کم رہ گئی ہے جبکہ اتنے سارے کام کرنے ابھی باقی ہیں۔

جمعہ ۲۳ جولائی کو بعد از دوپہر کرنل الہی بخش زیارت آ گئے۔ اگلی صبح میں کرنل الہی بخش کو ساتھ لے کر قائد اعظم کے پاس گئی اس سے پہلے کہ ڈاکٹر ان سے کوئی سوال کرتا انہوں نے کہا: ”امید ہے تمہارا سفر اچھا گزارا ہوگا، ڈاکٹر“۔





کرنل الہی بخش



قائد اعظم کے طبیب ڈاکٹر ریاض علی شاہ، محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ

اسکے بعد قائد اعظم نے ۱۹۳۴ء سے لیکر اب تک کی بیماریوں اور تکلیف کے بارے میں مختصراً ڈاکٹر کو بتایا۔ ساتھ یہ بھی کہ ان کی حالت ٹھیک ہے سوائے ہاضمے کے۔ ”میں پچھلے چودہ سال سے چودہ گھنٹے روزانہ کام کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے میں کبھی بیمار نہیں پڑا سوائے گزشتہ چند سالوں میں جب مجھے اکثر بخار اور کھانسی کی تکلیف رہی۔ تھوڑے سے آرام سے میری طبیعت ٹھیک ہو جاتی ہے۔ لیکن اب یہ بخار اور کھانسی کچھ زیادہ دیر پا اور طویل ہو گئی ہے۔“ ان چند جملوں کی ادائیگی نے ہی قائد کو نڈھال کر دیا۔۔۔

کرنل الہی بخش نے اچھی طرح معائنہ کے بعد کہا: ”جناب! آپ کا پیٹ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن میں آپ کے سینے اور پیچڑوں کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ پہلے میں ماہرین سے آپ کے خون اور بلغم کے معائنہ کرواؤں گا۔ آپ کو زیادہ مقوی غذاؤں کی ضرورت ہے۔۔۔۔“

اگلی صبح کوئی کے سول سرجن ڈاکٹر صدیقی اور ڈاکٹر محمود آئے جنہوں نے ان کے خون اور بلغم کا نمونہ لیا۔ اسی دوپہر کو میں نے ایک حوصلہ شکن خبر سنی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ کرنل الہی بخش خود قائد اعظم کو یہ خبر پہنچائیں۔ ”جناب! ہم نے جو ٹیسٹ لیے ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ آپ کے پیچڑوں میں انفیکشن ہے۔ قائد اعظم نے خاموشی سے ان کی بات سنی اور کہا: ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے تپ دق ہے۔“

کرنل الہی بخش کی درخواست پر لاہور سے ڈاکٹر ریاض علی شاہ سیدہ کے امراض کے ماہر، ڈاکٹر عالم ایکس رے کے ماہر، اور ڈاکٹر غلام محمد کلینکل پیتھالوجی کے ماہر، اپنے عملے کے ساتھ پہنچے۔ ان کے معائنوں اور ٹیسٹ نے کرنل الہی بخش کی تشخیص کی تصدیق کی۔ ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ قائد اعظم کی دیکھ بھال کیلئے ایک اہل نرس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پہلے تو قائد نے انکار کیا، کہ یہ پیسے کا ضیاع ہوگا، لیکن پھر مان گئے کہ فاطمہ جناح دن رات ان کی خدمت کر کے تھک چکی ہوگی۔

سسٹرنس ڈسٹنٹ کو قائد کی نرس کے طور پر خدمات دیں گئیں۔ انہوں نے بخوبی اپنے فرض کو نبھایا۔ قائد کی غذا کا بھرپور خیال رکھا اب





قائد کی طبیعت سنبھل رہی تھی۔۔۔

۱۲ اگست کو عید الفطر کا دن تھا اور قائد اعظم قوم کے نام اپنا پیغام لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ ان کا عوام کے نام آخری مراسلہ تھا۔ قائد نے اپنے پیغام میں لکھا:

”ہم صرف اپنی متحدہ کوششوں اور اپنے مقدر میں یقین کی بناء پر اپنے خوابوں کے پاکستان کو ٹھوس حقیقت میں تبدیل کر سکیں گے۔۔۔ گزشتہ عید الفطر جو قیام پاکستان کے فوراً بعد آئی تھی، مشرقی پنجاب کے المناک واقعات کے باعث ہمارے لیے اپنے ساتھ لانے والی خوشیاں کھو چکی تھی۔ گزشتہ سال کے خونی واقعات اور ان کے نتیجے میں..... لاکھوں لوگ اپنے گھروں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، ان واقعات نے ایک بہت محیط مصیبت کھڑی کر دی۔ بے گھر انسانوں کو نئے سرے سے آباد کرنے میں ہماری تمام تر توانائیاں صرف ہو گئیں تھیں، اور ہمارے وسائل اختتام کی آخری حدود کو چھونے لگے۔ اس کام کی شدت اور وسعت نے ہم سب کو



بری طرح متاثر کیا تھا اور مشکلات کے سیلاب میں صرف ہمارے سر ہی پانی سے باہر رہ گئے تھے۔ ۱۲ ماہ کا مختصر عرصہ تمام مہاجرین کو، جو پاکستان میں آچکے تھے، منافع بخش روزگار مہیا کرنے کیلئے کافی نہیں تھا۔ ان کی دوبارہ بحالی کیلئے خاطر خواہ کام کیا جا چکا ہے، مگر ان کی کافی تعداد کو بحال کرنے کا کام ابھی باقی ہے۔ ہم اس وقت تک خوشی نہیں مناسکتے جب تک ان میں سے ہر ایک دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو جاتا۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ اگلی عید تک یہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ حل کر لیا جائے گا اور تمام مہاجرین کو پاکستانی معیشت میں مفید شہریوں کی حیثیت سے جذب کر لیا جائے گا۔

برادر مسلم ممالک کیلئے میرا پیغام عید دوستی اور خیر سگالی پر مبنی ہے، ہم سب ایک خطرناک دور سے گزر رہے ہیں۔ طاقت کی سیاست کا ڈرامہ جو فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں کھیلا جا رہا ہے، اس سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ صرف ایک متحدہ محاذ کے قیام کے ذریعے ہی ہماری آواز دنیا کے ایوانوں میں سنی جاسکتی ہے۔ چنانچہ میں آپ سے اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اسے خواہ کوئی بھی زبان دیں، مگر میرے مشورے کی روح یہ ہے: ”ہر مسلمان کو دیانت داری، خلوص اور بے غرضی سے پاکستان کی خدمت کرنی چاہیے۔“

اگست کے آخر تک قائد اعظم زندگی میں دلچسپی کھو بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے: ”فاطمہ! اب میں مزید زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ جتنی جلدی میری سانسوں کا سلسلہ رک جائے اتنا ہی اچھا ہے۔“

پہلی ستمبر کو کرنل الہی بخش بڑے اداس نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: ”قائد اعظم کو جریان خون کا مرض لاحق ہو چکا ہے۔ میں حقیقتاً پریشان ہوں۔ ہمیں انہیں کراچی لے جانا چاہیے۔ اب کوئٹہ کی بلندی بھی ان کے لیے اچھی نہیں ہے۔“

ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اب ان کا بچنا معجزہ سے کم نہ ہوگا۔ جب میں نے اپنے بھائی کو نئے پروگرام کے بارے میں بتایا کہ تو انہوں نے کہا: ”ہاں! ٹھیک ہے۔ مجھے کراچی لے چلو۔ میں وہاں پیدا ہوا تھا، وہیں دفن بھی ہونا چاہتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گئے۔ لیکن ان کی نیند بے چین اور بے ربط تھی۔ وقتاً فوقتاً ان کے ہونٹوں سے دے دے الفاظ سنائی دیتے۔ وہ بڑا ر ہے تھے: ”کشمیر۔۔۔ انہیں۔۔۔ حقوق دو۔۔۔ انہیں۔۔۔ ہر قسم کی امداد فراہم کرو۔۔۔ پاکستان۔“



پی اے ایف میوزیم کراچی میں کھڑا قائد کا طیارہ وائی کنگ

غالباً چار پانچ میل کا سفر طے ہوا تھا کہ ایسبولینس نے ایک ہچکولہ سا کھایا اور یکدم رک گئی۔ پانچ منٹ کے بعد میں باہر نکلی تو پتہ چلا کہ گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ ڈرائیور نے انجن کو بار بار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی، مگر بے سود۔ جب میں دوبارہ ایسبولینس میں اخل ہوئی تو قائد اعظم کی پکوں میں آہستگی سے حرکت ہوئی اور انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔ میں نے ان پر جھکتے ہوئے بتایا کہ انجن بند ہو گیا ہے۔ انہوں نے خاموشی سے آنکھیں بند کر لیں۔

عموماً کراچی میں تیز ہوا چلا کرتی ہے کہ جو درجہ حرارت کو کم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔۔۔ مگر اس دن ہوا کی ہوئی تھی، اور گرمی ناقابل برداشت تھی۔۔۔ سسٹر ڈینم اور میں باری باری قائد اعظم کو پکھا جھلتے رہے۔ ساتھ ہی دوسری ایسبولینس کا بھی انتظار جاری تھا۔ کیڈی لاک میں انہیں نہیں لے جایا جاسکتا تھا کیونکہ اتنی بڑی نہ تھی کہ اس میں اسٹریچر جاسکے۔ ہر لمحہ قیامت کا لمحہ تھا۔

قریب ہی مہاجرین کی بے شمار جھونپڑیاں آباد تھیں اور لوگ اپنے کاموں میں مصروف نظر آرہے تھے۔ اس بات سے لاعلم کہ ان کا قائد اعظم جس نے انہیں ایک وطن دیا تھا اس وقت ان کے پاس بے بس و مجبور پڑا ہوا ہے۔ گاڑیاں ہارن بجاتے ہوئے گزر رہی تھیں، بسیں اور ٹرک بھی شور مچاتے چلے جا رہے تھے اور ہم وہاں ایک ایسی ایسبولینس میں بے حس و حرکت پڑے تھے جس نے ایک انچ بھی آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا، قائد اعظم کی قیمتی زندگی کی گھڑیوں کے برابر کم ہونے کی پروا کیے بغیر۔

ان کے جہاز وائی کنگ کو فوراً کونڈینسنگ کا حکم دیا گیا اور ڈاکٹروں نے اسے تھیر کو فیصلہ کیا کہ ہم لوگوں کو کراچی کے لیے دو بجے ہوائی اڈہ پر پہنچ جانا چاہیے۔ جس وقت ان کو اسٹریچر پر ڈال کر جہاز کے کیبن میں لایا گیا تو پائلٹ اور جہاز کے عملہ نے ایک قطار میں کھڑے ہو کر انہیں سلامی دی۔ انہوں نے جواباً آہستگی سے اپنا تحیف بازو ہلایا۔۔۔

پائلٹ نے ہمیں آگاہ کیا کہ کچھ دیر تک اسے سات ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرنا پڑے گا۔ بلوچستان کے پہاڑی علاقے کے ختم ہونے کے بعد جہاز کی بلندی پانچ ہزار فٹ ہوگئی۔ آکسیجن کی نالیاں اور گیس ماسک تیار رکھے گئے تھے۔ جب وائی کنگ نے بلندی پر چڑھنا شروع کیا تو قائد اعظم کے لیے سانس لینا دو بھر ہونے لگا۔ اور میں نے ان کے منہ اور ناک سے گیس ماسک لگا دیا۔ کچھ دیر تک وہ آکسیجن لیتے رہے پھر انہوں نے گیس ماسک کو پرے کر دیا جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ یہ سب بیکار ہے۔۔۔

تقریباً دو گھنٹے پرواز کے بعد ہم ماڑی پور کے ہوائی اڈہ پر سوا چار بجے اترے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں آج سے ایک سال قبل قائد اعظم امید اور اعتماد کے ساتھ ہوائی جہاز سے اترے تھے اور پاکستان کو ایک عظیم ملک بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان گنت لوگوں، کاہنہ کے ممبران اور سفراء نے ان کا استقبال کیا تھا، لیکن آج پیشگی ہدایات کے مطابق ہوائی اڈہ سنسان اور ویران پڑا تھا۔ البتہ گورنر جنرل کے ملٹری سیکرٹری کرنل نولس ہمارا خیر مقدم کرنے کے لیے وہاں موجود تھے۔ قائد اعظم کو ایک سٹریچر پر لٹا کر ایک فوجی ایسبولینس میں رکھا گیا جس میں انہیں گورنر جنرل ہاؤس لے جانا تھا۔ ایسبولینس میں میرے علاوہ سسٹر ڈینم بھی تھیں۔ گاڑی بہت سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہماری پارٹی کے دوسرے ارکان کاروں میں سفر کر رہے تھے۔ صرف کرنل الپی بخش، ڈاکٹر مستری اور ملٹری سیکرٹری گورنر جنرل کی کیڈی لاک کار میں ہماری ایسبولینس کے پیچھے آ رہے تھے۔



قائد کے انتقال کے پرغ موقع پر آپ کی ہمیشہ محترمہ فاطمہ جناح اور بیٹی دیندہ

ہمیں ایک گھنٹہ سے زائد انتظار کرنا پڑا۔ یہ میری زندگی کا سب سے طویل اور اذیتناک گھنٹہ تھا۔ آخر دوسری ایسبوی لینس آئی۔ ان کا اسٹریچر اس میں منتقل ہوا اور ہم گورنر جنرل ہاؤس کی طرف روانہ ہوئے۔ گھر پہنچ کر جب انہیں اسٹریچر سے اتار کر بستر پر لٹایا گیا، کرنل الہی بخش کی گھڑی دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ماڑی پوری سے گورنر جنرل ہاؤس تک پہنچنے میں ہمیں دو گھنٹوں سے زیادہ وقت لگا تھا۔

گھر پہنچتے ہی وہ سو گئے۔ اور ڈاکٹر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے کہ وہ تھوڑی دیر میں واپس آجائیں گے۔ اب میں اپنے بھائی کے ساتھ بالکل اکیلی تھی جو بڑے آرام و سکون سے سو رہے تھے۔ اتنے سکون سے سوتے ہوئے میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔ وہ اسی طرح تقریباً دو گھنٹے تک متواتر سوتے رہے۔ اور پھر اچانک انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں، میری طرف دیکھا اور اپنے سر کو اس طرح جنبش دی کہ میں ان کے قریب آجاؤں۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ میرے ہوش و حواس گم ہو گئے جب انہوں نے سرگوشی میں کہا: ”فاطمی۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔“ ان کا سر جائیں جانب جھک گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔۔۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔





رخصت اے بزم جہاں

قائد کے آخری ایام میں ان کے ساتھ یا تو ان تو بہن محترمہ فاطمہ جناح تھیں یا قائد کے دو معالجین: کرنل الہی بخش اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ۔ دو ڈاکٹروں نے اپنی اپنی یادداشتوں پر مبنی کتابچے بھی تحریر کیے ہیں۔ قائد اعظم نے اپنے آخری ایام میں پاکستان اور امت مسلمہ کے بارے میں اپنے معالجین سے جو گفتگو کی، وہ قائد کے عظیم الشان کردار کی ایک حیرت انگیز جھلک بھی ہے، اور اسلام اور پاکستان سے ان کے عشق کی ایک بے مثال داستان بھی۔ زیارت میں اپنی بیماری کے دوران قائد نے اپنے معالجین کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ ایسے ماحول میں کہ جہاں کوئی تکلف اور رکھ رکھاؤ کی الجھنیں نہ ہوں، اور قائد کو اندازہ تھا کہ اب ان کے پاس چند گھنٹیاں ہی باقی ہیں، تو انہوں نے ان تمام خیالات کا اظہار کھل کر کیا کہ جو وہ عام طور پر سیاسی جلسوں یا دیگر اجلاسوں میں نہ کرتے ہوں۔ امت مسلمہ کا عظیم ترین سپہ سالار کتنا عظیم تھا؟ اس کا اندازہ شاید ابھی تک اس کی اپنی قوم کو بھی نہیں ہے۔ دونوں ڈاکٹروں کی کتابوں میں سے ہم نے قائد کے منتخب بیانات کو اپنی نوجوان نسل کیلئے یہاں جمع کیا ہے۔ قائد اپنے وجود میں کس قدر دکھ اور درد سمیٹے ہوئے تھے، اور آپ کو تعمیر پاکستان پر اللہ کے کرم اور احسان کا کس قدر احساس تھا، قائد کے ان بیانات سے یہ پوری طرح چھلک رہا ہے۔

قائد اعظم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ آواز بلند ہوتی گئی۔

”یہ مشیت ایزدی ہے۔ یہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا روحانی فیضان ہے کہ جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ دار نے قرطاس ہند سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی۔ آج وہ قوم آزاد ہے۔ اس کا اپنا ملک ہے۔ اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی حکومت اور اپنا سکہ ہے اور اپنا آئین و دستور ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا اور کوئی انعام ہو سکتا ہے۔ یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ خداوند تعالیٰ



نے رسول اکرم ﷺ سے کیا تھا، کہ اگر تیری امت نے صراطِ مستقیم کو اپنے لیے منتخب کر لیا تو ہم اسے زمین کی بادشاہت دیں گے۔ خدا کے اس انعامِ عظیم کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ پاکستان خداوند کا تحفہ ہے اور اس تحفہ کی حفاظت ہر پاکستانی مرد و زن، بچے، بوڑھے، اور جوان کا فرض ہے۔ اگر مسلمان نیک نیتی، دیانت داری، خلوص، نظم و ضبط اور اعمال و افعال صالح سے دن رات کام کرتے رہے، ان میں بدی، نفاق، جاہ طلبی اور ذاتی مفاد کا جذبہ پیدا نہ ہوا تو انشاء اللہ، وہ چند سالوں میں ہی دنیا کی بڑی قوموں میں شمار ہونے لگیں گے۔ ان کا ملک امن و آشتی، تہذیب و تمدن، ثقافت و شرافت کا مرکز ہوگا اور اس کی حدود سے ترقی کی شعائیں نکل کر سارے ایشیاء کی رہنمائی اور رہبری کریں گی اور ایشیاء کو امن و آشتی اور ترقی کا راستہ دکھائیں گی۔“

”پاکستان ایک زندہ حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس کا دوست اور دشمن، سب ہی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستان بن چکا ہے۔ پاکستان کا مستقبل درخشندہ ہے۔“

میری روح کو تسکین ہے۔ میرے دل کو اطمینان ہے کہ ہر عظیم ہند میں مسلمان غلام نہیں، بلکہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد مملکت کے مالک ہیں۔ آج وہ ایک ایسی مملکت کے مالک ہیں جس کے وسائل و ذرائع لامحدود ہیں۔ آج ان کا اپنا وطن ہے۔ آزاد اور خود مختار وطن جس کی ترقی کی شاہراہیں وسیع ہیں۔ جس کا مستقبل روشن ہے۔ انشاء اللہ۔ مستقبل قریب میں پاکستان دنیا کا عظیم ترین ملک بن جائے گا۔“

”پاکستان کو خدا نے ہر چیز دے رکھی ہے۔ معدنیات، زراعت کے وسیع وسائل، اقتصادیات کی ترقی کے روشن امکانات، ملک کو صنعتی بنانے کے ذرائع، ہر چیز پاکستان میں موجود ہے۔ قدرت کی فیاضی نے اس ملک کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ لیکن ضرورت محنت، خلوص اور دیانت داری کی ہے۔ اگر پاکستانی مسلمانوں میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں۔“

کسی قدر توقف کے بعد۔

”انشاء اللہ، میری قوم میں یہ اوصاف پیدا ہو کر رہیں گے۔ میں مسلمانوں سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ اسلام کی تعلیمات میں مایوسی کا لفظ تک نہیں۔ زندہ قوموں کو انتہائی مصائب اور مشکلات میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مصائب و آلام کی آندھیوں، مشکلوں کے

طوفانوں، دشمن کی مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ خدا ہمیشہ ان قوموں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جنہیں وہ زمین کی خلافت سونپنا کرتا ہے۔ میں جانتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ صدیوں کی غلامی سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ اب وہ ایک آزاد قوم ہیں۔ انہیں آزاد قوم کی طرح ملک کی تعمیر میں حصہ لینا چاہیے۔ جب بھی مسلمانوں میں یہ احساس بیدار ہو گیا اور وہ محسوس کرنے لگے کہ وہ آزاد ہو چکے ہیں تو اس کے بعد پاکستان کے عظیم ملک بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔“

”آج سے چند سال قبل پاکستان ایک شاعر کے دماغ کا تخیل تھا۔ دنیا نے اس کا تمسخر اڑایا۔ اپنوں اور بیگانوں نے اسے سیاسی مذاق سمجھا۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ پاکستان ایک حقیقت ہے۔ وہ قوم کے قلوب سے نکلی ہوئی آواز تھی جس نے حقیقت کا جامہ پہن لیا۔ دنیا کی تاریخ پاکستان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کبھی کسی قوم نے جنگ و جدل کے بغیر پاکستان کی طرح آزادی حاصل نہیں کی ہوگی۔ تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ آٹھ سال کی قلیل مدت میں مسلسل اور پیہم کشمکش کے بعد پاکستان وجود میں آ گیا۔ وہ نعرہ جو زبانوں پر رواں تھا، حقیقت بن کر دنیا کے نقشہ پر ظاہر ہو گیا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا ملک اور ایسی قوم ہے جس کے پاس دنیا کا کوئی خطہ نہ ہو۔ اسلحہ نہ ہو، فوج نہ ہو، قانون اور نظم و نسق پر اختیار نہ ہو، دولت اور علم نہ ہو اور پھر اس نے آزادی حاصل کی ہو۔ ایک عظیم مملکت کی بنیاد رکھی ہو۔“

”ترکی کی مثال دی جاتی ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ ترکوں کے پاس لڑنے والے سپاہی تھے، اسلحہ تھا، نظم و نسق چلانے والے دماغ تھے، وہ حکومت کا تجربہ رکھتے تھے۔ پھر وہ ایک علاقہ پر قابض تھے۔ جسے مستقر بنا کر انہوں نے طاغوتی طاقتوں کے خلاف یلغار کی اور انہیں ترکی کی سرزمین سے نکال باہر کیا۔ ہمارے پاس ایک انچ زمین نہ تھی کہ جسے ہم اپنا مستقر بنا سکتے۔ سب کچھ خدا کی دین ہے، اس کا انعام جو اس نے مسلمانان ہندوستان کو دیا۔ دو صدیوں کی غلامی کے بعد آج وہ پھر آزاد ہیں۔ اس آزادی کا تحفظ اب مسلمانوں کا کام ہے۔ اس ملک کی ترقی اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ ان میں مکمل یکجہتی، اتحاد اور تعاون ہونا چاہیے۔ ایثار قربانی اور ایک دوسرے کی غلط کاریوں اور لغزشوں سے درگزر کرنے اور اصلاح کرنے کی سپرٹ ہونی چاہیے۔ اگر مسلمانوں نے نظم و ضبط، ایثار قربانی، خلوص و دیانت سے کام کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ ملک چند سالوں میں ہی دنیا کا عظیم ترین ملک نہ بن جائے اور اس قابل ہو جائے گا کہ سیاسی میدان میں ایشیاء کی رہنمائی کر سکے۔“

”پاکستان میں مردم خیزی کی صلاحیت موجود ہے۔ بہترین دل و دماغ کے انسانوں کی کمی نہیں ہے۔ ذرا دماغوں پر زنگ آ گیا ہے۔ جب یزنگ اترے گا، پاکستان ایسے ایسے گوہر ہائے گراں قدر پیدا کرے گا جن کی فراست و سیاست و فہم تدبیر، ایجادات و اختراعات قابل

اس وقت قائد اعظمؒ کی چمک دار آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے اور آواز لرز گئی تھی اور فرمانے لگے:

”گھبراؤ نہیں۔ خدا پر اعتماد رکھو۔ اپنی صفوں میں کچی نہ آنے دو اور انتشار نہ پیدا ہونے دینا۔ دیانت اور خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ ملت کے مفاد پر ذاتی مفاد کو کبھی ترجیح نہ دو۔ انشاء اللہ، اللہ تمہیں مجھ سے زیادہ عقل اور ذہین رہنمائی عطا کرے گا جو کشتی امت مرحوم کو مشکلات کے بھنور سے نکال کر ساحل مراد تک کامیابی سے پہنچا دے گا۔“

قائد اعظمؒ کی ایک آنکھ سے ایک موٹا سا چمکدار آنسو سہری پرگرا اور انہوں نے مکمل سے منہ ڈھانپ لیا، ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ فرمانے لگے:

”اے خدا! تو نے ہی مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے اور اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے۔ کمزور ہے۔ ابھی اس کی صفوں میں کچی بھی دور نہیں ہوئی۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تو ہی اس کا حامی و ناصر ہے۔“

صدر رشک و تحسین ہوں گی۔ مسلمان محکوم رہے ہیں۔ انگریز اور ہندو کے ناپاک گٹھ جوڑنے مسلمان کو ذہنی طور پر ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔ ان کی صلاحیتوں کو ہر طریقہ سے دبانی کی کوشش کی اور انہیں موقع نہیں مل سکا کہ وہ اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر سکتے۔ گزشتہ دو صدی میں انگریز کی یہ حکمت رہی ہے کہ مسلمانوں کو کسی شعبہ میں ابھرنے نہ دیا جائے۔ تمام کلیدی اسامیاں برطانوی عہد میں ہندوؤں کے پاس رہیں۔ سرکاری دفاتر اور اداروں میں ہندو چھائے رہے اور انہیں اعلیٰ انگریز افسروں کی ہمدردی اور حمایت حاصل رہی۔ ان ہندوؤں نے اول تو مسلمانوں کو اہم کاموں پر تعینات نہ ہونے دیا۔ اگر انہیں موقع مل گیا تو پھر وہ ہندو اور انگریز کے ناپاک گٹھ جوڑ اور سازش کا شکار ہو کر آگے نہ بڑھ سکے۔ تجارت اور صنعت کے میدان میں سرمایہ اور تعلیم کی کمی کے باعث مسلمان قوم آگے نہ بڑھ سکی۔ دشمنوں نے ہر میدان اور ہر شعبہ میں انہیں عضو معطل بنادیا۔ وہ مسلمان جنہوں نے ایک ہزار سال تک ہندوستان میں بلا شرکت غیرے ڈنکا بجایا تھا، غلام درغلام بن کر رہ گئے۔ لیکن اب قدرت نے انہیں موقع دیا ہے۔ وہ آزاد ہیں۔ ان کا ملک آزاد ہے۔ ان کی اپنی حکومت ہے۔ ان کے لیے تمام مواقع اور ذرائع موجود ہیں۔ جنہیں وہ کام میں لا کر ترقی کر سکتے ہیں۔ اب انہیں پاکستان کی آزاد فضا میں ہر وہ موقع میسر آئے گا جو کسی آزاد قوم کی تخلیق و تعمیر کا محرک ہو سکتا ہے۔ مسلمان سرمایہ داروں کو صنعت اور تجارت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ نوجوانوں کو اقتصادیات، الہیات، کیمیات، مالیات، سائنس کی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ سائنس کے میدان میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرنی چاہیے۔

قائد اعظمؒ نے نصاب تعلیم اور طریق تعلیم بدلنے پر بھی زور دیا۔ آپ نے فرمایا:

”موجودہ نصاب اور طریق تعلیم غلام سازی کے محرک ہیں۔ ملکی اور قومی نظریات کے مطابق انہیں قطعاً بدل دینا ہوگا اور نوجوانوں اور بچوں کو شروع سے ہی ان کے ذہنی رجحانات کے مطابق تعلیم و تربیت دینا ہوگی کیونکہ یہی ایک صورت ہے جس سے ملک و ملت کی تعمیر جدید ہو سکتی ہے۔“

”قائد اعظمؒ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور پھر بھرائی آواز میں فرمانے لگے:

”قدرت حالات کے مطابق ایسا آدی پیدا کر دیا کرتی ہے جس کی وقت اور حالات کو ضرورت ہوتی ہے۔“

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جب علامہ اقبالؒ نے امت مسلمہ کی قیادت کیلئے قائد اعظمؒ محمد علی جناح کا انتخاب کیا تو فرمایا کہ: *He is incorruptible & unpurchasable*، یعنی نہ تو اس کو خریدا جاسکتا ہے اور نہ ہی کبھی یہ مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرے گا۔ اقبالؒ کی فراست نے جس وجود کو مسلمانوں کی قیادت کے لیے منتخب کیا تھا، وہ حقیقت میں اس قابل تھا کہ اللہ اس عزت کے لیے پورے جہان میں سے اس کو منتخب کرے۔ قائد کا ذاتی کردار خلفائے راشدین اور قرون اولیٰ کی یاد تازہ کروا دیتا تھا۔ آج کے دور میں کہ جب سیاست صرف خیانت اور بدکاری کا دوسرا نام ہے، ایسے میں قائد کا ذاتی اخلاق اور کردار روشنی کا اس قدر بلند مینار ہے کہ جو آنے والی صدیوں تک اور پیدا ہونیوالی نسلوں کی زمانے کے اندھیرے راستوں میں منزل کی جانب رہنمائی کرتا رہے گا۔ یہاں پر ہم صرف چند مثالیں پیش کر رہے ہیں کہ جو ہماری موجودہ اور آئندہ نسل کیلئے ایسا حیرت انگیز، قابل تقلید نمونہ ہیں کہ جو ان کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ آنے والے دور میں امت مسلمہ کی قیادت کر سکیں۔

ایک مسلمان حکمران کیلئے جرأت، دلیری اور غیرت کی ضرورت بھی ہے اور صداقت، دیانت اور امانت کی بھی۔ اس کو ڈسپلن بھی مضبوط رکھنا ہوتا ہے، اور ملک و قوم و ملت کی عزت و آبرو کی حفاظت بھی کرنا ہوتی ہے۔ متکبر اور ظالم طاقتوں کے خلاف بھی کھڑا ہونا ہوتا ہے، اور اپنے آس پاس بسنے والے غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کا خیال بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس کو اپنے طرز زندگی کو اتنا سادہ بھی رکھنا ہوتا ہے کہ جو اس کی قوم پر بوجھ نہ بنے، اور وہ اس قوم کی خدمت تنخواہ کے لیے نہیں بلکہ سیدی رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی خدمت سمجھ کر کرتا ہو۔



قائد کو بی کا مرض لاحق تھا اور قائد کسی پر اپنے بیمار ہونے کا شبہ نہ ہونے دیتے۔ قائد تمام اہم اجلاسوں میں کھانستے تک نہیں تھے کہ ان کی بیماری کا کسی کو علم نہ ہو جائے۔ فاطمہ جناح فرماتی ہیں کہ جب وہ اجلاس میں شریک ہو کر گاڑی میں آتے تو غش کھا کر اس کے اندر گر جاتے۔ قائد جسمانی طور پر ختم ہو چکے تھے، محض قوت ارادی پر زندہ تھے۔

قائد کی گرتی ہوئی صحت کے باعث فاطمہ جناح نے اصرار فرمایا کہ اب آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ اس پر قائد نے فرمایا:

”کبھی میدان جنگ میں لڑائی کے دوران کسی جرنیل نے چھٹی لی ہے کہ میں لوں؟“

ایک مرتبہ کابینہ کا اجلاس ہونے والا تھا، قائد اعظم کے اے ڈی سی نے ان سے پوچھا کہ اجلاس کے شرکاء کو چائے پیش کی جائیگی یا کافی؟
قائد نے چہرہ اٹھا کر کڑی نظروں سے دیکھا اور جواب دیا:
”وزراء میں سے جو بھی چائے یا کافی کا خواہاں ہے وہ گھر سے یہ سب پی کر آیا کرے۔ قوم کا پیسہ قوم کی امانت ہے، ان وزراء کی جاگیر نہیں!!!“

ایک دفعہ برطانیہ کے سفیر نے آپ سے کہا کہ برطانیہ کے بادشاہ کا بھائی آرہا ہے آپ انہیں ایئر پورٹ لینے جائیں۔ قائد اعظم نے یہ شرط رکھی کہ میں تب ایئر پورٹ جاؤں گا اگر میرے بھائی کی برطانیہ آمد پر وہاں کا بادشاہ اسے لینے آئے۔

قائد بی کے عارضے میں مبتلا تھے۔ گورنر جنرل ہاؤس کراچی کے ایک حصہ میں پرانی طرز کا ایئر کنڈیشننگ سسٹم نصب تھا۔ قائد کی شدید علالت کے باعث انہیں مشورہ دیا گیا کہ وہ ایئر کنڈیشنڈ حصہ کو زیر استعمال لائیں۔ قائد نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرمایا کہ وہ ایک غریب ملک کے سربراہ ہیں، ان کا ملک اس عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

آل انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت جب ہندوستان کو فیڈریشن بنانے کی پیشکش کی گئی تو قائد ہی ہند کے سیاسی افق پر ایک ایسے سیاستدان تھے کہ جنہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر برطانوی وزیر اعظم لارڈ ریمزے میکڈالینڈ نے قائد اعظم کو ایک نجی گفتگو کیلئے مدعو کیا اور انہیں یہ کہہ کر خریدنے کی کوشش کی کہ:

”اگر سنہالارڈ کا خطاب حاصل کر سکتا ہے تو کوئی اور کیوں نہیں کر سکتا“۔ یعنی لالچ دی جا رہی تھی کہ اگر قائد فیڈریشن کے منصوبہ کی مخالفت ترک کر دیں تو انہیں لارڈ کا خطاب بھی مل جائے گا۔ اور انہیں صوبے کا گورنر بھی بنا دیا جائے گا۔ یہ سن کر قائد لارڈ ریمزے کے کمرے سے بے بلا تمہید اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس بات پر وزیر اعظم برطانیہ بڑا متعجب ہوا۔ وہ حیران ہو کر قائد کے ساتھ دروازے تک آیا اور جس وقت اس نے رخصتی کیلئے قائد سے مصافحہ کی غرض سے ہاتھ بڑھایا تو قائد نے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر برطانوی وزیر اعظم خجالت کے پسینے میں شرابور ہو گیا۔

اس نے پوچھا: ”آخر کیوں؟“

قائد نے سنجیدگی سے جواب دیا: ”اب میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا۔ آپ کے خیال میں میں کوئی بکاؤ مال ہوں۔“

ایک دفعہ سرکاری استعمال کے لئے سینتیس (۳۷) روپے کا فرنیچر لایا گیا۔ قائد اعظم نے لسٹ دیکھی تو دیکھا سات روپے کی کرسی اضافی آئی ہے، آپ نے پوچھا یہ کس لئے ہے تو کہا گیا کہ آپ کی بہن فاطمہ جناح کے لئے۔ آپ نے وہ کاٹ کے فرمایا کہ اس کے پیسے فاطمہ جناح سے لو۔

۳ مارچ کو قائدؒ نے ریلوے اسٹیشن کے سامنے واقعہ آسٹریلیا مسجد میں نماز عصر ادا کرنا تھی۔ جب تشریف لائے تو مرزا عبدالحمید تقریر فرما رہے تھے۔ مسجد نمازیوں سے کچھ کھینچ بھری ہوئی تھی۔ قائدؒ گاڑی سے نکل کر مسجد کی جانب بڑھے۔ تو اجتماع میں ہلچل پیدا ہوئی لیکن وہ فوراً سنبھل گئے۔ کیونکہ قائدؒ اعظمؒ نظم و ضبط کے معاملہ میں سخت تھے۔ قائدؒ مسجد کے بغلی دروازے سے داخل ہوئے تو اگلی صف تک جانے کا راستہ بن گیا۔ قائدؒ نے یہ کہتے ہوئے اگلی صف پر جانے سے انکار کر دیا کہ: ”میں آخر میں آیا ہوں اس لیے یہیں بیٹھوں گا۔“

یہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلی بار عید الاضحیٰ کا تہوار منایا جانا تھا۔ عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے مولوی مسافر خانہ کے نزدیک مسجد قضاہاں کو منتخب کیا گیا اور اس نماز کی امامت کا فریضہ مشہور عالم دین مولانا ظہور الحسن درس نے انجام دینا تھا۔ قائدؒ اعظمؒ کو نماز کے وقت سے مطلع کر دیا گیا۔ مگر قائدؒ اعظمؒ عید گاہ نہیں پہنچ پائے۔ اعلیٰ حکام نے مولانا ظہور الحسن درس کو مطلع کیا کہ قائدؒ اعظمؒ راستے میں ہیں اور چند ہی لمحات میں عید گاہ پہنچنے والے ہیں۔ انہوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ نماز کی ادائیگی کچھ وقت کے لیے موخر کر دیں۔ مولانا ظہور الحسن درس نے فرمایا ”میں قائدؒ اعظمؒ کے لیے نماز پڑھانے نہیں آیا ہوں بلکہ خدائے عزوجل کی نماز پڑھانے آیا ہوں“ چنانچہ انہوں نے صفوں کو درست کر کے تکبیر فرمادی۔ ابھی نماز عید کی پہلی رکعت شروع ہوئی ہی تھی کہ اتنے میں قائدؒ اعظمؒ بھی عید گاہ پہنچ گئے۔ نماز شروع ہو چکی تھی۔ قائدؒ اعظمؒ کے منتظر اعلیٰ حکام نے قائدؒ سے درخواست کی وہ اگلی صف میں تشریف لے چلیں مگر قائدؒ اعظمؒ نے ان کی درخواست مسترد کر دی اور کہا کہ میں کچھلی صف میں ہی نماز ادا کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قائدؒ اعظمؒ نے کچھلی صفوں میں نماز ادا کی۔ قائدؒ اعظمؒ کے برابر کھڑے نمازیوں کو بھی نماز کے بعد علم ہوا کہ ان کے برابر میں نماز ادا کرنے والا ریاست کا کوئی عام شہری نہیں بلکہ ریاست کا سربراہ تھا۔ قائدؒ اعظمؒ نمازیوں سے گلے ملنے کے بعد آگے تشریف لائے۔ انھوں نے مولانا ظہور الحسن درس کی جرات ایمانی کی تعریف کی اور کہا کہ ہمارے علماء کو ایسے ہی کردار کا حامل ہونا چاہیے۔

قائدؒ اعظمؒ جب بیمار تھے تو ایک خاتون نرس ان کی خدمت پر مامور تھیں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے میری بہت خدمت کی ہے بناؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں تو اس نے کہا کہ میری ٹرانسفر میرے آبائی شہر میں کروادیں تو آپ نے کہا کہ یہ میرا کام نہیں یہ وزارت صحت کا کام ہے۔

ایک دفعہ آپ گاڑی میں کہیں جا رہے تھے کہ ایک جگہ ریلوے ٹریک بند ہو گیا۔ آپ کا ڈرائیور اتر کے وہاں پر موجود شخص سے کہنے لگا کہ گورنر جنرل آئے ہیں ٹریک کھولو۔ مگر ہمارے عظیم لیڈر اور بانی پاکستان نے فرمایا کہ نہیں اسے بند رہنے دو۔ اگر میں قانون کی پاسداری نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا؟

وفات سے کچھ عرصہ قبل بابائے قوم نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔ یہ وہ آخری سرکاری تقریب تھی جس میں قائدؒ اعظمؒ اپنی علالت کے باوجود شریک ہوئے وہ ٹھیک وقت پر تقریب میں تشریف لائے انہوں نے دیکھا کہ شرکاء کی اگلی نشستیں ابھی تک خالی ہیں انہوں نے تقریب کے منتظمین کو پروگرام شروع کرنے کا کہا اور یہ حکم بھی دیا کہ خالی نشستیں ہٹادی جائیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور بعد کے آنے والے شرکاء کو کھڑے ہو کر تقریب کا حال دیکھنا پڑا۔ ان میں کئی دوسرے وزراء اور سرکاری افسروں کے ساتھ اس وقت کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان بھی شامل تھے۔ وہ بے حد شرمندہ تھے کہ ان کی ذرا سی غلطی قائدؒ اعظمؒ نے برداشت نہیں کی اور ایسی سزا دی جو کبھی نہ بھلائی گئی۔

جناب پیپرز میں جو قائد کی دستاویزات اور ریکارڈ چھپا ہے۔ وہ آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے۔ عوامی چندے کی آٹھ آٹھ آنے کی رسیدیں تک موجود ہیں کہ جن پر قائدؒ نے اپنے دستخطوں سے وصولی فرمائی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عوام اپنے قائد کی امانت اور دیانت پر بے پناہ بھروسہ کرتے تھے۔

قائدؒ کے اے ڈی سی بریگیڈیئر نور حسن جو قائد کی زندگی کے آخری ایام میں ان کے ہمراہ تھے۔ فرماتے ہیں کہ گھر میں قائدؒ کی عادت تھی کہ کھانے کے وقت وہ ایک ہی ٹیبل پر تمام ملازمین کے ہمراہ اکٹھے کھانا کھاتے تھے۔ بریگیڈیئر صاحب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ گھر کے سربراہ ہونے کے ناطے سب سے پہلے انہیں کھانا پیش کیا جاتا۔ اور وہ کھانے سے اپنی پلیٹ بھر لیتے۔ مگر کھاتے تھوڑا سا۔ بریگیڈیئر صاحب نے فاطمہ جناح سے اس مسئلے پر استفسار کیا تو فاطمہ جناح نے فرمایا کہ وہ اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ اگر گھر کا بڑا کم کھانا ڈالے گا تو اس کی دیکھا دیکھی بقیہ افراد بھی کم ڈالیں گے۔ لہذا وہ نہیں چاہتے کہ ان کی وجہ سے کوئی شخص بھوکا رہے۔

وکالت میں بھی قائد اعظمؒ کے کچھ اصول تھے جن سے وہ تجاوز نہیں کرتے تھے۔ وہ جائز معاوضہ لیتے تھے۔ مثلاً ایک تاجر ایک مقدمہ لے کر آیا۔

موکل: میں چاہتا ہوں کہ آپ اس مقدمہ میں میری وکالت کریں۔ آپ کی فیس کیا ہوگی۔

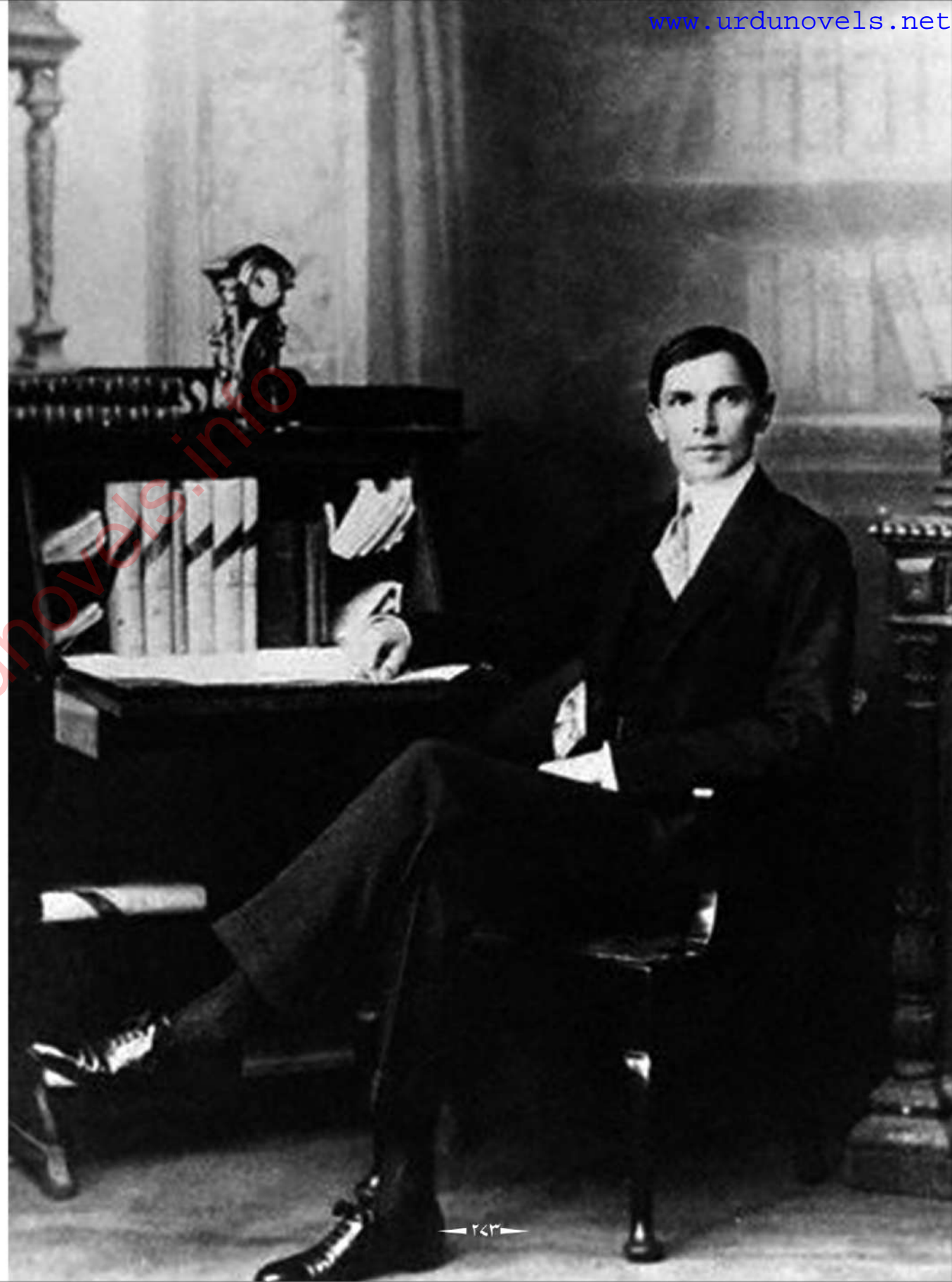
قائد اعظمؒ: میں مقدمے کے حساب سے نہیں، دن کے حساب سے فیس لیتا ہوں۔

موکل: کتنی؟ قائد اعظمؒ: پانچ سو روپے فی پیشی۔

موکل: میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں۔ آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔

قائد اعظمؒ: مجھے افسوس ہے کہ میں یہ مقدمہ نہیں لے سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مقدمہ طویل پکڑے اور یہ رقم ناکافی ہو۔ بہتر ہے کہ آپ کوئی اور وکیل کر لیں کیوں کہ میرا اصول ہے کہ میں فی پیشی فیس لیتا ہوں۔

چنانچہ قائد اعظمؒ نے اپنی شرط پر مقدمہ لڑا اور اپنی فراست سے مقدمہ تین پیشیوں ہی میں جیت لیا اور فیس کے صرف پندرہ سو روپے وصول کیے۔ تاجر نے اس کامیابی کی خوشی میں پورے پانچ ہزار پیش کرنا چاہے تو قائد اعظمؒ نے جواب دیا، ”میں نے اپنا حق لے لیا ہے۔“



قائد کا مذہب و مسلک

جدید دور میں قائد اعظمؒ کی ذات مبارک پر شدید حملے کیے جا رہے ہیں۔ کہیں قائد اعظمؒ کو سیکولر اور لادین ثابت کیا جاتا ہے، کہیں علامہ اقبالؒ کو قادیانی۔ کہیں قائد اعظمؒ کو مسلمان کے مرتبے سے نیچے گرا کر شیعہ اور سنی کی فرقہ واریت میں گھسیٹا جاتا ہے، تو کہیں انگریز کا ایجنٹ ثابت کیا جاتا ہے۔ مقصد ان تمام خرافات کا ایک ہی ہے: اللہ کے رسول ﷺ کے وہ سپاہی کہ جنہوں نے امت رسول ﷺ کی حفاظت کی، انہیں آنے والی نسلوں کیلئے متنازعہ بنا دیا جائے!

قائد اعظمؒ کے پیرو مرشد حضرت علامہ اقبالؒ ہیں۔ محمد علی جناحؒ کو ”قائد اعظمؒ“ بنانے والے یہی درویش وقت، صاحب نظر، صاحب بصیرت، عاشق رسول ﷺ ہیں۔ قائد اعظمؒ اسی عقیدے پر ہیں کہ جس پر علامہ اقبالؒ ہیں۔ مختلف مواقعوں پر قائد اعظمؒ نے بہت کھل کر حضرت علامہ اقبالؒ سے اپنا قلبی اور روحانی تعلق بیان کیا:

”میرے لیے وہ ایک دوست، ایک مرشد اور ایک نظریہ ساز تھے۔“

”اقبالؒ رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق تھے، اسلام ہی آپ کا تعارف تھا اور یہی آپ کی واحد پہچان تھی۔ آپ کی آواز دراصل اسلام کی آواز تھی۔“

”مجھے ان کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کا موقع ملا، اور میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اقبالؒ جیسا سچا دوست اور وفادار ساتھی مجھے کبھی نہیں ملا۔“

”اقبالؒ رہتی دنیا تک زندہ و جاوید رہیں گے۔ آنے والی نسلیں انہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے محسن کے طور پر یاد کریں گی۔“

قائد اعظمؒ، علامہ اقبالؒ کی سب سے خوبصورت تخلیق تھے، بندہ مومن کا وہ شاہکار کہ جس کو سیدی رسول اللہ ﷺ نے اپنی خدمت کیلئے قبول فرمالیا۔ سیدی رسول اللہ ﷺ کے سپاہی کو کہ جس کو اللہ نے وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کیلئے منتخب کیا تھا، فرقے و مسلک میں قید کرنا اس پر اتنی ہی بڑی تہمت ہے کہ جیسے اس کو سیکولر اور لادین کہنا۔

خود قائد اعظمؒ بھی ہمیشہ کھل کر اس بات کی سختی سے نفی کرتے رہے کہ کوئی انہیں زبردستی شیعہ اور سنی بنانے کی کوشش نہ کرے۔ ایک موقع پر قائد اعظمؒ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ آپ شیعہ ہیں یا سنی، تو قیامت تک کیلئے قائد نے اپنا عقیدہ واضح کر دیا۔ سوال کرنے والے سے جوابی سوال کر ڈالا۔



”نبی کریم ﷺ کا کیا مسلک تھا؟“ کوئی نہیں، سوال کرنے والے نے جواب دیا، ”وہ بس ایک مسلمان تھے۔“
جواباً قائد اعظمؒ نے فرمایا: ”تو پھر میں بھی نہ شیعہ ہوں، نہ سنی، بلکہ فقط ایک مسلمان ہوں۔“

قائد اعظمؒ کے دادا ہندو تھے۔ قائد اعظمؒ کے والد ہندو سے مذہب تبدیل کر کے اسماعیلی کھوجے ہو گئے۔

قائد اعظمؒ ابتدائی زندگی میں ایک آزاد خیال اور ذہنی اور فکری طور پر پاکیزہ سوچ رکھنے والے مرد آزاد تھے۔ اپنے باپ دادا کا دین آنکھ بند کر کے قبول کرنے کے بجائے انہوں نے خود مطالعہ کیا، اسلام کو سمجھا، اور اپنا راستہ خود متعین کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نو جوانی کے دور سے ہی قائد اعظمؒ کو اللہ کے رسول ﷺ سے بہت عقیدت اور محبت تھی، اور دین اسلام کے معاملے میں آپ حساس تھے۔ اسی لیے جب آپ نے ایک پارسی گھرانے کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تو پہلے اس کو پابند کیا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ رتی باقی جب قائد اعظمؒ کے نکاح میں آئیں تو ”مریم جناح“ کہلائیں۔

اسی دور میں مسلمانوں کی سیاست اور دین اسلام کی رہنمائی کیلئے قائد اعظمؒ



مریم جناح

کئی علماء و مشائخ سے بہت گہرے تعلقات رہے۔ ان میں پیر جماعت علی شاہؒ، پیر آف مانکی شریفؒ، پیر آف زکوڑی شریفؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی اور اشرف علی تھانوی سے اسلام، عقیدہ اور شریعت پر ملاقاتیں اور خط و کتابت رہی۔ مگر حقیقی معنوں میں یہی وہ دور تھا کہ جب قائد اعظمؒ اقبالؒ کے رنگ میں مکمل طور پر ڈھل چکے تھے۔ اسی دور میں جب ان سے شیعہ یا سنی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے وہ جواب دیا کہ جو ادھر بیان کیا جا چکا ہے۔

اسی طرح کا ایک سوال محترمہ فاطمہ جناح سے بھی کیا گیا کہ آپ شیعہ ہیں یا سنی؟

محترمہ فاطمہ جناح نے بھی بالعمین وہی جواب دیا کہ جو ان کے بھائی دے چکے تھے۔



”میں نہ تو شیعہ ہوں، اور نہ ہی سنی ہوں، میں فقط ایک مسلمان ہوں۔“
پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمیں اسلام کی تعلیم دی ہے نہ کہ کسی خاص مسلک کی۔“

(کتاب: پاکستان اینڈ اسلامک آئیڈنٹی، مصنف اکبر ایس احمد، صفحہ نمبر 13)

یہ بات تو واضح ہو گئی کہ قائد عقیدے کے لحاظ سے ایک راسخ مسلمان اور بندہ مومن تھے کہ جو کسی فرقے میں محدود نہیں تھے۔

کچھ شیعہ حضرات کی طرف سے اصرار کیا جاتا ہے کہ قائد اعظمؒ فقہ جعفریہ کی پیروی کرتے تھے۔ اور اس کی دلیل کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو غسل شیعہ طریقے سے دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی کمزور دلیل ہے کیونکہ جب انسان کا انتقال ہو جائے تو پھر اس کو کوئی بھی شخص جو وہاں موجود ہو غسل دے کر کفن و دفن کا انتظام کر سکتا ہے۔ اسی دلیل کے تحت ان کی نماز جنازہ تو ایک سنی حنفی عالم علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی تھی، تو اس لحاظ سے قائد اعظمؒ کو تو سنی حنفی بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اسی لیے ہم اس بات کی سختی سے تاکید کرتے ہیں کہ جہاں تک قائد کے عقیدے کا تعلق تو وہ ثابت شدہ ہے کہ ان کا کسی فرقے سے کوئی تعلق نہ تھا اور قائد خود اپنے اقرار کے تحت اس مسلک اور عقیدے پر تھے کہ جو سیدی رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کا ہے۔

قائد اعظمؒ کا خاندان کس فقہ پر تھا یہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔ ایک ہی خاندان میں مختلف مذاہب اور مختلف فقہ کے افراد عام ہوتے ہیں۔ خود علامہ اقبالؒ کا سگا بڑا بھائی قادیانی تھا، مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ علامہ اقبالؒ بھی اسی مذہب پر تھے۔ اسی طرح یہ ممکن ہے کہ قائد اعظمؒ کی بہنوں اور خاندان کے بہت سے افراد اسماعیلی ہوں، اثنا عشری ہوں یا اہل سنت ہوں۔ مگر جہاں تک قائد اعظمؒ کی اپنی ذات کا تعلق ہے وہ عقیدے کے حوالے سے ان سب اختلافات سے بہت بلند اور فقہ کے حوالے سے شریعت کے انہی قوانین پر عمل کرتے تھے کہ جن پر انہوں نے اپنے مرشد حضرت علامہ اقبالؒ کو پایا۔

قائدؒ کا عقیدہ سیدی رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کا عقیدہ تھا، وہی کہ جو حضرت علامہ اقبالؒ کا عقیدہ تھا۔ قائدؒ کا فقہ بھی تمام شواہد کی بنیاد پر وہی تھا کہ جو حضرت علامہ اقبالؒ کا ہے۔

جہاں تک قائدؒ کے حقیقی مقام کا تعلق ہے تو ہمارے لیے اتنا کافی ہونا چاہیے کہ سیدی رسول اللہ ﷺ نے براہ راست قائدؒ کو اپنا سپاہی بیان فرمایا تھا، اور قائدؒ نے خود کو بھی اسلام کا سپاہی قرار دیا تھا۔

فرقہ پرست ملاؤں اور تنگ نظریوں کو بے غیرتوں کو نہ تو قائدؒ کا روحانی مقام سمجھ آ سکتا ہے اور نہ ہی ان کا ظاہری عقیدہ و مسلک!

اپنے سیاسی نظریات کے حوالے سے بھی کئی مرتبہ قائدؒ نے پاکستان کو خلافت راشدہ کے طرز پر اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس بات کا بھی اظہار کر چکے تھے کہ ہمیں یہاں حضرت عمرؓ کا نظام نافذ کرنا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اپنے آخری سفر پر روانگی کے ایام میں قائدؒ نے حصول پاکستان اور اس کے قیام کی حقیقت کا نقشہ ان دلچسپ الفاظ میں کھینچا۔ قائدؒ اپنے معالج ڈاکٹر ریاض کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

”تم جانتے ہو جب مجھے اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے، یہ ایک مشکل کام تھا اور اکیلا اسے کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسول خدا ﷺ کا روحانی فیضان ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔“

(کتاب: وفا کا کعبہ، مصنف: حسن محمود)

ایک اور موقع پر قائدؒ نے فرمایا:

”جتنی بھی خدمت میں نے مسلمانوں اور ارض پاکستان کی ہے۔۔۔ ایک خادم اور اسلام کے ایک سپاہی کے طور پر کی ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ پاکستان کو ایک عظیم قوم اور ترقی یافتہ ملک بنانے کیلئے اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لا کر میری مدد کریں۔ میری یہ دلی آرزو ہے کہ پاکستان کو بطور ایک اسلامی ریاست کے ابھرتا ہوا دیکھوں، تاکہ دنیا ایک بار پھر حضرت عمر فاروقؓ کے زریں دور کی تائیناک تصویر دیکھ سکے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ میری یہ آرزو پوری کرے۔“

(کتاب: اسلام اور قائد اعظمؒ، مصنف: محمد حنیف شاہد)

لہذا اب ہم پاکستان کے فرقہ پرست ملاؤں سے کہتے ہیں کہ قائدؒ کو تنہا چھوڑ دیں۔ انہیں اپنے مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات میں نہ گھسیٹیں۔ وہ مرد آزاد و وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل دینے والا مرد مجاہد تھا، نہ کہ فرقہ وارانہ اختلافات کی غلاظت میں الجھا ہوا فرقہ پرست۔

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر

قائد اعظم کی ۱۱ اگست کی تقریر کو بنیاد کر آج بھی لبرل اور سیکولر طبقہ یہ پراپیگنڈہ کرتا ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ۱۱ اگست کی تقریر پر تفصیلی بات کریں۔

ہم انتہائی تفصیل سے یہ بات تاریخی حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ قائد اعظم نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ پورے عالم اسلام کے ایک عظیم رہنما تھے کہ جن کی روحانی اور نظریاتی تربیت حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمائی تھی۔ اگر نظریہ اور فکر علامہ اقبالؒ کی تھی تو اس کو عمل پذیر کرنے والا سپہ سالار محمد علی جناح تھا۔ قائد اعظم پر اس سے بڑی تہمت، جھوٹ اور بہتان لگایا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ کہا جائے کہ آپ لادین تھے، سیکولر تھے، اور پاکستان کو ایک لادین سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد جس طرح پاکستان کے جغرافیے پر مسلسل حملے ہوتے رہے، اسی طرح پاکستان کی روحانی اور نظریاتی اساس پر بھی مسلسل حملے کیے جاتے رہے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ وہ دو مرکزی ستون ہیں کہ جن پر نظریہ، پاکستان اور ریاست پاکستان کی عمارت کھڑی ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک ستون کو بھی تنازعہ بنادیا جائے، تو پھر نظریے اور ریاست دونوں کی عمارت ہی دھڑام سے نیچے آگرتی ہے۔ اسی لیے پاکستان میں موجود لبرل اور سیکولر طبقے نے ہمیشہ تاریخ اور حقیقت کے برخلاف، جھوٹ اور پراپیگنڈے کی بنیاد پر، قائد اعظمؒ پر بے بنیاد تہمتیں لگائیں کہ وہ پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی ساری زندگی سینکڑوں تقاریر میں قائد اعظمؒ نے کبھی بھی پاکستان کو سیکولر بنانے کا اعلان نہیں کیا، بلکہ سینکڑوں تقاریر میں بہت تاکید اور اہتمام سے یہ واضح کیا کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست ہوگا کہ جس کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھی جائے گی۔ قائد اعظمؒ کے اس ارادے اور نظریے کو ہم

اس کتاب میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

پاکستان کے سیکولر اور لادین طبقے قائد اعظم کی ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو کی جانے والی اس تقریر کے کچھ حصوں کو سیاق و سباق سے نکال کر بڑی ڈھٹائی سے ان سینکڑوں تقاریر، بیانات اور تحریروں کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس میں قائد نے اپنے اسلامی عقائد اور نظریہ پاکستان کی روحانی اساس بہت واضح طور پر بیان کی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم یہاں پر ۱۱ اگست کی تقریر، اس کے سیاق و سباق اور خود مسلم لیگ کی جانب سے اس تقریر کے خلاف کیے جانے والے پراپیگنڈے کا رد بیان کریں۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کو اب تین دن ہی باقی تھے۔ لاکھوں افراد ہندوستان چھوڑ کر اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان مہاجرین کا بیہمانہ قتل عام بھی جاری تھا۔ قریب پچاس لاکھ مسلمانوں نے اس نئی مملکت کے پودے کی آبیاری اپنے خون سے کی۔ برصغیر کے مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد ان مسلم اکثریتی علاقوں کی طرف ہجرت کر گئی جو بعد ازاں مغربی اور مشرقی پاکستان کہلائے اور اب ہندوستان میں جہاں مسلمان کبھی ایک بڑی آزاد قوت رکھتے تھے، اب ایک اقلیت کی حیثیت میں وحشی ہندو اور سکھ بلوائیوں کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ پاکستان کی نوزائیدہ مملکت میں ہندوستان میں موجود مسلمانوں کی صورتحال سے متعلق بہت زیادہ تشویش پائی جاتی تھی۔ ایک اور بڑا خدشہ بھی اس وقت موجود تھا اور وہ یہ کہ کہیں ہندوستان میں مسلم کش فسادات کی طرح

پاکستان میں ہندو سکھ کش فسادات نہ پھوٹ پڑیں۔ خاص کر ایک ایسے ماحول میں جہاں روز کے حساب سے مسلمانوں کے ہولناک قتل عام اور اغواء اور عصمت دری کی خبریں پاکستان پہنچ رہی تھیں۔ پاکستان کی قیادت کسی صورت بھی پاک سرزمین پر اقلیتوں کے ساتھ زیادتی کی روادار نہ تھی اور وہ ہر قیمت پر ایسے واقعات کو روکنے کیلئے متحرک تھی۔ یہ یقیناً ایک مشکل چیلنج تھا۔ ہندو اور سکھ پاکستان میں اپنے مستقبل سے متعلق شش و پنج کا شکار تھے اور ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل عام کے رد عمل کے خوف کے تحت ایک بڑی تعداد میں ہندوستان کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ لہذا پاکستان کی نئی قیادت کیلئے پاکستان میں موجود غیر مسلموں سے خوف و ہراس کی اس فضا کو ختم کرنا نہایت ہی اہم تھا۔ پاکستان اقلیتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے یہ ان دنوں نہ صرف برصغیر کی سطح پر، بلکہ عالمی سطح پر زیر بحث تھا۔

اسی غرض سے قائد نے تقاریر کے ایک سلسلے کے ذریعے، اسلام میں اقلیتوں کے تحفظ کے تصور کو واضح کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی سلسلے میں قائد نے یکے بعد دیگرے تین دن کے وقفے سے، دو تقاریر کیں، پہلی تقریر قائد نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء جبکہ دوسری ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کے روز کی۔ دونوں تقاریر ایک ہی تخیل کی کڑیاں ہیں، ایک دوسرے کی وضاحت کرتی ہیں، چنانچہ انہیں ہر صورت میں ایک ساتھ، اس معاملے پر قائد کی حتمی رائے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ ان دونوں تقاریر کو ایک دوسرے سے جدا کر کے نہیں سمجھا جاسکتا۔ نہ ہی انہیں اس وقت کی سیاسی صورتحال اور سماجی ماحول سے کاٹ کر دیکھا جاسکتا ہے کہ جس میں ایک نئی مسلم حکومت کو اپنے ملک میں موجود اقلیتوں کی حفاظت کا چیلنج درپیش تھا۔

لبرل، سیکولر طبقہ شروع سے ہی ۱۱ اگست کی تقریر سے اپنی من پسند چند سطریں لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش میں رہا ہے کہ قائد سیکولر پاکستان چاہتے تھے کہ جس میں مذہب کا ریاست سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ قائد کے نقطہ نظر اور الفاظ کی سب سے غیر دیا مندار، غیر منطقی اور مہلک تشریح ہے کہ جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

دراصل قائد نے اس وقت ترجیحات کے اعتبار سے اہم ترین موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور ان بڑے بڑے واقعات کی وضاحت کی کہ جن کی نظیر تاریخ میں پہلے نہیں ملتی، اور جو اس وقت اس خطے کی ساخت گری کر رہے تھے۔ یہ بات مد نظر رہنی چاہیے کہ قائد کا قانون ساز اسمبلی سے پہلا خطاب تھا کہ جس میں قائد چند ابتدائی باتیں کہنا چاہتے تھے۔ یہاں قانون یا آئینی ڈھانچہ دینا قائد کا مقصود نہیں تھا۔

اسی بات کو قائد نے اپنی تقریر کے ابتدائی الفاظ میں واضح کر دیا تھا جب انہوں نے فرمایا: ”اسمبلی کے اس ابتدائی اجلاس میں میں سر دست تو کوئی بہت اہم اعلان نہیں کر سکتا، ہاں چند باتیں کہنا چاہوں گا۔“ اس کے بعد قائد کی تقریر کا آغاز ہوتا ہے کہ جس کے چیدہ چیدہ نکات یہ تھے:

۱۔ ایک عظیم برصغیر کہ جو اپنے محیط میں ہر طرح کے باشندے رکھتا ہے ایک ایسے منصوبے کے تحت لایا گیا ہے کہ جس کی مثال

شہری ہونے کو ترجیح دی تو آپ کے عروج و اقبال کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔

۴- میں اس بات پر جتنا بھی زور دوں کم ہے۔ ہمیں بطور ایک پاکستانی ہونے کے جذبے سے کام کرنا ہوگا اور اسی صورت رفتہ رفتہ اکثریت اور اقلیت کا فرق، ہندو اور مسلمان میں تفریق، خود مسلمانوں میں پٹھان، پنجابی، شیعہ اور سنی کا امتیاز، اور اسی طرح ہندوؤں برہمن، ویش اور کھتری کا اختلاف اور بنگالی اور مدرسی۔۔۔ سب تفریقات ختم ہو جائیں گی۔

“

You are free; you are free to go to your temples, you are free to go to your mosques or to any other place of worship in this State of Pakistan. You may belong to any religion or caste or creed — that has nothing to do with the business of the State. As you know, history shows that in England, conditions, some time ago, were much worse than those prevailing in India today. The Roman Catholics and the Protestants persecuted each other. Even now there are some States in existence where there are discriminations made and bars imposed against a particular class. Thank God, we are not starting in those days. We are starting in the days where there is no discrimination, no distinction between one community and another, no discrimination between one caste or creed and another. We are starting with this fundamental principle that we are all citizens and equal citizens of one State.

In due course of time, Hindus will cease to be Hindus and Muslims will cease to be Muslims, not in a religious sense because that is the personal faith of an individual, but in a political sense as citizens of one state.

M.A.Jinnah

۵- آپ اس ریاست میں آزاد ہیں۔ آپ آزادی سے اپنے مندروں میں جائیں، آزادی سے مساجد میں جائیں یا کسی بھی عبادت گاہ کا رخ کریں آپ کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو، امور مملکت کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں، ہم اس عزم بنیادی اصول کے ساتھ اس مملکت کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم اس ریاست کے مساوی شہری ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس اصول کو اپنے سامنے ایک راہنما کی حیثیت سے رکھیں تو وقت کے ساتھ ساتھ نہ ہندو ہندو رہیں گے اور نہ مسلم، مذہبی معنوں میں نہیں کہ یہ ہر فرد کا اعتقادی معاملہ ہے، بلکہ سیاسی انتظام کے معنوں میں۔

اب ذرا دیکھئے، کیسے اس نقطہ نمبر ۵ کو ان معنوں میں لیا جاسکتا ہے کہ قائد ایک سیکولر پاکستان چاہتے تھے۔ تمام عمر قائد نے کبھی پاکستان کے ساتھ لفظ ”سیکولر“ کا استعمال نہیں کیا۔ بلکہ امر واقعہ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی سینکڑوں تقاریر میں اسلامی قوانین، قرآن، سنت اور شریعت کو پاکستان کے لیے بطور قانون نافذ کرنے کی بات کی۔

اس تقریر کے تین دن بعد قائد نے اسمبلی کے اجلاس میں، کہ جس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھی شریک تھا، ایک بار پھر ایک مسلم ریاست

تاریخ میں نہیں ملتی اور اس ضمن میں ایک نہایت اہم امر یہ ہے کہ ہم نے اپنے مقصد کو پرامن طریقے سے اپنے قومی کردار کے ارتقاء کے ذریعے حاصل کیا ہے۔

۲- اولین بات جو میں آپ سے کہنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ایک حکومت کے بنیادی فرائض میں سے ایک قانون اور امن عامہ کی پاسداری قائم کرنا ہے، تاکہ شہریوں کی جان، مال اور مذہبی آزادی کو مکمل تحفظ حفاظت حاصل ہو۔

پھر قائد نے برصغیر کی تقسیم اور اسکے اثرات پر اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور ہندوستان اور پاکستان میں موجود اقلیتوں کے مستقبل کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ قائد کا کہنا تھا کہ اس سلسلے میں جو چیلنج درپیش ہے وہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا چیلنج ہے۔ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین پائی جانے والی نفرت سے واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عوام سے کہا کہ وہ اس نفرت کو پس پشت ڈال کر اب بطور پاکستانی کے معاملات کو دیکھنا شروع کریں دراصل قائد نہ صرف اقلیتوں کو، بلکہ مختلف قومیت کے لوگوں کو، پاکستان میں بطور پاکستانی شہریوں کے، امن سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے دیکھنا چاہتے تھے۔ اور اس سلسلے میں وہ مذہب، قومیت، زبان، غرض، ہر قسم کی تفریق سے اپنی قوم کو بالاتر رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر یہ بات مد نظر دینی چاہیے کہ یہ باتیں ایک ایسے ماحول میں کہی جا رہی ہیں کہ جب ہندوستان میں قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور پاکستان میں اقلیتیں حد سے زیادہ عدم تحفظ محسوس کر رہی ہیں۔

قائد نے مزید فرمایا۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے بہت سے لوگ اتفاق نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں بہت کچھ کہا سنا جا چکا ہے۔ مگر اب چونکہ اس تقسیم کو قبول کر لیا گیا ہے لہذا اب یہ ہم پر بحیثیت قوم لازم ہو چکا ہے کہ اپنے وقار کو برقرار رکھتے ہوئے اس معاملے کی پاسداری کریں جیسا کہ میں نے کہا، یہ عظیم انقلاب جو برصغیر میں رونما ہوا ہے۔ تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہیں ملتی اور دونوں اقوام کے مابین ایک دوسرے کے لیے موجود جذبات سمجھ میں آنے والی بات ہے، خاص کر اس صورت میں کہ جہاں ایک قوم اکثریت اور دوسری اقلیت میں ہو۔

۳- متحدہ ہندوستان کا کوئی بھی منصوبہ میری نظر میں ایک عظیم بحران کا باعث بنتا، ہو سکتا ہے یہ نقطہ نظر درست نہ ہو۔ اس کا فیصلہ بحر حال آنے والا وقت ہی کرے گا۔ اگر یہ دونوں ممالک ڈومنین کی حیثیت سے بھی رہتے اس صورت میں بھی اقلیتوں کا سوال جوں کا توں کھڑا ہوتا۔ اور کوئی راستہ موجود نہیں تھا سوائے تقسیم کے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس صورتحال سے کیسے نمٹیں؟ اگر ہمیں اس عظیم ریاست پاکستان کو خوشحال اور ترقی یافتہ بنانا ہے تو ہمیں اپنی تمام توجہات اپنے عوام کی فلاح و بہبود میں کھپانی ہوں گی خصوصاً غریب طبقے کی۔ اگر آپ سب اتفاق اور یکجہتی کے ساتھ مل کر کام کریں گے اور ماضی کی رنجشوں کو پس پشت ڈال دیں گے تو کامیابی آپ کا مقدر ہوگی۔

اگر آپ اپنے ماضی کو بھلا کر اور تمام پچھلے واسطوں اور رشتوں پر رنگ و نسل، ذات پات اور مذہب سے بالاتر ہو کر اول و آخر اس ریاست کے



میں اقلیتوں کو حاصل تحفظ کی وضاحت کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے قائد سے کہا تھا کہ وہ نئی بننے والی ریاست میں بادشاہ اکبر کے دور کی رواداری اور بین المذاہب ہم آہنگی کی پیروی کریں۔

قائد نے ماؤنٹ بیٹن کو کرارا جواب دیتے ہوئے سنت رسول ﷺ اور مسلم تاریخ میں اس کی عظیم مثالوں کو اپنے اور اپنی قوم کیلئے نشان منزل قرار دیا:

“

“I wish to say that we appreciate the spirit in which those in the Government service at present and in the armed forces and others have so willingly and ungrudgingly volunteered themselves provisionally to serve Pakistan. As servants of Pakistan, we shall make them happy and they will be treated equally with our nationals. The tolerance and goodwill that the great emperor Akbar showed to all the non-Muslims is not of recent origin. It dated back thirteen centuries ago when our Prophet not only by words but by deed treated the Jews and Christians handsomely after he had conquered them. He showed to them the utmost tolerance and regard and respect for their faith and beliefs. The whole history of Muslims, wherever they ruled, is replete with those humane and great principles which should be followed and practised by us.

M.A. Jinnah

”میں نہایت سرشاری کے ساتھ اس جذبے کی قدر کرتا ہوں کہ جس کے تحت ہمارے سول اداروں اور مسلح افواج میں موجود افراد رضا کارانہ طور پر اپنی خوشی سے ملک کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بطور پاکستان کے خدمت گزاروں کے ہم ان کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کو مساوی شہریوں کے طور پر دیکھتے ہیں۔ وہ رواداری اور بھائی چارہ جو اکبر کے دور میں غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھا گیا وہ تاریخ میں کوئی نیا واقعہ نہیں تھا۔ تیرہ سو سال قبل ہمارے نبی ﷺ نے نہ صرف الفاظ سے بلکہ اپنے عمل سے یہود و نصاریٰ کے ساتھ انہیں مفتوح بنانے کے بعد ان سے نہایت کریمانہ سلوک کیا اور ان کے مذہب اور اعتقادات کے معاملے میں حد درجہ رواداری کا رویہ اختیار کیا۔ پوری مسلم تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جو علاقہ بھی مسلمانوں نے فتح کیا وہاں انسانیت پر مبنی عظیم اصولوں کی پاسداری کی گئی۔“

۱۹۴۸ء میں کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب میں قائد نے دوبارہ اس راپیگنڈے کی نفی میں فرمایا:

”(پاکستان کا آئین شریعت اسلامی کے اصولوں پر مبنی ہوگا۔) مجھے ان لوگوں کی منطق سمجھ نہیں آتی کہ جو دیدہ دانستہ شرارت اور فساد پیدا کرنے کیلئے کہتے ہیں اور یہ راپیگنڈہ کئے جا رہے ہیں کہ پاکستان کا آئین شریعت پر مبنی نہیں ہوگا۔ اسلامی اصول آج بھی زندگی پر اتنے ہی قابل اطلاق ہیں کہ جتنے تیرہ سو برس قبل تھے۔ آئیے ہم پاکستان کا آئین دستور بنائیں بنا کر دنیا کو دکھائیں۔“

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں قائد کو کیسے سیکولر کہا جاسکتا ہے۔ جبکہ قائد قرآن و سنت و شریعت کو اپنے خیالات کا ماخذ بتا رہے ہیں کہ جو تیرہ صدیاں قبل کے ہیں؟

قائد اعظمؒ کی ۱۱ اگست کی اس تقریر کے بعد آج کے دور کی طرح اس وقت بھی کچھ لبرل اور سیکولر فسادیں عناصر نے یہ راپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ قائد اعظمؒ تو ایک سیکولر پاکستان چاہتے ہیں۔ اس ناپاک راپیگنڈے کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے قائد اعظمؒ نے اس دور میں مسلم لیگ کے ترجمان انگریزی اخبار THE DAWN میں ایک ادارہ شائع کرنے کا حکم فرمایا اور یہ ادارہ ۲۶ اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ اس ادارے میں قائد اعظمؒ کی ۱۱ اگست کی تقریر کو ایک سیکولر پروگرام قرار دینے کی سازش کو مکمل طور پر دفن کر دیا گیا۔ اس ادارے کا عنوان ہی یہ تھا: ”ناپاک زہریلا راپیگنڈہ“ (Perverse Propaganda)۔ اس ادارے میں واضح طور پر یہ بتا دیا گیا کہ قائد اعظمؒ کی تقریر کا غلط فہم نکالنے والے صرف فتنہ اور فساد پھیلا نا چاہ رہے ہیں کہ جیسے آج بھی کیا جا رہا ہے۔

۲۶ اگست ۱۹۴۷ء کو ڈان اس تقریر کے حوالے سے لکھتا ہے:

“


When Jinnah declared that in course of time, Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims, not in religious sense, but in political sense, he merely meant that a Hindu or any other person not professing the Muslim faith will not be debarred from participating in the administration of Pakistan, nor will he be discriminated against by its law, nor will he suffer economically.

”جب جناح نے یہ اعلان کیا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ نہ ہندو ہندو رہیں گے اور نہ مسلمان مسلمان، مذہبی معنوں میں نہیں بلکہ سیاسی و انتظامی معنوں میں، تو ان کا دراصل مطلب یہ تھا خواہ ہندو ہو یا کسی بھی اور مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص، اس کو پاکستان کی انتظامیہ کا رکن بننے سے نہیں روکا جائے گا۔ نہ ہی کسی قانون کے تحت اس سے امتیازی برتاؤ روا رکھا جائے گا اور نہ ہی اس کو اسکے مذہب کے باعث معاشی طور پر محروم کیا جائے گا۔“

ڈان کے اس ادارے سے یہ بات حتمی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ قائد اعظمؒ کی ۱۱ اگست کی تقریر کے کچھ حصوں کو لیکر یہ داویلا کرنا کہ وہ سیکولر تھے اور پاکستان کو سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے، نظریہ پاکستان اور قائد اعظمؒ کے خلاف سوائے ایک ناپاک سازش کے اور کچھ بھی نہیں۔ جیسا کہ گزرے ہوئے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قائد اعظمؒ کی سو سے زائد تقاریر ایسی ہیں کہ جن میں انہوں نے پاکستان کو قرآن و سنت کی بنیاد پر اسلامی ریاست بنانے کا اعلان فرمایا ہے۔ ان تمام تقاریر کو درگزر کر کے فقط ۱۱ اگست کی تقریر کے چند جملوں کو سیاق و سباق سے نکال کر تاریخ اور حقیقت کو مسخ کرنا بدترین بددیانتی بھی ہے اور سخت علمی خیانت بھی۔ یہ بات کہ پاکستان نظریہ اسلام اور دوقومی نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا اور اس کا مقصد یہاں پر شریعت اسلامی کا نفاذ تھا، ایک ایسی حقیقی حقیقت ہے کہ جس پر بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس بات پر ہم تفصیلاً پچھلے ابواب میں بحث کر چکے ہیں۔



FOUNDED BY: QUAID E AZAM MOHAMMAD ALI JINNAH



DAWN

The DAWN, the mouthpiece of the Muslim League in its editorial,

“Perverse Propaganda,” wrote on 26th August 1947: “When Jinnah declared that in course of time, Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims not in the religious sense, but in a political sense, he merely meant that a Hindu or any other person not professing the Muslim faith will not be debarred from participating in the administration of Pakistan, nor will he be discriminated against by its laws, nor will he suffer economically.”

(Mohammad Ali Jinnah The Great Enigma An Indian View by Sheshrao Chavan)

قرارداد مقاصد (۱۹۴۹ء)

قائد اعظمؒ نے پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہی پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کیلئے علامہ محمد اسد کی قیادت میں ”اسلامی معاشرے کی تعمیر نو کا محکمہ“ قائم فرما دیا تھا۔ علامہ محمد اسد نے انتہائی تفصیل سے پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کیلئے پورا نقشہ تیار کیا تھا۔ قائد اعظم کے انتقال کے فوراً بعد اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اس مشن کی ذمہ داری لی اور پاکستانی آئین کو اسلامی خطوط پر مرتب کرنے کیلئے ایک نظریاتی قرارداد اسمبلی سے منظور کروائی۔ لیاقت علی خان قائد اعظمؒ کے تربیت یافتہ تھے اور نظریہ پاکستان کے محافظ۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم ہونے کی حیثیت سے آپ اپنی اس ذمہ داری کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ آنے والی نسلوں کیلئے ملک و ملت و ریاست کی نظریاتی سمت متعین کرنا انتہائی ضروری ہے۔ آج بھی پاکستان میں موجود لبرل اور سیکولر طبقہ لیاقت علی خان سے شدید نفرت کرتا ہے اور اس کی وجہ یہی قرارداد مقاصد ہے۔ دوسری جانب جب یہودیوں نے لیاقت علی خان کو اس زمانے میں کروڑوں ڈالر پیش کیے اور شرط رکھی کہ پاکستان اسرائیل کی ناجائز ریاست کو تسلیم کر لے تو اس وقت بھی لیاقت علی خان نے ایک تاریخ ساز جملہ کہہ کر یہودیوں کی پیشکش کو رد کر دیا تھا:



Gentlemen, Our souls are not for sale.

صاحبو! ہم ضمیر فروش نہیں.....!!!

قرارداد مقاصد کا متن

(یہ قرارداد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی۔ یہ قرارداد پاکستان کے آئین کے لیے رہنما اصول متعین کرتی ہے۔)



قائد ملت لیاقت علی خان راولپنڈی میں اپنی آخری جلسے سے خطاب کرتے ہوئے

پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کی کوشش کرنے اور اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے اس دور میں بھی پاکستان دشمن لیاقت علی خان کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ اسی لیے ۱۹۵۱ء میں راولپنڈی میں ایک جلسے کے دوران ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا۔ جدی پشتی کروڑ پتی نواب کی شہادت کے بعد جب ان کی شیروانی کو کھولا گیا تو نیچے پھٹی ہوئی بنیان پہنے ہوئے تھے۔ آپ کے اکاؤنٹ میں اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ آپ کے کفن و دفن کا انتظام کیا جاسکتا۔ قائد اعظم کی طرح آپ نے بھی اپنی تمام دولت پاکستان پر بچھا کر دی تھی۔

آج یہ قرارداد مقاصد پاکستان کے آئین کا حصہ ہے، اور قیامت تک کیلئے پتھر کی لکیر ہے کہ پاکستان صرف اور صرف ایک اسلامی فلاحی ریاست ہی ہو سکتا ہے اور نہ اس میں کسی لادین نظریے کی گنجائش ہے اور نہ ہی قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی کی جاسکتی ہے۔

- ☆ اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اس نے جمہور کے ذریعے مملکت پاکستان کو جو اختیار سونپا ہے، وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔
- ☆ مجلس دستور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خود مختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔
- ☆ جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔
- ☆ جس کی رو سے اسلام کے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور سماجی انصاف کے اصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔
- ☆ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنادیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن و سنت میں درج اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔
- ☆ جس کی رو سے اس امر کا قراور اقبی اہتمام کیا جائے گا کہ اقلیتیں، اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھنے، عمل کرنے اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دینے کے لیے آزاد ہوں۔
- ☆ جس کی رو سے عدلیہ کی آزادی کو مکمل تحفظ حاصل ہو۔
- ☆ جس کی رو سے وہ علاقے جو اب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں، ایک وفاق بنائیں گے، جس کے صوبوں کو مقررہ اختیارات و اقتدار کی حد تک خود مختاری حاصل ہوگی۔

Objectives Resolution

The Pakistani Objectives Resolution proclaimed the following principles:

- ★ *Sovereignty over the entire universe belongs to Allah Almighty alone and the authority which He has delegated to the state of Pakistan, through its people for being exercised within the limits prescribed by Him is a sacred trust.*
- ★ *This Constituent Assembly representing the people of Pakistan resolves to frame a constitution for the sovereign independent state of Pakistan.*
- ★ *The state shall exercise its powers and authority through the chosen representatives of the people.*
- ★ *The principles of democracy, freedom, equality, tolerance and social justice, as enunciated by Islam, shall be fully observed.*
- ★ *The Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah.*
- ★ *Adequate provision shall be made for the minorities to freely progress and practice their religions and develop their cultures.*
- ★ *Pakistan shall be a federation and its constituent units will be autonomous.*
- ★ *Fundamental rights shall be guaranteed. They include equality of status, of opportunity and before law, social, economic and political justice, and freedom of thought, expression, belief, faith, worship and association, subject to law and public morality.*
- ★ *Adequate provisions shall be made to safeguard the legitimate interests of minorities and backward and depressed classes.*
- ★ *The independence of the judiciary shall be fully secured.*
- ★ *The integrity of the territories of the federation, its independence and all its rights, including its sovereign rights on land, sea and air shall be safeguarded.*
- ★ *The people of Pakistan may prosper and attain their rightful and honored place among the nations of the world and make their full contribution towards international peace and progress and happiness of humanity.*

☆ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں قانون و اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے، مساوات، حیثیت و مواقع کے تناظر میں برابری، سماجی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور جماعت کی آزادی شامل ہوگی۔

☆ جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقات کے جائز حقوق کے تحفظ کا قراقری انتظام کیا جائے گا۔

☆ جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی حفاظت، آزادی اور جملہ حقوق، بشمول برہمچر و فضا پر سالمیت کا تحفظ کیا جائے گا۔ تاکہ اہل پاکستان فلاح و بہبود کی منزل پا سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کریں اور امن عالم اور بنی نوع انسان کی ترقی و خوش حالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔



قرارداد مقاصد کے موقع پر لیاقت علی خان کی تقریر

اس قرارداد کو پیش کرنے سے پہلے لیاقت علی خان نے اسمبلی میں ایک معرکہ الآراء تقریر بھی کی۔ یہ تقریر پاکستان اور عالم اسلام کی عظیم ترین تقریروں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ ایک بلند نگاہ اور صاحب کردار وزیر اعظم ایک نئی اسلامی ریاست کی نظریاتی سمت متعین کرتے ہوئے پوری اسلامی تہذیب اور تحریک پاکستان کے مقاصد کو جس خوبصورتی سے بیان کرتا ہے، اس کی مثال بعد کی آنے والی تاریخ آج تک نہ دے سکی۔ لیاقت علی خان کی وہ تقریر ہماری تاریخ کا حصہ بھی ہے، ہماری تہذیب کی نمائندہ بھی، ترجمانِ ماضی بھی ہے، شانِ حال بھی اور جانِ استقبال بھی!

پاکستان کی آنے والی نسلیں اس تقریر سے رہنمائی لیکر یہ جان سکتی ہیں کہ کیوں ہم نے لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر اس پاک سرزمین کو حاصل کیا تھا۔

۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد کے بارے میں اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے جو تقریر کی اس کا متن:

جناب صدر! میں اسے اس ملک کی زندگی کا اہم ترین موقع تصور کرتا ہوں، جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے آزادی کے حصول کے بعد نمایاں ترین واقعہ ہے۔ کیونکہ آزادی حاصل کرنے کی صورت میں ہم نے اس ملک اور اس کے نظام سیاست کو اپنے تخیلات کے مطابق تعمیر کرنے کا صرف موقع حاصل کیا تھا۔ میں اس معزز ایوان کو یاد دلانا چاہوں گا کہ بابائے قوم قائد اعظمؒ نے اس معاملے پر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار متعدد مواقع پر کیا تھا اور قوم نے واضح اور غیر مشروط انداز میں ان کے تصورات کی توثیق کی تھی۔ پاکستان اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ برصغیر کے مسلمان اپنی زندگیاں اسلام کی تعلیمات و روایات کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ دنیا کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اسلام ان لاتعداد بیماریوں کے لیے شفا ثابت ہو سکتا ہے جو آج پوری انسانیت کی زندگی میں ورائی ہیں۔



یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ان برائیوں کی اصل وجہ انسانیت کا اپنی مادی ترقی سے ہم رکاب ہو کر چلنے میں ناکام رہنا ہے، یہ کہ انسان کی غیر معمولی ذہانت نے جس عفریت کو سائنسی ایجادات کی صورت میں تخلیق کیا تھا، اب وہ نہ صرف انسانی معاشرے کے تار و پود بکھیرنے کے درپے ہے بلکہ اس کا وہ مادی ماحول بھی خطرات سے دوچار ہے جس کی شاخ نازک پر اس نے اپنا آشیانہ تعمیر کر رکھا ہے۔ یہ بھی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی اقدار کو نظر انداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا پر اس کا اعتقاد کمزور نہ پڑ گیا ہوتا تو یہ سائنسی ترقی خود اس کے وجود کو بھی خطرات سے دوچار نہ کرتی۔ صرف خدا پر اعتقاد ہی انسانیت کو بچا سکتا ہے، اس سے مراد

اور اختیارات حاصل ہیں انھیں

پیش کردہ اخلاقی معیارات کے

چاہیے جنہیں مختلف مذاہب کے

ہے۔ ہم بطور پاکستانی، اس

کہ ہماری بڑی اکثریت مسلمان

رکھتے ہیں کہ ہم اپنے اعتقاد اور

والہنگی ہی کے ذریعے صحیح

میں حصہ ڈال سکتے ہیں۔ جناب

کریں گے کہ قرارداد کا دیباچہ

متفق علیہ ادراک پر مشتمل ہے

تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ حقیقت

سیاست کے اس میکیا ولین تصور

جس کے مطابق نظام حکومت

اخلاقی اقدار کا کوئی کردار نہیں

اسی لیے اس یاد دہانی کو کچھ

فرسودہ خیال کیا جاتا ہے کہ ریاست کو برائی نہیں بلکہ اچھائی کے فروغ کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ مگر ہم یعنی پاکستان کے عوام اس بات پر پختہ اعتقاد کا حوصلہ رکھتے ہیں کہ تمام اختیارات اسلام کے طے کردہ معیارات کی مطابقت میں بروئے کار لائے جانا چاہئیں تاکہ ان کا غلط استعمال نہ کیا جاسکے۔ تمام اختیارات ایک مقدس ذمہ داری ہیں جو ہمیں خدا کی ذات کی طرف سے انسانیت کی خدمت کی غرض سے سونپے گئے ہیں تاکہ یہ استبداد یا خود غرضی کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ تاہم میں اس بات کی جانب توجہ مبذول کروانا چاہوں گا کہ یہ نقطہ نظر

یہ ہے کہ انسانیت کو جو قوت

ان ذی وقار ہستیوں کے

تحت استعمال میں لایا جانا

جلیل القدر انبیا کہا جاتا

حقیقت پر شرمسار نہیں ہیں

ہے اور ہم اس بات پر یقین

تخیلات کے ساتھ گہری

معنوں میں دنیا کی بہتری

صدر! اسی لیے آپ ملاحظہ

اس حقیقت کے غیر مبہم اور

کہ تمام اختیارات کا منبع اللہ

ہے کہ یہ ادراک نظام

سے براہ راست متناقض ہے

چلانے میں روحانی اور

ہونا چاہیے اور غالباً

بادشاہوں یا حکمرانوں کے انوی حق کے مردہ نظریے کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش نہیں ہے کیونکہ قرارداد کا یہ دیباچہ اسلام کی روح کے عین مطابق اس حقیقت کو کامل طور پر تسلیم کرتا ہے کہ یہ اختیارات عوام کے سوا کسی اور کو تفویض نہیں کیے گئے اور یہ کہ یہ فیصلہ کرنا عوام کا کام ہے کہ ان اختیارات کو کون استعمال میں لائے۔

اسی وجہ سے قرارداد میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ریاست اپنی تمام قوت اور اختیارات کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں کی وساطت سے عمل میں لائے گی۔ یہی جمہوریت کی اصل روح ہے، کیونکہ عوام کو تمام اختیارات کے وصول کنندگان کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور استعمال میں لائے جانے والے اختیارات بھی انھیں ہی سونپے گئے ہیں۔

جناب والا! میں نے ابھی کہا ہے کہ عوام ہی تمام اختیارات کے نگران ہیں۔ یہ امر کسی قسم کی تھیا کر لیبی کے قیام کے خطرات کو خود بخود ختم کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنے لغوی معنوں میں تھیا کر لیبی سے مراد اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے؛ لہذا یہ طے شدہ امر ہے کہ پوری کائنات تھیا کر لیبی ہے کیونکہ اس پوری تخلیق کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں اس کی بادشاہی موجود نہ ہو مگر تکنیکی حوالے سے تھیا کر لیبی سے مذہبی پیشواؤں کی ایسی حکومت مراد لیا جاتا ہے جو خاص طور پر ایسے افراد کے مقرر کردہ ہونے کی وجہ سے غیر معمولی اختیارات کے حامل ہیں جنہیں اپنی پیشوائیت کی حیثیت کے باعث ان حقوق کے استعمال کا دعویٰ حاصل ہے۔ مجھے اس بات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں اس قسم کا تصور کامل طور پر اجنبی ہے۔ اسلام پیشوائیت یا کسی قسم کی پاپائیت کو تسلیم نہیں کرتا؛ اور اسی لیے اسلام میں مروجہ معنوں کی تھیا کر لیبی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کہیں ایسے لوگ موجود ہیں جو ابھی تھیا کر لیبی کی اصطلاح کو پاکستان کے سیاسی نظام کے ہم معنی کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، وہ یا تو بہت سنگین قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا پھر شرانگیز پراپیگنڈے میں مشغول ہیں۔

جناب والا! آپ اس بات کو نوٹ کریں گے کہ قرارداد مقاصد جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور سماجی انصاف کے اصولوں پر زور دیتی ہے اور یہ کہتے ہوئے ان کی مزید وضاحت کرتی ہے کہ آئین میں ان اصولوں کی اسی طرح پیروی کی جائے گی جیسا کہ انھیں اسلام میں بیان کیا گیا ہے۔ ان اصطلاحات کی مزید وضاحت کرنا ضروری ہے کیونکہ عمومی طور پر انھیں ڈھیلے ڈھالے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر مغربی طاقتیں اور سوویت روس دونوں ہی یکساں طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نظام حکومت جمہوریت پر مبنی ہیں حالانکہ یہ عمومی مشاہدے کی بات ہے کہ دونوں کا نظام سیاست بنیادی طور پر بالکل مختلف ہے۔ اسی لیے یہ ضروری تصور کیا گیا ہے کہ ان اصطلاحوں کو واضح مفہوم دینے کی غرض سے ان کی مزید تشریح کی جائے۔ جب ہم اسلامی معنوں میں جمہوریت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کو احاطے میں لے لیتا ہے؛ یہ ہمارے نظام حکومت اور ہمارے معاشرے کے ساتھ یکساں طور پر تعلق رکھتا ہے کیونکہ تمام انسانوں کی برابری کا تصور اسلام کی عظیم ترین خدمات میں سے ایک ہے۔ اسلام،



ترجمے کیے گئے۔ یہ وہی رواداری ہے جس کا اسلام میں درس دیا گیا ہے، جہاں کوئی اقلیت تکلیف و اذیت کی زندگی بسر نہیں کرتی بلکہ اُس کا احترام کیا جاتا ہے اور اُسے اپنے نظریات اور ثقافت کے فروغ کا ہر ممکن موقع دیا جاتا ہے تاکہ یہ پوری قوم کے وقار و مرتبے میں اضافہ کر سکے۔ جناب والا! سماجی انصاف کے معاملے میں بھی اس بات کی جانب توجہ دلانا چاہوں گا کہ اسلام نے اس میں نمایاں حصہ ڈالا ہے۔ اسلام ایسے معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے جہاں سماجی انصاف سے مراد نہ تو خیرات و صدقات ہیں اور نہ ہی کڑے معاشی ضابطے۔ اسلام کے سماجی انصاف کی بنیاد ان اہم قوانین اور تصورات پر رکھی گئی ہے جو انسان کو احتیاج سے پاک اور آزادی سے بھرپور زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایسے معنی دیتے ہوئے جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور سماجی انصاف کے اصولوں کی مزید وضاحت کی گئی ہے جو ہمارے نقطہ نظر کے مطابق ان الفاظ کے عمومی معنوں کے مقابلے پر زیادہ گہرے اور وسیع تر مفہوم کی حامل ہے۔

قرارداد کی اگلی شق میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی حوالوں سے اپنی زندگیاں قرآن مجید اور سنت نبوی میں بیان کردہ تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی اہلیت پیدا کی جائے گی۔ یہ بات عیاں ہے کہ اگر مسلمانوں میں اپنی زندگیاں اپنے مذہب کے احکامات کے مطابق ڈھالنے کی اہلیت پیدا کی جائے گی تو کسی بھی غیر مسلم کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جناب صدر! آپ یہ بات بھی نوٹ کریں گے کہ ریاست کو ایسے غیر جانب دار مبصر کا کردار ادا نہیں کرنا چاہیے جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب کا اقرار کرنے اور اس پر کاربند رہنے کی محض آزادی حاصل ہوگی، کیونکہ ریاست کی طرف سے ایسا طرز عمل بجائے خود ان تصورات کی نفی ہوگا

پاکستان کا مطالبہ پیش کیا
اُس ریاست کا سنگ بنیاد
کرنے کی طرف جا
ایسے حالات پیدا کرے
ایک اسلامی معاشرے
سازگار ہوں، جس سے
کو اس کوشش میں مثبت
ہوگا۔ جناب والا! آپ
اعظم اور مسلم لیگ کے
مبہم انداز میں یہ اعلان
مسلمانوں کے پاکستان

You would notice, Sir, that the Objectives Resolution lays emphasis on the principles of democracy, freedom, equality, tolerance and social justice, and further defines them by saying that these principles should be observed in the constitution as they have been enunciated by Islam.

جن کی بنیاد پر
گیا بلکہ یہی تصورات
ہوں گے جسے ہم تعمیر
رہے ہیں۔ ریاست
گی جو صحیح معنوں میں
کی تعمیر کے لیے
مراد یہ ہے کہ ریاست
اور سرگرم کردار ادا کرنا
کو یاد ہو گا کہ قائد
دیگر راہنما ہمیشہ غیر
کرتے آئے ہیں کہ

Pakistan was founded because the Muslims of this sub-continent wanted to build up their lives in accordance with the teachings and traditions of Islam, because they wanted to demonstrate to the world that Islam provides a panacea to the many diseases which have crept into the life of humanity today.

...the Preamble of the Resolution deals with a frank and unequivocal recognition of the fact that all authority must be subservient to God. It is quite true that this is in direct contradiction to the Machiavellian ideas regarding a polity where spiritual and ethical values should play no part in the governance of the people....

رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی امتیاز کو تسلیم نہیں کرتا۔ اپنے زوال کے دنوں میں بھی اسلامی معاشرہ نمایاں طور پر ان تعصبات سے پاک رہا ہے جو اُس دور میں دنیا کے کئی دیگر حصوں میں انسانی تعلقات میں خرابیاں پیدا کر رہے تھے۔ اسی طرح سے ہم رواداری کے معاملے میں شان دار ریکارڈ رکھتے ہیں کیونکہ قرون وسطیٰ میں بھی کسی بھی دیگر نظام حکومت میں اقلیتوں کو وہ اہمیت اور آزادی حاصل نہیں رہی جو انھیں مسلم ممالک میں میسر رہی ہے۔ جب اختلافی نقطہ نظر رکھنے والے مسیحیوں اور مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور گھروں سے بے دخل کیا جا رہا تھا، جب انھیں جانوروں کی طرح شکار کیا جا رہا تھا اور بدترین مجرموں کی طرح زندہ جلا دیا جاتا تھا — جبکہ مسلم معاشرے میں بدترین مجرموں کو بھی کبھی جلایا نہیں گیا۔ اسلام نے اُن تمام افراد کو جائے پناہ فراہم کی جو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بن رہے تھے اور جو جبر و استبداد کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور تھے۔ یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے کہ جب سام مخالف کارروائیوں نے یہودیوں کو کئی یورپی ممالک سے جلا وطن ہونے پر مجبور کیا تو یہ سلطنت عثمانیہ تھی جس نے انھیں پناہ فراہم کی۔ مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ کوئی بھی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں اقلیتوں کی قابل ذکر تعداد موجود نہ ہو اور جہاں انھیں اپنے مذہب اور ثقافت کے تحفظ کے مواقع حاصل نہ ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس برصغیر پاک و ہند میں جہاں مسلمانوں کو بے پایاں اختیارات حاصل رہے ہیں، غیر مسلموں کے حقوق کا احترام اور تحفظ کیا گیا تھا۔ جناب والا! میں اس بات کی جانب توجہ دلانا چاہوں گا کہ یہ مسلمانوں ہی کی سرپرستی تھی جس میں کئی مقامی زبانوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ بنگال سے تعلق رکھنے والے میرے دوستوں کو یاد ہوگا کہ مسلمان حکمرانوں ہی کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں ہندو مت کی کئی مقدس کتب کے پہلی مرتبہ سنسکرت سے بنگالی میں



غصب کرنے کی کوشش کی تو درحقیقت ایسا کرنا قطعاً غیر اسلامی ہوگا اور اس صورت میں ہم اپنے مذہب کے احکامات کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے۔ انھیں اپنے مذہب پر عمل درآمد یا اس کے تحفظ یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی بھی صورت میں نہیں روکا جائے گا۔ خود اسلامی ثقافت کے فروغ کی پوری تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اقلیتوں کی ثقافتوں نے جنھیں مسلم ریاستوں یا سلطنتوں کے زیر تحفظ پھلنے پھولنے کا موقع ملا، اس عظیم ورثے کی بڑھوتری میں اہم کردار ادا کیا جو مسلمانوں نے اپنے لیے تعمیر کیا تھا۔ میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اگر اقلیتیں ہمارے اجتماعی علم اور شعور کے سرمایے میں حصہ ڈالیں گی تو یہ پاکستان کے لیے فائدے کی بات ہوگی اور اس سے قوم کی اجتماعی زندگی کی افزودگی میں بھی اضافہ ہوگا۔ لہذا ہماری اقلیتیں نہ صرف کامل ترین آزادی کے دور کی بلکہ اکثریت کی طرف سے اس افہام و تفہیم اور حوصلہ افزائی کی توقع بھی رکھ سکتی ہیں جو پوری تاریخ کے دوران مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

جناب والا! اس قرارداد میں وفاقی طرز حکومت کی تجویز رکھی گئی ہے کیونکہ جغرافیائی تقاضے یہی ہیں۔ جب ہمارے ملک کے دو حصے ایک ہزار سے زائد میل کے فاصلے پر واقع ہوں تو وحدانی طرز حکومت کے بارے میں سوچنا بے مقصد ہوگا۔ تاہم میں اُمید رکھتا ہوں کہ دستور ساز اسمبلی ان اکائیوں کو قریب تر لانے اور ایسے رابطے استوار

کے مطالبے کی بنیاد اس حقیقت پر رکھی گئی ہے کہ مسلمان ایک جداگانہ طرز زندگی اور ضابطہ اخلاق کے حامل ہیں۔ انھوں نے اس حقیقت پر بھی زور دیا کہ اسلام محض فرد اور خدا کے اس باہمی تعلق کا نام نہیں، جسے بہر کیف ریاست کے معاملات پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ یہ فی الحقیقت معاشرتی طرز عمل کے لیے مخصوص ہدایات کا تعین کرتا ہے اور معاشرے کے ان مسائل کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے جو اسے روزمرہ زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اسلام محض ذاتی اعتقادات اور طرز عمل کا معاملہ نہیں۔ یہ اپنے پیروکاروں سے اچھی زندگی کی غرض سے ایک ایسے مثالی معاشرے کی تعمیر کی توقع رکھتا ہے جیسا کہ یونانی اسے بیان کرتے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ اسلام میں ”اچھی زندگی“ کی بنیاد لازمی طور پر روحانی اقدار پر رکھی گئی ہے۔ ان اقدار پر زور دینے اور انھیں قانونی حیثیت دینے کی غرض سے ریاست کے لیے مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس انداز میں راہنمائی کرنا لازم ہوگا جس کے ذریعے جمہوریت، آزادی، رواداری اور سماجی انصاف کے اصولوں سمیت اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مبنی ایک نیا سماجی نظام قائم کیا جاسکے۔ میں یہ باتیں محض وضاحت کی غرض سے بیان کر رہا ہوں؛ کیونکہ یہ قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات کی قائم مقام نہیں ہیں۔ کوئی بھی ایسا مسلمان موجود نہیں جو اس بات پر یقین نہ رکھتا ہو کہ اللہ کا کلام اور پیغمبر اسلام کی زندگی اس کے ایمان کے بنیادی اجزاء ہیں۔ اس معاملے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں اور اسلام میں کوئی بھی فرقہ ایسا موجود نہیں جو ان اصولوں کی قطعیت پر یقین نہ رکھتا ہو۔ لہذا پاکستان میں کسی بھی ایسے فرقے کے ذہن میں ریاست کے بنیادی مقاصد کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے جو پاکستان کے اندر اقلیت میں ہے۔ ریاست ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرے گی جو اختلاف رائے سے پاک ہوگا لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ مسلمانوں کے کسی بھی فرقے کی اپنے اعتقادات کے معاملے میں آزادی پر قدغن لگائے گی۔ کسی بھی فرقے کو خواہ وہ اکثریت میں ہو یا اقلیت میں، دوسروں پر حکم چلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی جبکہ اپنے اندرونی معاملات اور گروہی اعتقادات میں تمام فرقوں کو ہر ممکن حد تک چھوٹ اور آزادی دی جائے گی۔ دراصل ہم یہ اُمید رکھتے ہیں کہ مختلف فرقے پیغمبر اسلام کی اس حدیث کے مطابق عمل کریں گے جس میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات باعث رحمت ہیں۔ اپنے اختلافات کو اسلام اور روشن پاکستان کے لیے تقویت کا ذریعہ بنانا اور انھیں پاکستان اور اسلام کے لیے کمزوری کا باعث نہ بننے دینا اب ہماری ذمہ داری ہے۔ اکثر اختلاف رائے کا نتیجہ باشعور سوچ اور ترقی کی صورت میں نکلتا ہے مگر ایسا اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب یہ اختلاف ہمارے حقیقی مقاصد کو نگاہوں سے اوجھل نہ کریں جو کہ اسلام کی خدمت اور اس کے مقاصد کو بڑھاوا دینا ہے۔ لہذا یہ بات واضح ہے کہ اس شق کے ذریعے مسلمانوں کو وہ موقع دینے کی کوشش کی گئی ہے جو وہ اپنے زوال اور غلامی کے طویل عرصے کے دوران حاصل کرنے کی جدوجہد میں تھے یعنی ایسا نظام سیاست قائم کرنے کی آزادی جو دنیا کے سامنے یہ ثابت کرنے کی غرض سے ایک تجربہ گاہ کا کام دے سکے کہ اسلام نہ صرف دنیا کی ایک ترقی پسند قوت ہے بلکہ یہ ان بہت سی بیماریوں کے لیے شفا بھی ہے جس میں انسانیت اس وقت مبتلا ہے۔

اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی اپنی خواہش میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اگر ہم نے اقلیتوں کے حقوق

The State will seek to create an Islamic society free from dissensions, but this does not mean that it would curb the freedom of any section of the Muslims in the matter of their beliefs. No sect, whether the majority or a minority, will be permitted to dictate to the others and, in their own internal matters and sectional beliefs, all sects shall be given the fullest possible latitude and freedom. Actually we hope that the various sects will act in accordance with the desire of the Prophet who said that the differences of opinion amongst his followers are a blessing. It is for us to make our differences a source of strength to Islam and Pakistan, not to exploit them for narrow interests which will weaken both Pakistan and Islam.

کرنے میں ہر ممکن کوشش کرے گی جن کی مدد سے ہم ایک ہم آہنگ اور یکجہتی پر مبنی قوم بن سکیں۔ میں نے ہمیشہ صوبائیت کے احساسات کو دبانے کی حمایت کی ہے لیکن اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں بے معنی یکسانیت کا حامی نہیں ہوں۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ پاکستان کے تمام علاقوں اور کانیوں کو ہماری قومی زندگی کی رنگارنگی میں اضافہ کرنے کے لیے حصہ ڈالنا چاہیے۔ تاہم میں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی بھی ایسی چیز کی اجازت نہیں دی جائے گی جو کسی بھی حوالے سے قومی یکجہتی کو کمزور کرے اور ہمارے عوام کے مختلف طبقات کے درمیان ایسے قریبی رابطوں کے اقدامات کیے جائیں گے جو آج کے مقابلے میں کہیں بہتر ہوں گے۔ اس مقصد کے لیے دستور ساز اسمبلی کو نئے سرے سے اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ مرکز اور مختلف کانیوں کے درمیان اختیارات و معاملات کی تقسیم کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے اور ہمارے نئے ڈھانچے میں کانیوں کا تعین کس انداز میں کیا جائے۔

جناب صدر! بعض بنیادی حقوق کی ضمانت دینے کا رواج سا ہو گیا ہے لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ انہیں ایک ہاتھ سے دے کر دوسرے سے واپس لے لیا جائے۔ میں اس امر کے اظہار کے لیے بہت کچھ کہہ چکا ہوں کہ ہم صحیح معنوں میں ایک آزاد و نظام حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں اس کے تمام شہریوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے گی۔ قانون کی نظر میں ہر ایک یکساں ہوگا مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ ہر فرقے کے ذاتی مذہبی قوانین کا تحفظ نہیں کیا جائے گا۔ ہم حیثیت اور انصاف کی مساوات میں یقین رکھتے ہیں۔ یہ ہمارا پختہ اعتقاد ہے اور ہم بہت سے مواقع پر یہ کہہ چکے ہیں کہ پاکستان مخصوص مفادات یا امیر طبقے کے تحفظ کے لیے قائم نہیں کیا گیا۔ ہمارا ارادہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق ایسی معیشت قائم کرنے کا ہے جس میں دولت کی بہتر تقسیم اور احتیاج سے آزادی کی کوشش کی جائے گی۔ غربت اور پس ماندگی، اور وہ سبھی مشکلات جو انسان کے لیے اپنے تمام امکانات کو بروئے کار لانے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں، پاکستان سے ان سب اسباب کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس وقت ہمارے عوام

کی اکثریت غریب اور ناخواندہ ہے۔ ہمیں ان کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہوگا اور انہیں غربت اور جہالت کی زنجیروں سے آزادی دلوانا ہوگی۔ جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے، ہر ایک کو حکومت کی اختیار کردہ پالیسیوں کے تعین میں رائے دینے اور ریاست کے معاملات چلانے والوں کا انتخاب کرنے کا حق حاصل ہوگا تاکہ یہ لوگ مذکورہ کام عوام کے مفاد میں سرانجام دے سکیں۔ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سوچ پر پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے اور اسی لیے ہم کسی بھی فرد کو اپنے خیالات اور رائے کے اظہار سے روکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہی ہم کسی فرد کو تمام قانون اور جائز مقاصد کے لیے تنظیم سازی کے حق سے محروم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم اپنے نظام سیاست کی بنیاد آزادی، ترقی اور سماجی انصاف پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سماجی امتیازات کو دور کرنا چاہتے ہیں مگر ہم یہ مقصد تکالیف پیدا کرنے یا انسانی ضمیر و سوچ اور جائز و قانونی رجحانات پر پابندیاں لگانے کی صورت میں حاصل نہیں کرنا چاہتے۔

جناب عالی! بہت سے ایسے مفادات اور حقوق موجود ہیں، اقلیتیں جن کے تحفظ کی جائز طور پر خواہاں ہیں۔ یہ قرار دینا بھی تحفظ فراہم کرنا چاہتی ہے۔ بالخصوص ان کے پس ماندہ اور پسے ہوئے طبقے ہماری انتہائی توجہ کے طالب ہیں۔ ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ خود اپنی کسی غلطی کی وجہ سے اپنے آپ کو موجودہ تکلیف دہ صورت حال میں نہیں پاتے۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ان کے موجودہ حالات کے لیے ہم کسی طور پر بھی ذمہ دار نہیں۔ مگر اب چونکہ وہ ہمارے شہری ہیں تو ہمیں ان کو دیگر شہریوں کی برابری میں لانے کے لیے خصوصی جدوجہد کرنا ہوگی، تاکہ وہ ایک آزاد اور ترقی پسند ریاست کے شہری ہونے کے ناتے خود پر عائد ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل ہو سکیں، اور اس کام میں ان تمام لوگوں کے ساتھ شراکت کر سکیں جو ان سے زیادہ خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جب تک ہمارے عوام میں سے چند طبقات پس ماندہ رہیں گے، وہ ہمارے معاشرے پر بوجھ بن رہیں گے اور اسی لیے اپنی ریاست کی ترقی کے لیے ہمیں لازمی طور پر ان طبقات کے مفادات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

It is, therefore, clear that this clause seeks to give the Muslims the opportunity that they have been seeking, throughout these long decades of decadence and subjection, of finding freedom to set up a polity, which may prove to be a laboratory for the purpose of demonstrating to the world that Islam is not only a progressive force in the world, but it also provides remedies for many of the ills from which humanity has been suffering.



جناب صدر! سب سے آخر میں یہی کہوں گا کہ ہم اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اپنے آئین کی بنیاد اس قرارداد میں بیان کردہ اصولوں پر رکھنے کی صورت میں ہم پاکستان کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے قابل ہو سکیں گے اور وہ دن دور نہیں جب پاکستان ایسا ملک بن جائے گا جس پر اس کے تمام شہری، اپنے طبقے یا عقیدے کے امتیاز کے بغیر فخر کر سکیں گے۔ مجھے پورا اعتماد ہے کہ ہمارے عوام بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ایک عظیم آفت اور بحران کے موقع پر ان کی بے نظیر قربانیوں اور نظم و ضبط کے قابل تحسین احساسات نے دنیا بھر سے داد حاصل کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے عوام کو نہ صرف عزت سے زندہ رہنے کا حق حاصل ہے بلکہ یہ انسانیت کی فلاح اور ترقی میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے۔ یہ ضروری ہے کہ یہ قوم اپنے قربانی کے جذبے کو زندہ رکھے اور اپنے اعلیٰ تخیلات سے وابستہ رہے، اور مقدر خود بخود اسے دنیا کے معاملات میں باوقار مقام پر لے کر جائے گا اور اسے تاریخ کے اوراق میں لازوال بنا کر رہے گا۔ جناب والا! یہ قوم عظیم کامیابیوں کی روایت کی امین ہے؛ اس کی تاریخ شان دار کارناموں سے بھری ہوئی ہے؛ زندگی کے ہر شعبے میں اس نے کامیاب طریقے سے شراکت کی ہے؛ اس کی بہادری کی داستانیں عسکری تاریخوں میں شامل کی جاتی ہیں؛ اس کی انتظامیہ نے ایسی روایات قائم کیں جنہوں نے وقت کی آندھیوں کا کامیابی سے سامنا کیا؛ تخلیقی فنون میں اس کی شاعری، فن تعمیر اور احساس جمال نے بے پناہ داد و تحسین حاصل کی؛ روحانی عظمت کے حوالے سے اس کے بہت ہی کم ہمسر موجود ہیں۔ یہ وہی قوم ہے جو ایک مرتبہ پھر جادہ پیما ہے اور اس بار اسے مناسب مواقع حاصل ہوتے ہیں تو یہ شان دار کامیابیوں کے اپنے پچھلے ریکارڈ کو بھی مات کر دے گی۔ یہ قرارداد مقاصد ایسا ماحول پیدا کرنے کی سمت میں پہلا قدم ہے جو قوم کی روح کو بیدار کر دے گا۔ ہم، جنہیں قدرت نے ایک ایسا کردار ادا کرنے کے لیے منتخب کیا ہے جو بجائے خود بہت معمولی اور غیر نمایاں ہی کیوں نہ ہو، قوم کی احيائے نو کے اس عظیم مرحلے پر اپنے سامنے نظر آنے والے مواقع کو دیکھ کر فوراً جذبات سے گنگ ہو کر رہ گئے ہیں۔ آئیے ان مواقع کو عقل اور بصیرت کے ساتھ استعمال میں لائیں اور مجھے اس امر میں ذرہ بھر شبہ نہیں کہ یہ عاجزانہ کوششیں اس عظیم کارساز کے کرم سے جو کہ پاکستان کو وجود میں لے کر آیا، اس حد تک ثمر آور ہوں گی جو ہماری سوچ اور توقعات سے بڑھ کر ہوگا۔ ایسا روز روز نہیں ہوتا کہ عظیم قوموں کو اپنے طور پر کچھ کرنے کا موقع ملے؛ یہ بھی ہر روز نہیں ہوتا کہ عوام خود کو نشاۃ ثانیہ کی دہلیز پر کھڑا پائیں؛ اور ایسا موقع بھی ہر روز نہیں آتا کہ قدرت کچھڑے ہوؤں اور غلاموں کو کھڑا ہونے میں مدد دے اور ایک عظیم مستقبل کو خوش آمدید کہنے کے لیے ان کی پیٹھ ٹھونکے۔ یہ روشنی کی ایک ننھی سی کرن ایک روز روشن کی نوید ہے جسے ہم اس قرارداد کی صورت میں سلام کہتے ہیں۔



لیاقت علی خان، قائد اعظم کی قبر پر فاتح خوانی کرتے ہوئے۔

قومی ترانہ

آج کل کی قومی ریاستوں میں قومی پرچم کے ساتھ ساتھ قومی ترانے کی بھی اتنی ہی اہمیت ہوتی ہے۔ قائد اعظمؒ اس معاملے میں بھی بہت زیادہ حساس تھے۔ آپ نے پاکستان کا قومی ترانہ تیار کرنے کا خود حکم فرمایا مگر قیام پاکستان کے فوراً بعد مشکلات کے انبار کے باعث کچھ مدت تک قومی ترانے کے سلسلے میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ ہو سکی۔ جب پاکستان وجود میں آیا تو اس کا کوئی قومی ترانہ نہ تھا، لہذا یوم پاکستان ”پاکستان زندہ باد، پاکستان پائندہ باد“ کے نعروں سے منایا گیا۔ پاکستان بننے کے ایک طویل عرصے بعد تک سکولوں اور کالجوں میں اقبالؒ کے ترانے ”چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا، مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا“ اور ”لب پہ آتی ہے دعا بن کر تمنا میری“ جیسی نظمیں پڑھی جاتی رہیں۔

۱۹۵۰ء کے اوائل میں شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کو حکومت کی دعوت پر پاکستان کا دورہ کرنا تھا۔ شہنشاہ ایران کے استقبال کی تقریب پر رواج و آداب کے لحاظ سے ضروری تھا کہ معزز مہمان کا استقبال قومی ترانے سے کیا جائے۔ چنانچہ سرکاری طور پر پاکستان کے قومی ترانے کی ضرورت شدید طور پر محسوس کی گئی۔

احمد غلام علی چھاگلہ پاکستان میں ایک ماہر موسیقی کی حیثیت سے معروف تھے۔ ان کے ذمے قومی ترانے کی دھن بنانے کی ذمہ داری لگائی گئی۔ اس تنگیء وقت میں جناب چھاگلہ نے صحت کی خرابی کے باوجود شب و روز محنت شاقہ سے ۱۵ موسیقی کے آلات کی مدد سے ۱۹۴۹ء کو پاکستان کے قومی ترانے کے لیے ایک مناسب دھن مرتب کر لی۔ جب شہنشاہ ایران پاکستان آئے تو ہماری بحریہ کے بینڈ نے اس ترانے کی دھن کو معزز مہمان کے استقبال کے موقع پر بجایا، جو اسے سن کر بہت متاثر ہوئے۔

واضح رہے کہ اس وقت تک پاکستان کے قومی ترانے کے اشعار مرتب نہیں کیے گئے تھے، صرف دھن ہی بنائی گئی تھی۔ اس کے بعد دھن پر ترانہ لکھنے کیلئے ملک کے تمام بڑے بڑے شعراء کو مدعو کیا گیا اور سب سے بہتر ترانے کا فیصلہ کرنے کیلئے حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد

تو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان!

مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام

قوم، ملک، سلطنت پائندہ تابندہ باد!

شاد باد منزلِ مراد

پرچمِ ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال

ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال!

سایہ خدائے ذوالجلال

مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین شاد باد

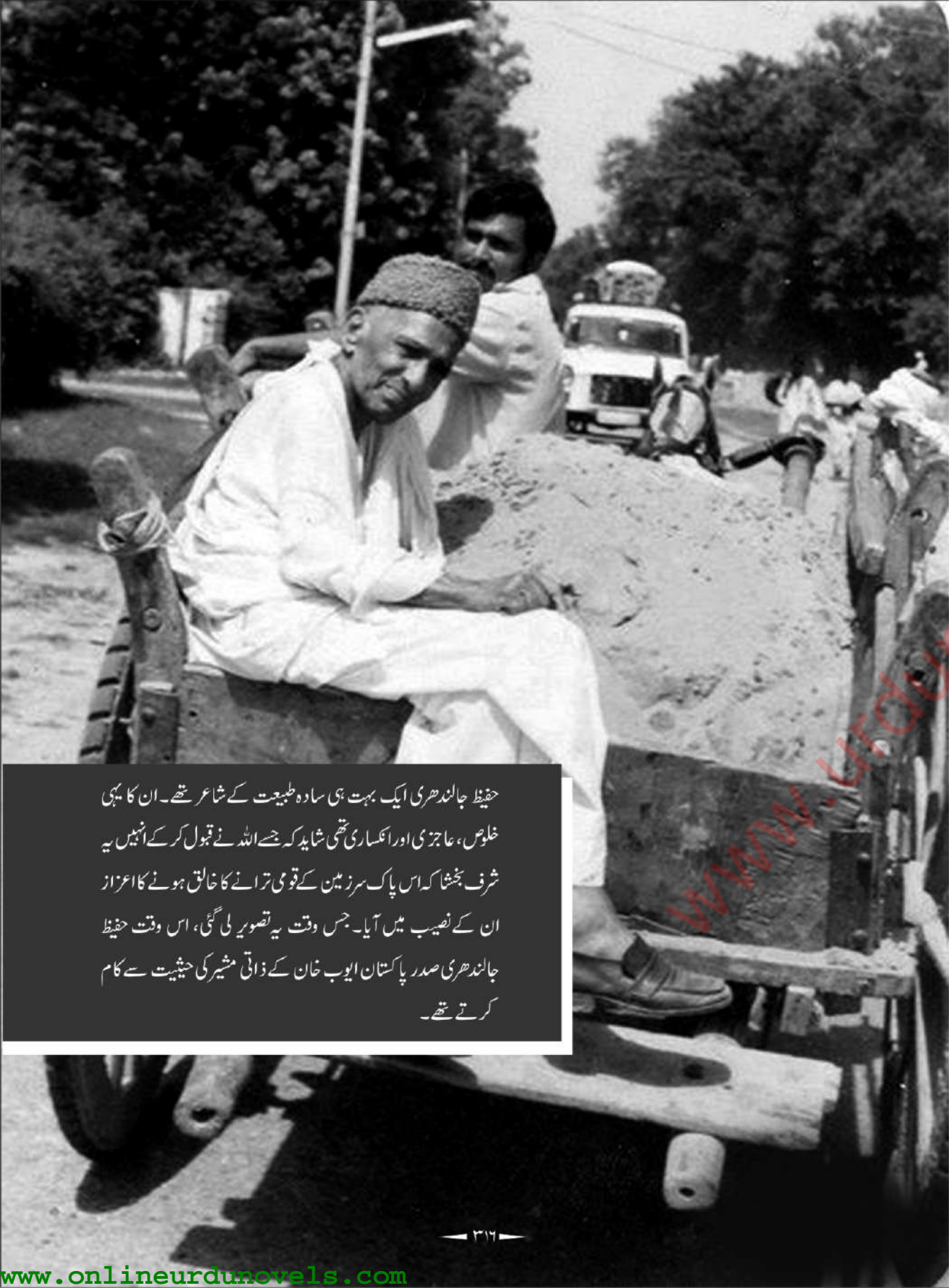
تو نشانِ عزمِ عالی شان

ارضِ پاکستان!

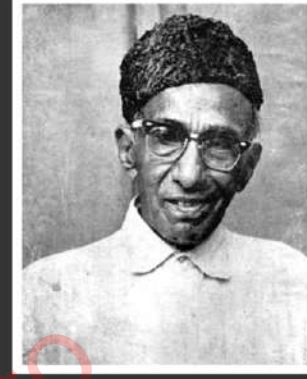
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام

قوتِ اخوتِ عوام



حفیظ جالندھری ایک بہت ہی سادہ طبیعت کے شاعر تھے۔ ان کا یہی خلوص، عاجزی اور انکساری تھی شاید کہ جسے اللہ نے قبول کر کے انہیں یہ شرف بخشا کہ اس پاک سرزمین کے قومی ترانے کا خالق ہونے کا اعزاز ان کے نصیب میں آیا۔ جس وقت یہ تصویر لی گئی، اس وقت حفیظ جالندھری صدر پاکستان ایوب خان کے ذاتی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔



حفیظ جالندھری



احمد غلام علی چھاگلہ

دے دی۔ اسی دوران میں حفیظ جالندھری اور دیگر شعراء کے لکھے گئے ترانے موصول ہونے لگے۔ سارے ترانے کمیٹی کے سامنے رکھے گئے اور کمیٹی نے اتفاق رائے سے حفیظ جالندھری کے لکھے ہوئے معرکہ الآراء ترانے کو منظور کر لیا۔

۱۳ اگست ۱۹۵۴ء کو کابینہ کا ایک اور اجلاس منعقد ہوا کہ جس میں حفیظ جالندھری کے لکھے گئے ترانے کو بغیر کسی رد و بدل کے منظور کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ۱۳ اگست ۱۹۵۴ء کو پہلی دفعہ قومی ترانہ ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔

احمد غلام علی چھاگلہ کہ جو پاکستان کے قومی ترانے کی دھن کے خالق ہیں، کا انتقال ۵ فروری ۱۹۵۳ء کو ہوا، جبکہ قومی ترانے کی دھن کی سرکاری طور پر منظوری ۴ اگست ۱۹۵۴ء کو ہوئی۔ انہیں اپنی زندگی میں یہ دن دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ بعد ازاں حکومت پاکستان نے انہیں ان کی خدمات کے صلے میں صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا۔

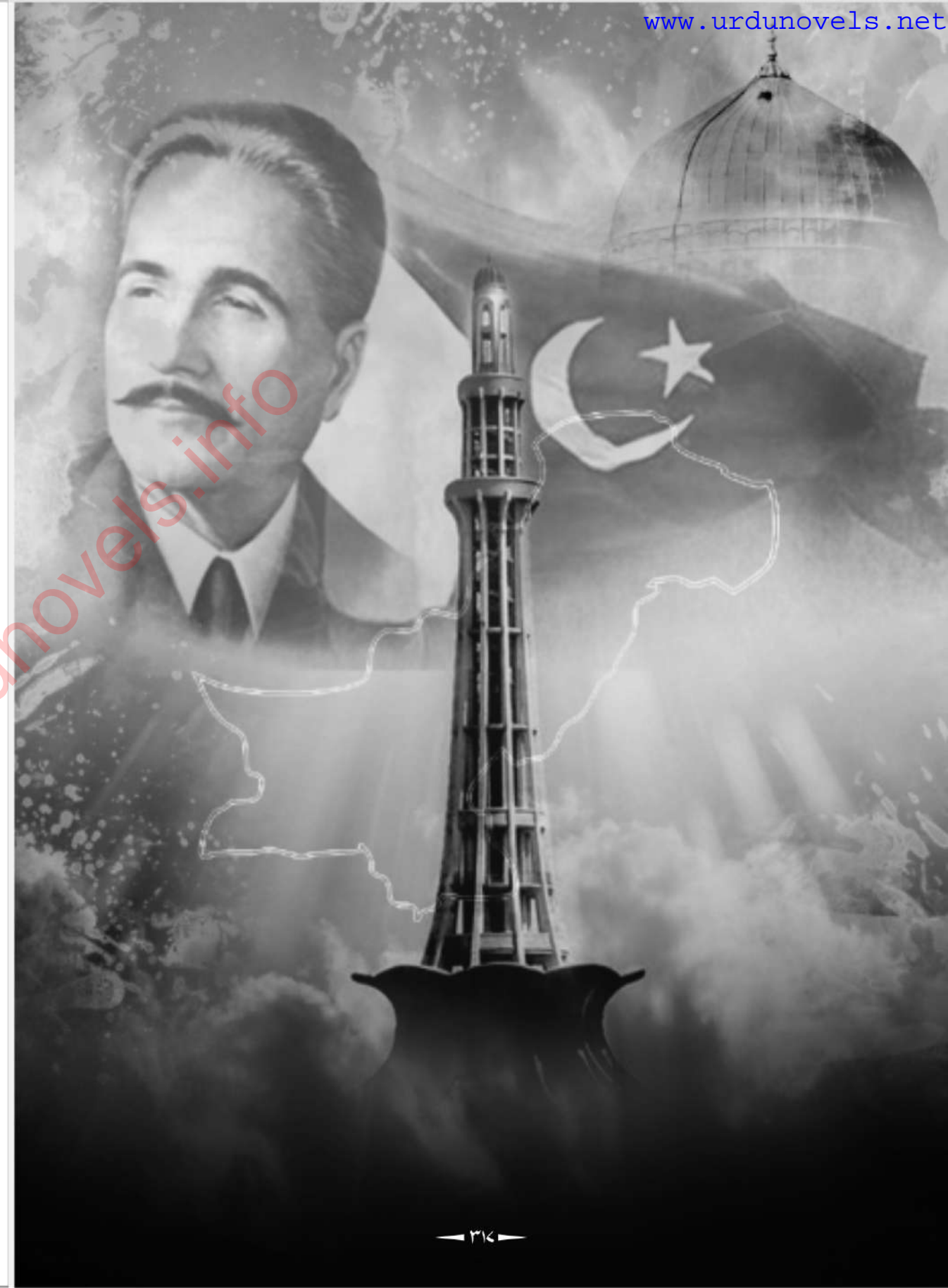
حفیظ جالندھری کا انتقال ۲۱ دسمبر ۱۹۸۲ء میں ہوا۔ ان کی خواہش تھی کہ انہیں علامہ اقبالؒ کے پہلو میں دفن کیا جائے، لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ لیکن یہ سعادت ضرور ان کے نصیب میں آئی کہ قومی ترانہ لکھ کر انہوں نے اپنا نام ہمیشہ کیلئے اس پاک سرزمین کے ساتھ جوڑ لیا۔

حیرت انگیز طور پر پاکستان کا یہ جذباتی اور رومانوی قومی ترانہ فارسی زبان میں ہے، کہ جس میں صرف ایک لفظ ”کا“ اردو کا ہے۔ آج پاکستان کا قومی ترانہ اور اس کی دھن دنیا کے خوبصورت ترین قومی ترانوں اور دھنوں میں شمار ہوتی ہے، اور ہر پاکستانی کا خون گرماتی ہے۔



طلوع صبح آزادی.....!!!

ڈائریکٹ ایکشن ڈے قائد اعظمؒ کا ایک انتہائی جارحانہ اور دلیرانہ اقدام تھا، کہ جس نے نفسیاتی طور پر تاج برطانیہ اور ہندو انتہا پسندوں کو مکمل طور پر شکست سے دوچار کر دیا۔ آج تک مسلمان صرف سیاسی جدوجہد کے ذریعے اپنے حقوق طلب کر رہے تھے، کہ جس کے نتیجے میں انگریزوں اور ہندوؤں کو یہ غلط فہمی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی کہ مسلمانوں پر زور اور زبردستی کر کے انہیں مطالبہ پاکستان سے دور رکھا جاسکتا ہے۔ مگر ”ڈائریکٹ ایکشن ڈے“ میں مسلمانوں نے جس سرفروشی اور جانثاری سے مطالبہ پاکستان کیلئے اپنی جانیں قربان کیں، ہندو اکثریت کے خلاف مزاحمت کی اور تاج برطانیہ کے خلاف بغاوت کی، تو اس سے انگریز سرکار کو اب یہ پیغام دیا جا چکا تھا کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے علاوہ مسلمان کوئی اور حل قبول نہیں کریں گے، چاہے اس کیلئے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو جان مال اور عزت کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ انگریزوں کو اندازہ تو اچھی طرح تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اور ہندوستانی فوج میں ہونیوالی بغاوتوں کی وجہ سے وہ اب ہندوستان پر اپنا مزید قبضہ برقرار نہیں رکھ سکیں گے، مگر پھر بھی ان کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ مسلمان اس قدر جارحانہ اقدام اٹھا کر ہندوستان کی تقسیم کو اس قدر جلد ممکن بنا سکیں گے۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کی مسلح بغاوت کے بعد انگریز حکومت نے حتمی فیصلہ کر لیا کہ اب فوری طور پر ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ دو بڑے علاقے ایسے تھے کہ جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تقریباً برابر آبادی رکھتے تھے۔ ان کی تقسیم انگریز حکومت کیلئے بہت بڑا مسئلہ بن گئی تھی۔ ہندوستان میں موجود درجنوں نیم آزاد ریاستوں کو تو اختیار دیا گیا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کر لیں، مگر بنگال اور پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس مقصد کیلئے انگلستان کے ایک وکیل ریڈ کلف کو ہندوستان بلایا گیا۔ مضحکہ خیز طور پر اس کو صرف آٹھ ہفتے دیئے گئے کہ وہ نقشے پر لکیریں لگا کر پنجاب اور بنگال کے صوبوں کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تقسیم کرے۔ ریڈ کلف اس سے قبل زندگی میں کبھی ہندوستان نہیں آیا تھا، نہ وہ علاقے سے واقف تھا، نہ مقامی آبادی سے اور نہ ہی ان کے درمیان موجود اختلافات سے۔



کا تمام علاقہ، کہ جہاں مسلمان بستے ہیں، اگر مسلمان یہاں کمزور ہیں، یہاں مغرب کی یلغار ہے، انتشار اور فساد ہے تو اس سے پورے ایشیا میں فساد ہے۔ مسلمان ملت کی قوت اور طاقت ہی ایشیا کو سنبھال سکتی ہے۔

اقبال پوری امت اور خاص طور پر آج کے پاکستانیوں کو سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خر گا ہی ہو یا اعرابی والا گھر

مسلمان ملت میں جو بھی رنگ و خوں کا امتیاز کرے گا، یہ کہے گا کہ میں عرب ہوں، میں ترک ہوں، میں پاکستانی ہوں، میں بلوچ ہوں، میں پٹھان ہوں، میں اردو بولنے والا ہوں، میں پنجابی ہوں، میں کشمیری ہوں، میں سندھی ہوں..... غرضیکہ جس نے بھی عصبیت، رنگ، خوں، اور زبان کے نام پر امت میں تفریق ڈالی، تو اللہ تعالیٰ اسے مٹا کے رکھ دے گا، اس کا وجود ختم کر دے گا۔ کیونکہ اللہ اب فیصلہ کر چکا ہے، کہ اسے اس امت کو عروج دینا ہے۔ اب جو اس عروج کی راہ میں رکاوٹ بنے گا، روند دیا جائے گا۔

تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے، حضور ﷺ کے تشریف لانے کے بعد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا، کہ اب اسلام کو پوری دنیا میں پھیلانا ہے، چنانچہ جو بھی اس کی راہ میں رکاوٹ بنا، روند دیا گیا۔ ابو جہل اور ابولہب بدنصیب تھے، کہ وہ یہ بات سمجھ ہی نہ سکے اور تاریخ کی غلط سمت میں جا کھڑے ہوئے، نتیجتاً ایک نئی فکر اور ایک نیا انقلابی نظریہ ان کو روندتا ہوا گزر گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ اور باقی صحابہ کرامؓ نے جنہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا، وہ اس نئے انقلابی نظریے کے حامی اور حمایتی بن گئے، اور دو جہانوں میں نوازے گئے۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

آج پوری مسلم دنیا میں نسلی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر جنگیں برپا کی جا رہی ہیں۔ افغانستان، پاکستان، عراق، شام، یمن، بحرین..... غرضیکہ درجنوں مسلمان خطوں میں فرقہ وارانہ اور قومیت کی بنیادوں پر مسلمانوں کو تقسیم کر کے ملکوں کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ اقبال ان فتنوں کو اسی وقت بھانپ چکے تھے۔

اے کہ شناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

امت مسلمہ کی اس قدر تقسیم اور تخریب کے باوجود، اقبال اس ہدف کو اپنے سامنے رکھتے ہیں، کہ بالآخر امت کو ایک مرتبہ پھر متحد کر کے خلافت کا قیام وجود میں لانا، امت کے احیاء کی لازمی شرط ہے۔ اقبال خلافت کا قیام چاہتے ہیں، مگر ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح آگاہ ہیں، کہ آج کے زوال پذیر دور کے پس ماندہ اور شکست خوردہ مسلمان، اس بھاری ذمہ داری کے ابھی قابل نہیں ہیں، لہذا وہ امت کی تربیت پر انتہائی زور دیتے ہیں۔ آج مسلمان تحریکوں اور ممالک کی شکست کی وجہ ہی یہی ہے، کہ امت کے پاس تربیت یافتہ اور نگاہ بلند افراد موجود نہیں۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

مسلمانوں کی تباہ شدہ حالت کو دیکھ کر، امت کی پستی اور زوال کے دردناک مناظر اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے، اور کفر کی اس قدر ہلاکت خیز طاقت کی موجودگی میں، عام مسلمان تو کیا، بڑے بڑے دانشور اور قائدین بھی، اس قدر مایوس ہو چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کے عروج کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے میں اقبال جیسے مرد قلندر کی اذان، بہت سوں کو صرف ایک رومانوی داستان ہی لگتی تھی۔ کسی کو بھی یہ یقین نہ تھا، کہ مسلمان اب دوبارہ اپنا عروج حاصل کر پائیں گے۔ مگر اقبال پورے حق الیقین کے ساتھ، اپنی بات پر ڈٹے رہے، اور امت کو حوصلہ دلاتے رہے کہ اب ان کے عروج کا فیصلہ، تقدیر الہی میں کر دیا گیا ہے، اور اب انہیں آگے بڑھ کر اس رزق کو اپنے نصیب میں کرنا ہے۔ جو پھر بھی شک کرتے رہے، انہیں اقبال نصیحت کرتے ہیں کہ اب انتظار کرو اور اس فقیر کی زبان سے ادا ہونیوالی تقدیر الہی کے کھلنے کا نظارہ دیکھو۔

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقبالؒ کے پورے کلام میں جا بجا یہ خوشخبریاں بکھری ہوئی ہیں۔ یہاں ہم مختصر ان میں سے چند پیش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تمام خوشخبریاں وہ ایک ایسے دور میں دے رہے ہیں کہ جب پوری امت مسلمہ پر مایوسی کے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ یہی اقبالؒ کا کمال ہے، یہی ان کا فیض ہے، کہ جس کی وجہ سے آنے والی صدیوں تک امت پر اقبالؒ کا احسان رہے گا۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابانی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دور گراں خوابانی

مسلمانوں کی غفلت کا دور ختم ہو چکا ہے، ایک نیا سورج طلوع ہو چکا ہے، اور یہ ایک نئے دور کے آغاز کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

اب چودہ سو سال کی اسلامی میراث، پاکستان کے مسلمانوں کو عطا ہوئی ہے۔ ہر مسلمان تہذیب میں جو بھی خیر ہے، اللہ اس کو جمع کر کے، پاکستان کے مسلمانوں کے ذریعے، امت کو عروج دلوائے گا، چاہے وہ عثمانی خلافت کا جلال ہو، یا ہند کے مسلمانوں کی عقل و دانش، یا عربی تہذیب کی فصاحت و بلاغت۔

اقبالؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اس امت کی دوبارہ شیرازہ بندی کی جارہی ہے، دوبارہ اس کتاب کی جلد بندی ہو رہی ہے، کہ جو ورق ورق ہو گئی تھی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خلافت عثمانیہ کی تقسیم کے بعد جس طرح امت کو پارہ پارہ کر دیا گیا تھا، اب اللہ اپنے کرم سے دوبارہ اس امت کو متحد کر کے، عروج کی طرف لے جانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ خوشخبریاں اقبالؒ اس وقت دے رہے تھے کہ جب کوئی ایک بھی آزاد مسلمان ملک حقیقی معنوں میں موجود نہیں تھا، مگر یہ مستقبل کی وہ تصویریں ہیں کہ جن کا فیصلہ تقدیر الہی میں کر دیا گیا ہے۔

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ!

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

یہ ناقابل یقین بشارتیں ہیں، مگر حقیقت یہ ہے، کہ یہ امت مسلمہ کی وہ تقدیر ہے، کہ جس کے ظہور کا آغاز پاکستان کے قیام سے شروع ہو چکا ہے۔ دشمنوں کی تمام تر فتنہ گیریوں، سازشوں اور قتل و غارت کے باوجود، اقبالؒ اور قائد اعظمؒ جیسے درویشوں کی حکمت سے، اللہ نے دشمن کی تمام تدبیروں کو غارت کر دیا۔ اور اب ان شاء اللہ یہی پاکستان، وہ مرکز بنے گا، کہ جہاں سے اقبالؒ کی زبان سے ادا ہوئی والی دیگر تمام خوشخبریوں کی تکمیل، ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

ان تمام مسلمانوں کو، کہ جو ابھی بھی اس تقدیر کے حوالے سے شک میں مبتلا ہیں، اقبالؒ بڑی سختی سے تاکید کرتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت پر نگاہ رکھو کہ اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اس کا وعدہ محکم ہے۔ اللہ مسلمانوں سے وعدہ کر چکا ہے کہ اگر وہ ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کریں گے، تو اللہ ان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر ’لا یتخلف المیعاد‘ دار

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو بھی وعدے فرمائے ہیں، جو بھی خوشخبریاں عطا فرمائی ہیں، ان پر شک کرنا حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدے سچے ہیں۔ اس امت نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنا ہے، غزوہ ہند لڑنا ہے، خلافت علیٰ منہاج النبوتؐ نے دوبارہ قائم ہونا ہے، اس امت نے نیل کے ساحل سے لیکر کاشغر کی خاک تک، ایک مرتبہ پھر متحد ہونا ہے، اب اس پاکستانی قوم سے اللہ نے دنیا کی امامت کا کام لینا ہے۔ وہ خوش نصیب وجود ہو گئے کہ جو ان بشارتوں پر شک نہ کریں اور اس تقدیر کا حصہ بنیں۔

اقبالؒ کو اس بات کا بہت احساس اور دکھ تھا کہ امت مسلمہ کی قیادت اور نوجوان انتہائی مایوسی کا شکار ہیں، شک اور وسوسوں میں پڑے ہوئے ہیں، بے یقینی کی حالت میں ڈولتے ہوئے، زمانوں کی لہروں کے ساتھ بہے چلے جا رہے ہیں۔ اقبالؒ ان غافل نوجوانوں کو بڑی سختی سے یقین پیدا کرنے کی تاکید کرتے ہیں، ان کو ان کا مقام یاد دلاتے ہیں کہ اگر دنیا میں اللہ نے کوئی تبدیلی لانی ہے، تو اس کیلئے، اس کا دست و بازو مسلمان ملت کے جوان ہی ہونگے۔ اللہ یہ کام ملائکہ سے بھی کروا سکتا تھا، لیکن یہ اس کی سنت ہے کہ امت رسول ﷺ میں سے ہی شیروں اور دلیروں کو چنتا ہے۔ اقبالؒ یہ چاہتے ہیں کہ اس امت کے نوجوان غفلت اور بے یقینی سے نکل کر جہد مسلسل کے ذریعے اپنی تقدیر خود بنائیں۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے

یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

اقبالؒ نوجوانوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں، کہ آگے بڑھو اور تمہارے سامنے جو شاندار ترین مستقبل ہے، اسے حاصل کرو، کہ اگر تم یہ فرض ادا نہیں کرو گے، تو اللہ تمہیں تبدیل کر کے، کسی اور کو لے آئے گا۔ تم خوش نصیب ہو گے، کہ اگر تم اس مشن کا حصہ بنو گے۔ یہ تم پر اللہ کا احسان ہوگا کہ وہ تمہیں اس مشن کے لیے قبول کر لے۔ یاد رکھیے گا کہ اقبالؒ اردو میں بات کر رہے ہیں۔ ان کا خطاب پاکستانی نوجوانوں سے ہے، پاکستانی قوم سے ہے۔ اقبالؒ نصیحت کرتے ہیں، کہ مسلمان کی فطرت اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں کوئی چیز ناممکن نہیں۔ کائنات میں اللہ نے جو صلاحیتیں چھپائی ہوئی ہیں، وہ ایک بندہ مومن کا امتحان ہے، وہ ان سے بھرپور استفادہ کرتا ہے۔

تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی

جہاں کے جوہر مضمحل کا گویا امتحاں تو ہے

پھر نوجوانوں کو ان کا روحانی مقام بتاتے ہیں، کہ اگر اس کا ادراک ہو جائے تو پھر ہر مسلمان اس قابل ہو کہ ستاروں پر کند ڈال سکے۔

جہاں آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر

نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے

یہ کمال کا شعر ہے۔ اس میں اقبالؒ حضور ﷺ کے واقعہ معراج کا حوالہ دے کر بندہ مومن سے مخاطب ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس فانی دنیا

سے، سدرۃ المنتہی کے پار، ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کیلئے، نبوت جس راز کو اپنے ساتھ لیکر گئی تھی، وہ تم ہو۔ اپنی حقیقت اور مقام کو پہچانو۔ یہ شعر حضور ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کی بھی تشریح ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اقبالؒ فرما رہے ہیں کہ سفر معراج کے بعد حضور ﷺ نے یہ مقام اپنی پوری امت کو تحفے کے طور پر عطا کر دیا ہے۔ اب یہ تمہاری ہمت ہے کہ اس مقام کو حاصل کرتے ہو یا نہیں۔

فکر اقبالؒ کے حوالے سے اس بات کو بہت اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اقبالؒ حق یقین کے درجے پر فائز ہو کر، خود مشاہدہ کر کے، یہ خوشخبریاں دے رہے ہیں۔ بہت سارے راز ایسے ہیں کہ جو انہوں نے بیان کر دیئے ہیں، مگر بہت سارے ایسے بھی ہیں کہ جن کو بیان کرنے سے وہ خود بھی ہچکچا گئے، کہ شاید ان کی قوم ان باتوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے۔ جو کچھ اقبالؒ جانتے ہیں، اگر وہ راز کھول دیتے، تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، کہ دنیا میں ایک قیامت برپا ہو جاتی۔ اقبالؒ اس حقیقت کا اعتراف خود کرتے ہیں:

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی

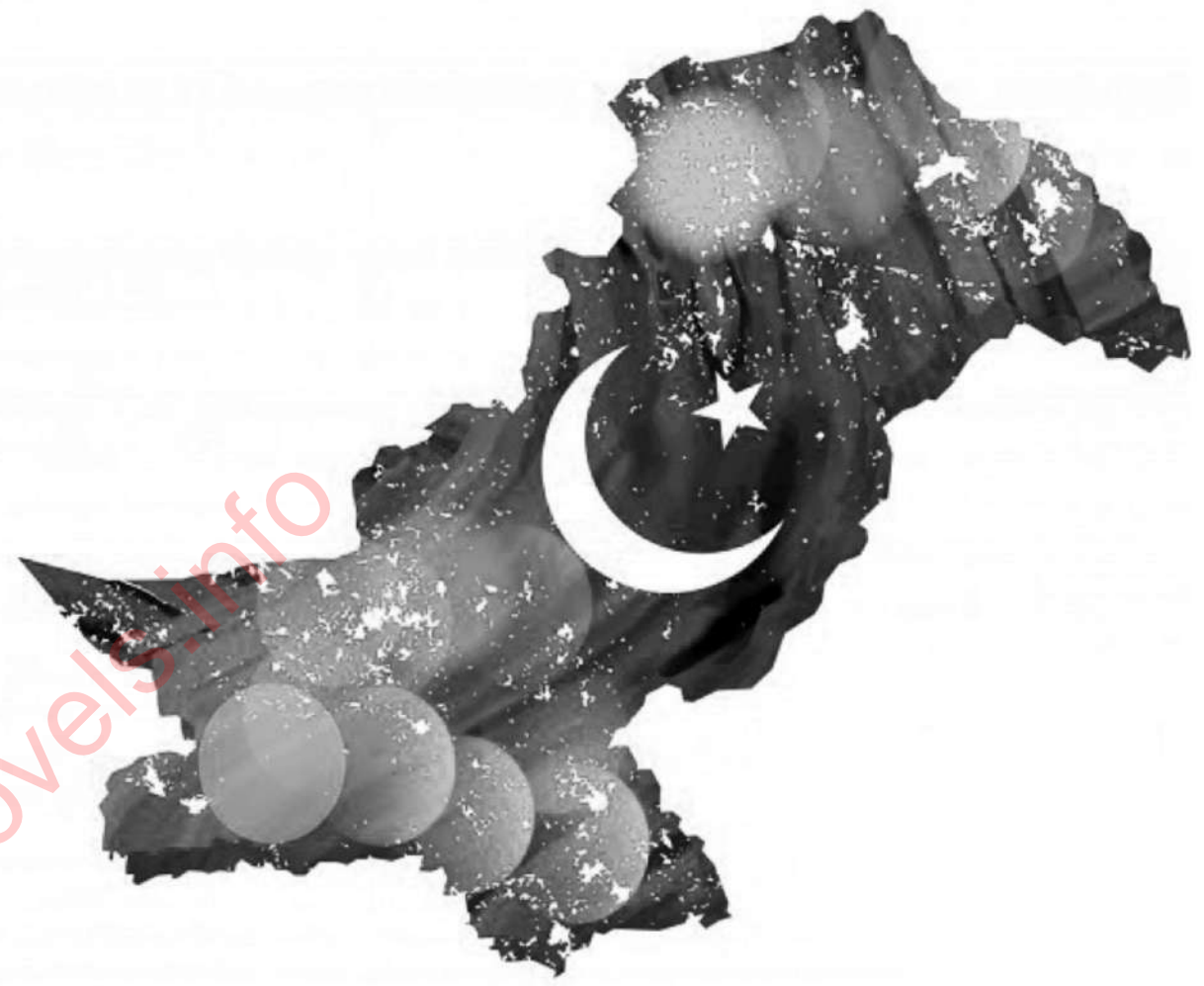
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

یہی اقبالؒ کا وہ حیرت انگیز پہلو ہے کہ جو ان کو ایک ناقابل بیان مرد پر اسرار بناتا ہے۔

آج پورے پاکستان میں مایوسی پھیلی ہوئی ہے۔ ہر طرف لوگوں کو فتنہ و فساد نظر آتا ہے، لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اس قوم کے حکمران ہوش میں آئیں۔ اللہ نے اس پاکستان کی جو تقدیر لکھ دی ہے، وہ اتنی شاندار ہے کہ اس کی راہ میں جو رکاوٹ ڈالے گا، روند دیا جائے گا۔ اب وقت ہے کہ ہم نے اللہ سے جو وعدے کیے تھے، ان کو پورا کریں۔ ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں ایک خطہ زمین دیا تو ہم یہاں پر خلافت علی منہاج النبوة کے طرز پر نظام قائم کریں گے، اس کو امت مسلمہ کا مرکز بنائیں گے، امت رسول ﷺ کی عزت و آبرو کے محافظ بنیں گے۔

مگر اس کے برعکس، آج ہمارے حکمران، دانشور، ذرائع ابلاغ اور سیاستدان، غفلت کا جو راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ تباہی کا وہی راستہ ہے، کہ جس پر چل کر ہم سے پہلے کی قومیں تباہ ہوئیں۔ یاد رکھیے گا کہ فطرت کی تعزیریں بہت سخت ہوتی ہیں۔ قوموں کی اجتماعی غلطیوں کی سزا شدید ہوتی ہے، اور سزائے انسلوں میں کاٹنی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدے کو اگر پورا نہیں کریں گے، جو تقدیر لکھ دی گئی ہے، اس کی راہ میں رکاوٹ بنیں گے، تو خود ہلاک ہونگے۔



علامہ اقبالؒ کا کلام آنے والے دور میں، ہمارے جلال و جمال کی ایک تصویر ہے۔ اب پاکستانی قوم، اس کے نوجوانوں اور ملت پر فرض ہے کہ ہم اس ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر اٹھائیں۔ یہ صدیوں اور نسلوں کا بوجھ ہے، کہ جو اب اس نسل کو اپنے کندھوں پر اٹھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو عزت لکھی ہے، وہ اتنی شاندار ہے کہ اقبالؒ نے بھی صرف اسکی ایک دھندلی سی تصویر ہی دکھائی ہے، کہ لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

ان شاء اللہ، جلد ہی، پاکستان کی ہاں اور ناں میں دنیا کے فیصلے ہونے جارہے ہیں۔ پاک فوج، غزوہء ہند میں شریک ہو کر ہندوستان پر قبضہ کرے گی۔ پاکستان امت مسلمہ کا مرکز بنے گا۔ یہاں ایک ہوں گے مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے۔

اپنے آپ کو اس تقدیر کا حصہ بنا لیجئے۔ اللہ ان تمام لوگوں کا حامی و ناصر ہو، کہ جو اس پاکستان، اسکی عزت و آبرو اور سرحدوں کی حفاظت کیلئے اپنے آپ کو قربان کر رہے ہیں۔ اور اللہ ان دشمنوں کا بیڑہ غرق کرے، تباہ و برباد کرے، کہ جو اس پاکستان کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں، اس کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں یا اس ملت کو، قومیت، لسانیت، عصبیت اور صوبائیت میں تقسیم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔

ہمارا پیغام پاکستانی ملت اور امت مسلمہ کیلئے جلال و جمال کا پیغام ہے۔ ہم جاتے جاتے اس قوم کو خوشخبری دیتے ہیں، کہ فکر نہ کریں، ایک شاندار سورج طلوع ہو چکا ہے۔ ان شاء اللہ، اب دنیا بھی دیکھ لے گی۔ اللہ اس پاکستان کی حفاظت کرے۔ اس میں رہنے والوں کی حفاظت کرے اور اقبالؒ کا جو خواب اس امت کیلئے تھا، اسکی تکمیل ہماری زندگیوں میں، ہمارے ہی ہاتھوں ممکن ہو، آمین۔

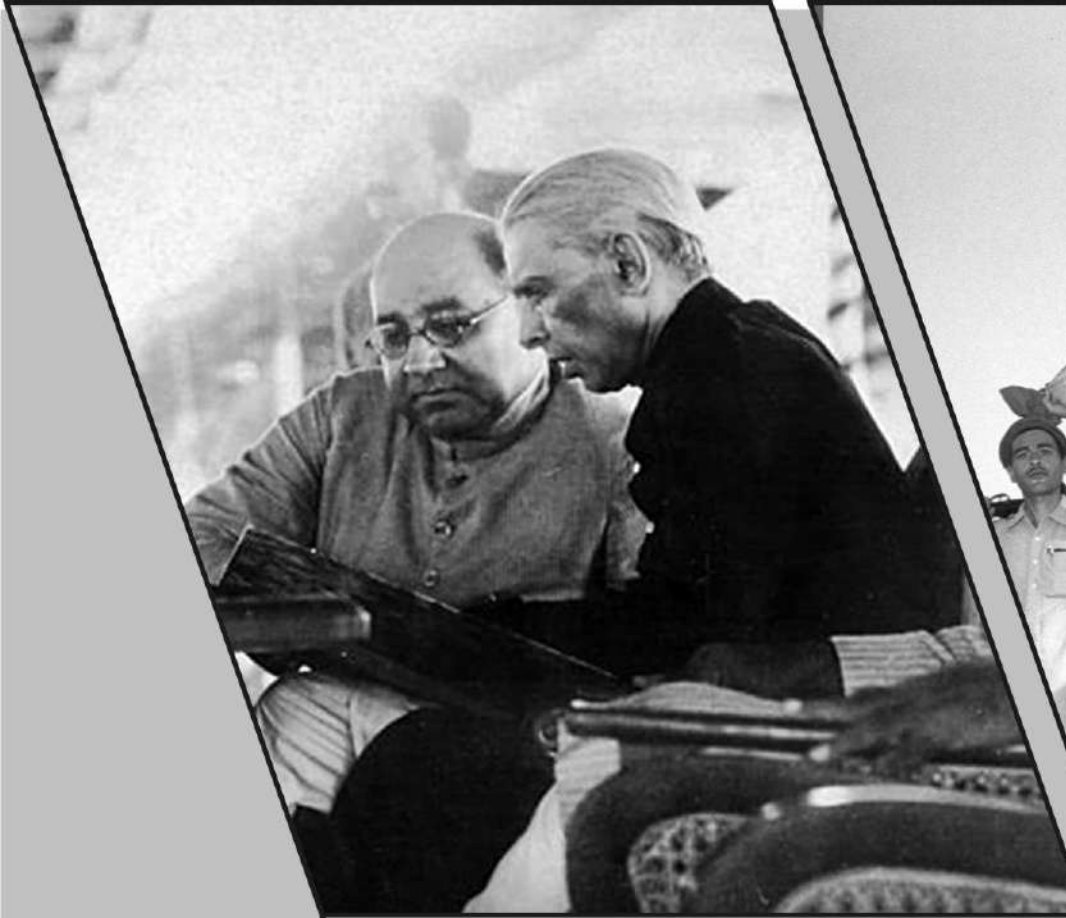
یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہوگی اگر ہم اس عروج کا حصہ بن جائیں۔ ورنہ اللہ پھر ایسے لوگوں سے کام لے گا کہ جو اللہ سے پیار کرتے ہوں گے، اور اللہ ان سے پیار کرے گا، جو اللہ سے راضی ہوں گے اور اللہ ان سے راضی ہوگا۔ اگر یہ سعادت ہمارے نصیب میں آئے، تو ہم خوش نصیب ہوں گے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے، آمین۔

عشق کو فریاد لازم تھی، سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

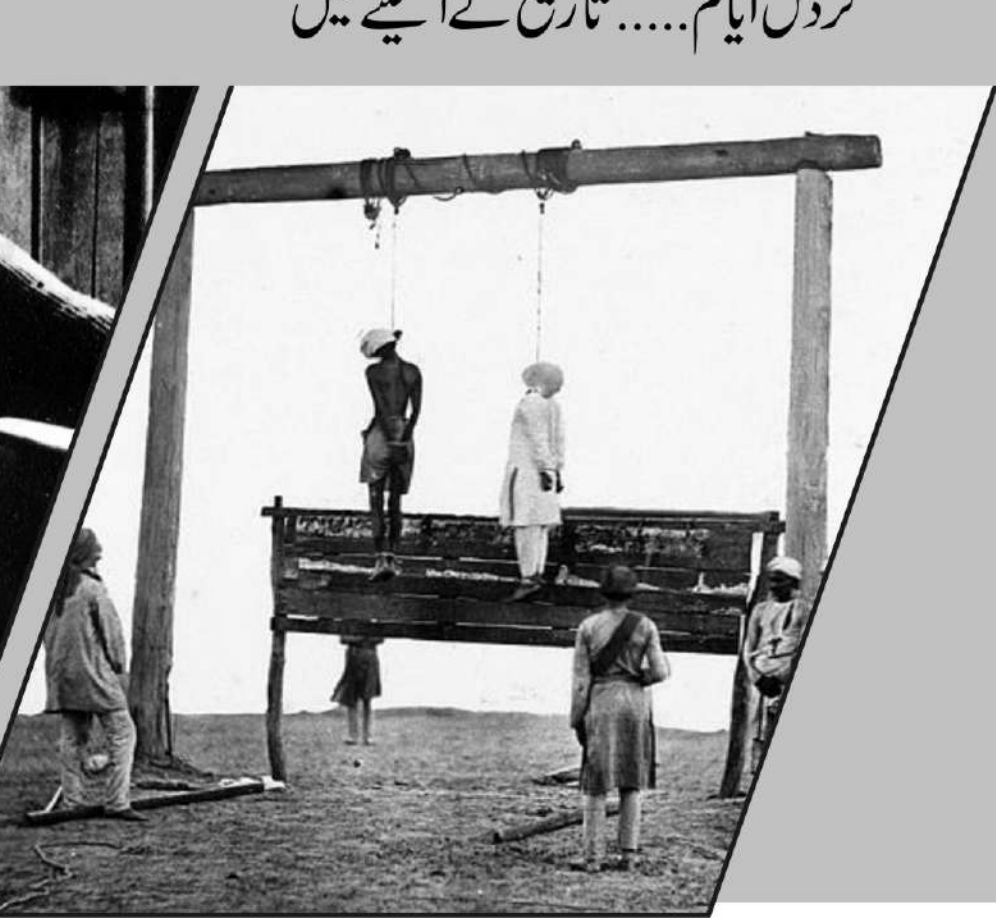


جس کسی نے بھی پاکستان کو نقصان پہنچایا، چاہے وہ اندرا گاندھی ہو یا شیخ مجیب، داخلی دشمن ہوں یا خارجی، سیاستدان ہو یا دانشور، صحافی یا جج، اسکا دنیا اور آخرت میں بدترین انجام مقدر ہے۔ آج ہر وہ فرد کہ جو پاکستان کے خلاف جنگ کر رہا ہے، وہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ آج پاکستان دنیا میں ایمان کی دلیل، حجت اور فرقان ہے۔

اس پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک راز کے طور پر رکھا ہے اور امت کے عروج کا مرکز، زینہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ پاکستانی قوم کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ یہ جو خراب حالات آپکو نظر آ رہے ہیں، جو فتنہ و فساد پھیل رہا ہے، یہ سب گواہی ہے، ان لوگوں کے خلاف کہ جن کے ہاتھ میں آج پاکستان کا اختیار ہے۔ یہ ان کے خلاف ایک قطعی حجت پوری کی جا رہی ہے۔ آنے والے دور میں، اسی پاک سرزمین میں، ایک اسلامی فلاحی ریاست کا وجود عمل میں لایا جائے گا۔ وہ تمام لوگ کہ جو آج اس پاکستان کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، کل ان کی جڑیں کاٹی جائیں گی، ان شاء اللہ۔



گروڈش ایام..... تاریخ کے آئینے میں



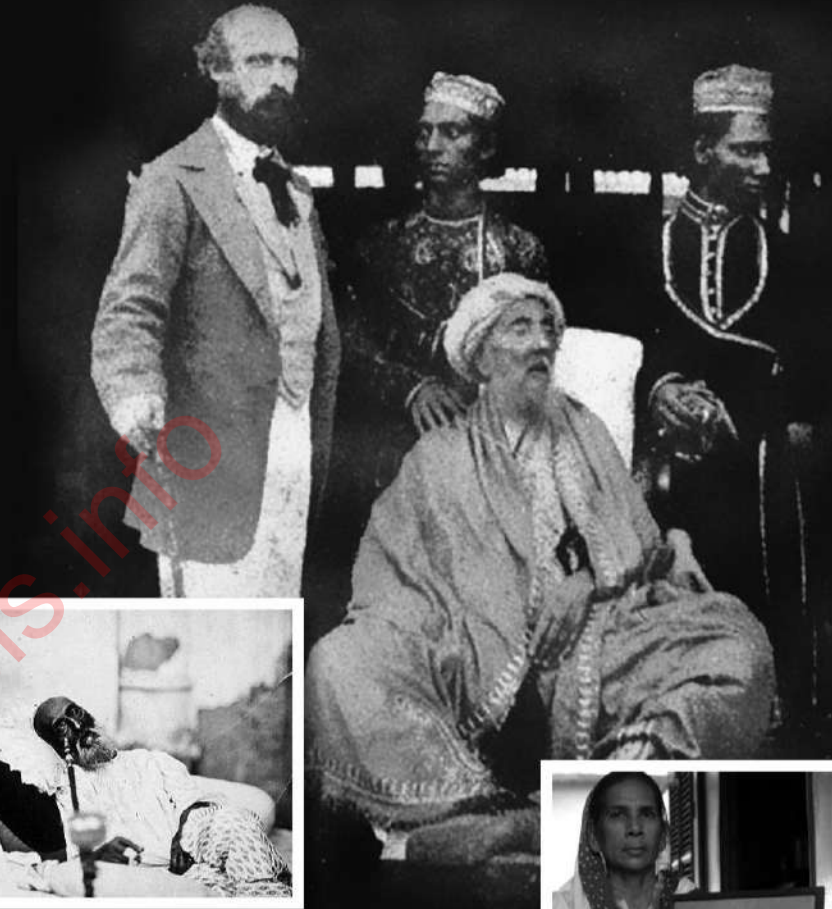
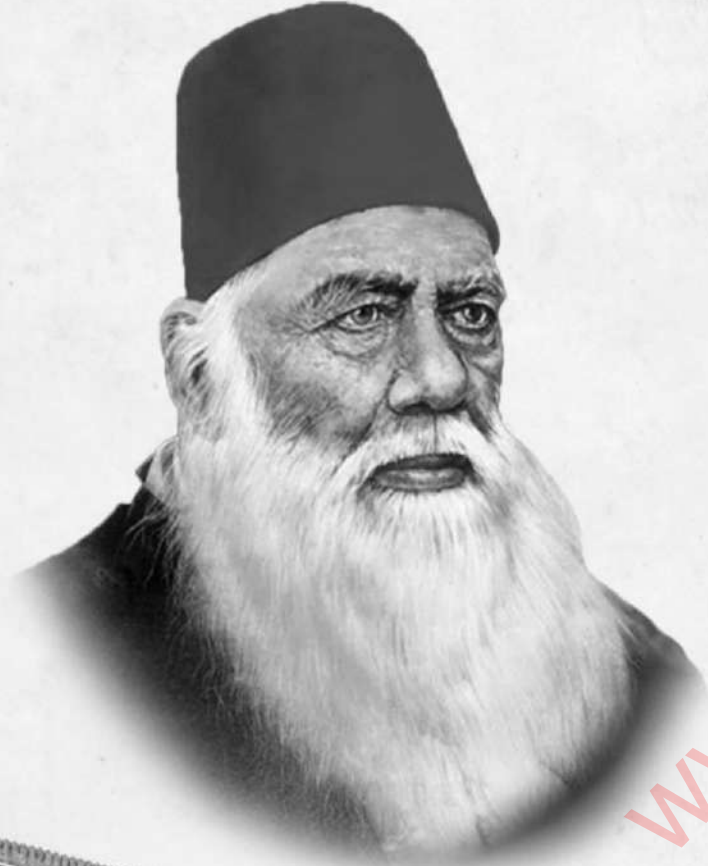
۱۸۵۷ء

انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۱ء میں بنائی، اور اگلے ڈھائی سو سالوں میں بڑی عیاری اور مکاری سے تجارت کے ذریعے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ یہ دنیا میں پہلی مثال تھی کہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی کس طرح پورے برصغیر پر معاشی ہتھیاروں کے ذریعے قبضہ کرتی ہے۔ نواب سراج الدولہ ۱۷۵۷ء میں اور ٹیپو سلطان ۱۷۹۹ء میں مسلح مزاحمت کرتے ہوئے پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ اب ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں اپنی آزادی برقرار رکھنے کیلئے ایک آخری مسلح مزاحمت کا آغاز کیا، مگر یہ بھی ناکام ہوئی۔ ایک ہزار سال تک حکومت کرنے کے بعد بالآخر مسلمان سلطنت کا سورج غروب ہو گیا اور ہندوستان مکمل طور پر تاج برطانیہ کے قبضے میں چلا گیا۔ ہندوؤں کیلئے تو صرف حکمران تبدیل ہوئے، مگر مسلمان اپنے ایک ہزار سالہ اقتدار، عزت اور عسکری و معاشی قوت سے مکمل طور پر محروم ہو گئے۔ انگریزوں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد انتہائی بے رحمی اور ظلم سے ہندوستان سے مغل حکومت بلکہ اسلامی تہذیب اور اقدار کے ہر نشان کو مٹانا شروع کر دیا۔ اردو اور فارسی کی جگہ انگریزی کو سرکاری زبان بنادیا گیا اور ہر وہ مسلمان کہ جو انگریزی زبان سے ناواقف تھا سرکاری طور پر ”جاہل“ قرار پایا اور اس پر تمام تر سرکاری نوکریوں اور ترقیوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ لاکھوں مسلمان علماء اور اشرافیہ کو پھانسیوں پر چڑھا دیا گیا۔ راتوں رات ایک ہزار سال تک ہندوستان پر حکومت کرنے والے مسلمان ہندوستان میں ذلیل و رسوا کر دیئے گئے۔



۱۸۷۵ء

سر سید احمد خان وہ پہلے مسلمان تھے کہ جنہیں انیسویں صدی میں اس بات کا احساس ہوا کہ اب حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے چاچکی ہے اور مسلمانوں کی بقاء کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ جدید تعلیم کے ذریعے اپنے آپ کو دوبارہ منظم کریں۔ چونکہ حکومت انگریزوں کی تھی اور انگریزی زبان سرکاری زبان کا درجہ رکھتی تھی، لہذا سر سید نے سب سے پہلے مسلمانوں کو انگریزی کی تعلیم دینے کیلئے ”محمدان اینگلو اورینٹل کالج“ بنایا، کہ جو آنے والے برسوں میں ترقی کر کے ”علی گڑھ یونیورسٹی“ کے نام سے دنیا میں مشہور ہوا۔ تحریک پاکستان کے بڑے بڑے سپاہی اسی علی گڑھ یونیورسٹی سے پڑھ کر نکلے اور قائد اعظم کے سپاہی بنے۔



۱۸۶۲ء

بہادر شاہ ظفر و احمد مغل بادشاہ ہیں کہ جن کی کیمرے سے کھینچی گئی تصویر موجود ہے، کہ جب انہیں جلا وطن کر کے برما میں قید کر دیا گیا تھا اور وہیں بڑی کسپہری اور اذیت کے عالم میں ان کا ۱۸۶۲ء میں انتقال ہوا۔ انگریزوں نے پورے شاہی خاندان کو یا قتل کیا، رسوا کیا، یا جلا وطن کر دیا۔ آج بھی بہادر شاہ ظفر کے پوتے پوتیاں ہندوستان میں بھکاریوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔



چونکہ کانگریس میں مجموعی طور پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، لہذا انیسویں
 صدی کے آغاز میں ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی ایک علیحدہ
 سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ مسلم لیگ کا قیام ۱۹۰۶ء میں
 نواب سلیم اللہ کے گھر عمل میں آیا اور آنے والے وقتوں میں یہ پورے
 ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت بن کر
 ابھری کہ جس کے پرچم تلے پاکستان حاصل کیا گیا۔

۱۹۰۶ء مسلم لیگ کے بانی ممبران



انیسویں صدی کے آخر میں ایک انگریز ایلن آکٹیوین ہیوم نے
 ۱۸۸۵ء میں ”آل انڈین نیشنل کانگریس“ کے نام سے ایک
 سیاسی جماعت بنائی، کہ جس کا مقصد ہندوستانیوں کو مقامی
 سیاست میں حصہ لینے کیلئے تربیت دینا تھا۔ گوکہ کانگریس تمام
 ہندوستانیوں کیلئے بنائی گئی تھی، مگر جلد ہی اس پر مکمل قبضہ
 ہندوؤں نے کر لیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح اپنی نوجوانی میں ایک
 طویل عرصہ تک کانگریس کے رکن رہے، اور ہندو مسلم اتحاد کیلئے
 کوششیں کرتے رہے۔ بالآخر ہندوؤں کے متعصب رویے
 سے تنگ آکر قائد اعظم نے کانگریس چھوڑ دی اور مسلم لیگ میں
 شمولیت اختیار کر لی۔

کانگریس کے بانی ممبران ۱۸۸۵ء

۱۹۱۴ء

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم یورپ میں شروع ہوتی ہے۔ گوکہ یہ جنگ بنیادی طور پر یورپ میں لڑی گئی، مگر اس کو برپا کرنے کا اصل مقصد خلافت عثمانیہ کو تباہ کرنا تھا۔ ۱۹۱۸ء تک جاری رہنے والی اس پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ تباہ ہو کر رہ گئی، اور انگریز حکومت نے بدنام زمانہ ”اعلان بالفور“ کے ذریعے یہودیوں کو یہ خوشخبری سنادی کہ اب فلسطین کے علاقے میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے راہ ہموار کر دی گئی ہے۔



PALESTINE FOR THE JEWS.
OFFICIAL SYMPATHY.
Mr. Balfour has sent the following letter to Lord Rothschild in regard to the establishment of a national home in Palestine for the Jewish people:—
I have much pleasure in conveying to you, on behalf of his Majesty's Government, the declaration of sympathy with Jewish aspirations which has been submitted to and approved by the Cabinet:—
The Government view with the best endeavours to facilitate the achievement of this object, it being clearly understood that nothing shall be done which might prejudice the civil rights of other communities in Palestine.



THE CALIPH DEPOSED.
SCENE IN THRONE ROOM.
EXPULSION AT NIGHT.
(FROM OUR OWN CORRESPONDENT.)
CONSTANTINOPLE, MARCH 4.
The Caliph Abdul Mejid, his son Prince Omar Faruk Effendi, and the members of his immediate family were compelled to leave Constantinople during the night.



۱۹۱۹ء

ہندوستان کے مسلمانوں نے خلافت کے دفاع کیلئے زبردست تحریک چلائی کہ جسے تاریخ میں ”تحریک خلافت“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آج بھی ترک مسلمان پاکستان کے مسلمانوں کی عزت و احترام کرتے ہیں کہ اس نازک وقت میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر طرح سے ترک مسلمانوں کا ساتھ دیا اور امداد بھیجی۔

۱۹۲۳ء

۱۹۲۳ء میں ترکی کے نئے حکمران مصطفیٰ کمال پاشا نے خود ہی خلافت کو ختم کر دیا، اور ترکی کو ایک سیکولر اور لادین ریاست قرار دے دیا۔ علامہ اقبالؒ مصطفیٰ کمال کے اس عمل سے سخت دکھی ہوئے اور یہ مشہور شعر کہا:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

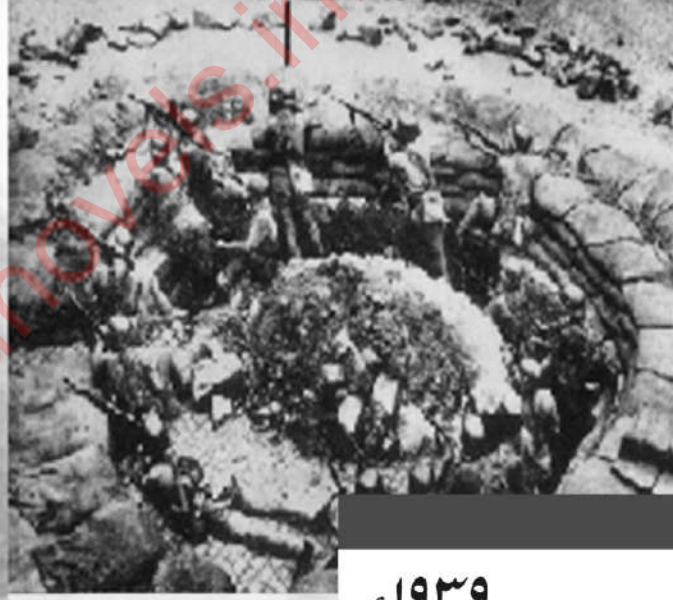


۱۹۳۰ء

۱۹۳۰ء تک تمام بڑی بڑی اسلامی حکومتیں ختم ہو چکی تھیں۔ مشرق اور مغرب میں مسلمان ہر جگہ غلام بنائے جا چکے تھے۔ مغل حکومت ختم ہو چکی تھی، مسلمانوں کے روحانی مرکز، خلافت عثمانیہ، کو تباہ کیا جا چکا تھا، اور اب پوری دنیا میں کوئی اسلامی سلطنت باقی نہیں رہی تھی۔ ایسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں علامہ اقبالؒ اپنا مشہور خطبہ الہ آباد پیش کرتے ہیں کہ جس میں یہ نظر یہ دیا جاتا ہے کہ برصغیر ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کی آزاد اسلامی ریاست بنائی جائے گی۔

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

۱۹۳۸ء میں علامہ اقبالؒ کا انتقال ہوتا ہے۔ پورا عالم اسلام اس سانحے پر سوگوار ہوتا ہے۔ امت مسلمہ کے اس تاریک دور میں اللہ نے اقبالؒ کو امت مرحوم کو دوبارہ نئی زندگی عطا کرنے اور خوشخبریاں دینے کیلئے بھیجا تھا۔ اقبالؒ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ وہ ایک ”زندہ رود“ ہیں یعنی ایک تیز بہتا ہوا چشمہ کہ جس کا فیض کبھی ختم نہیں ہوگا۔



۱۹۳۹ء

۱۹۳۹ء میں یورپ میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہو جاتا ہے، کہ جس میں بھی پہلی جنگ عظیم کی طرح کروڑوں انسان ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ایک جانب تو اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار ہو جاتی ہے تو دوسری جانب تاج برطانیہ اس جنگ کے نتیجے میں اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ اب ہندوستان پر انگریزوں کیلئے قبضہ برقرار رکھنا ناممکن رہ جاتا ہے۔ مسلمان انگریزوں کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے قیام پاکستان کی جدوجہد تیز کر دیتے ہیں۔



29⁴/₄₂ مورخ 17⁴/₄

Receipt
 3/21
 21/5
 127
 12.8.45

آداب عمر حسن میرے
پاس عکیدی کے اور انعام کے
جو اقبال میں ملتا تھا تنہا ردینہ
تھے میں اُن کو جناب کی خدمت
میں پیش کر رہا ہوں۔ آپ
(اس کو مسلم گپ کے چندے
میں جمع فرمائیں۔
میں نے خلیہ کا جواب فرودیں

جناب بابائی صاحب - حضور جناح صاحب
بعد ادب - فیضان - خلا مانہ - کے عرض ہے - کہ چھوٹا
جان ہیں دن ہوئے - دو سونے سے کہتے تھے - کہ حضور
جناح صاحب نے مسلمانوں کے کام واسطے ہر ایک مسلمان
سے چندہ مانگا ہے - آگے نہیں مانگا تھا - بابائی صاحب
مجھ کو غلام کو جو پیسہ ملتا ہے - میں نے اکٹھا کر لیا ہے -
آپ کوئی فکر نہ کریں - آٹھ آنے جمع ہوئے ہیں - کلٹ لیکر
اس بھائی میں بند کر کے بھیجے ہیں - خدا کرے آپ کو مل
جائیں - آپ بالکل فکر نہ کریں - میں اور بھی پیسے جمع
کرؤں گا - اگر یہ آٹھ آنے آپ کو مل جائیں - اور بھی
بھیجوں گا - آپ کوئی فکر نہ کریں - اور جب ہر ماہوں گا -
اور بھی بہت زیادہ روپے بھیجوں گا خدا آپ کا ساہ
ہمارے سروں پر قائم رکھے - آداب
راہم آپ کا غلام عزیز الرحمن طالب علم - جماعت پنجم حقیقہ
بانی سکول امرتسر +

1940

۱۹۴۰ء میں، تین جنگ عظیم کے دوران، کہ جب انگریز حکومت عالمی جنگ میں سخت نقصانات اٹھا رہی تھی، ہندوستان کے مسلمانوں نے قائد اعظم کی قیادت میں مطالبہ پاکستان پیش کر دیا۔ لاہور میں ہونے والا جلسہ آئندہ آنے والے دنوں میں ”قرارداد پاکستان“ کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔ اور اس کے بعد مسلمانان برصغیر نے اپنی تمام تر توانائیاں حصول پاکستان کیلئے صرف کر دیں۔ یہ تحریک پاکستان کا رومانوی سحر ہی تھا کہ سکولوں کے بچے پیسے جمع کر کے اپنے لیے اشیاء خریدنے کی بجائے اسے تحریک پاکستان میں بطور عطیہ دیتے۔

۱۹۴۷ء

۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم کا اختتام ہوتا ہے۔ اور دو سال کے اندر ہی ہندوستان کے مسلمان قائد اعظم کی قیادت میں پاکستان حاصل کر لیتے ہیں۔ گوکہ کاغذ کی حد تک پاکستان ابھی تک تاج برطانیہ کے ماتحت ریاست ہوتا ہے، مگر قائد اعظم کی قیادت میں مکمل خود مختاری کے ساتھ ایک آزاد اسلامی ریاست کے طور پر ۱۹۴۷ء میں دنیا کے سامنے ابھر کر آتا ہے۔





۱۹۴۸ء

۱۹۴۸ء میں ہی اسرائیل کی ناجائز ریاست کا قیام وجود میں آتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے یہودیوں سے جو وعدے کیے تھے، اور جس کیلئے خلافت عثمانیہ کو تباہ کیا گیا تھا، وہ ناپاک ہدف دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ قائد اعظم اور علامہ اقبالؒ نے قیام پاکستان سے قبل ہی اسرائیل کی ناجائز ریاست کی شدید مخالفت کی۔ پاکستان آج بھی اسرائیل کی ناجائز ریاست کو تسلیم نہیں کرتا۔



۱۹۴۷ء

قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی قائد اعظم نے جہاد کشمیر کا آغاز کروادیا تھا۔ انگریزوں نے خیانت اور غداری سے کشمیر، حیدرآباد دکن اور جونا گڑھ کی ریاستوں کو بھارت میں شامل کر دیا تھا۔ ان تینوں ریاستوں کا تنازعہ ابھی تک اقوام متحدہ میں زیر التواء ہے۔ ۱۹۴۷ء میں شروع ہونیوالی کشمیر کی تحریک آزادی آج تک جاری ہے اور کشمیریوں نے کبھی بھی ناجائز بھارتی قبضے کو قبول نہیں کیا۔



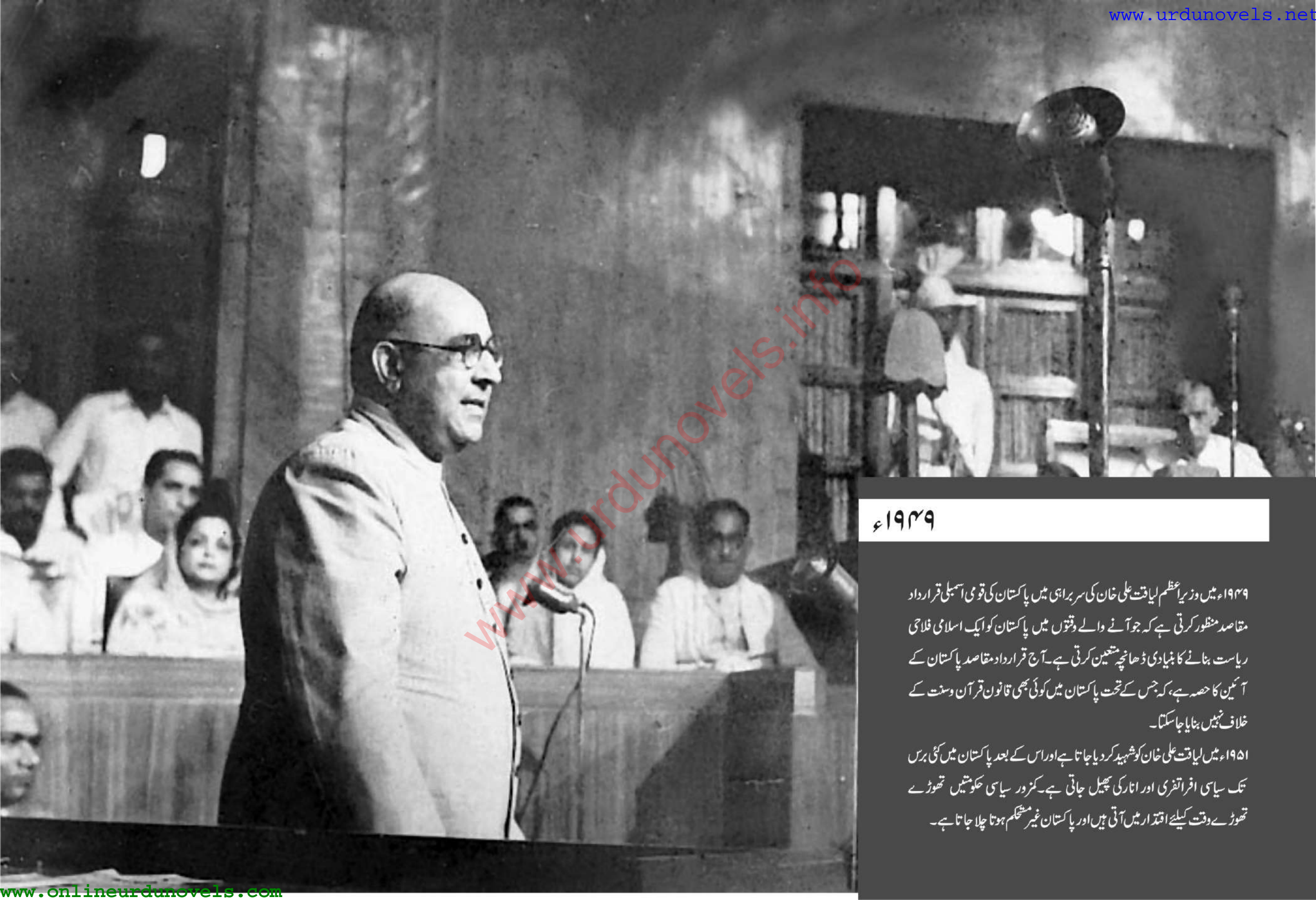
۱۹۴۹ء

۱۹۴۹ء میں چین کا قیام عمل میں آتا ہے۔ پاکستان دنیا کا پہلا ملک ہوتا ہے کہ جو چین کو ایک آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ پاکستان اور چین کے درمیان اسی دور میں قائم ہونیوالی دوستی آج تک مضبوطی سے قائم ہے اور ہر شعبے میں دونوں ممالک ایک دوسرے کے دوست، اتحادی اور حلیف ہیں۔



۱۹۴۸ء

۱۹۴۸ء میں بابائے قوم قائد اعظمؒ کا انتقال ہو جاتا ہے، مگر قائد اعظمؒ جانے سے پہلے پاکستان کو اس قدر مستحکم اور مضبوط کر جاتے ہیں کہ دشمنوں کی تمام تر سازشوں کے باوجود پاکستان آج تک قائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا۔
”دنیا کی کوئی طاقت بھی پاکستان کو ختم نہیں کر سکتی“
(قائد اعظمؒ محمد علی جناح)



۱۹۴۹ء

۱۹۴۹ء میں وزیراعظم لیاقت علی خان کی سربراہی میں پاکستان کی قومی اسمبلی قرارداد مقاصد منظور کرتی ہے کہ جو آنے والے وقتوں میں پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا بنیادی ڈھانچہ متعین کرتی ہے۔ آج قرارداد مقاصد پاکستان کے آئین کا حصہ ہے، کہ جس کے تحت پاکستان میں کوئی بھی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جاسکتا۔

۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد پاکستان میں کئی برس تک سیاسی افراتفری اور انارکی پھیل جاتی ہے۔ کمزور سیاسی حکومتیں تھوڑے وقت کیلئے اقتدار میں آتی ہیں اور پاکستان غیر مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے۔



۱۹۵۸ء

۱۹۵۸ء پاکستان کے سیاسی انتشار کے نتیجے میں بالآخر پاک فوج جنرل ایوب خان کی قیادت میں اقتدار سنبھال لیتی ہے۔ ایوب خان کے دور میں پاکستان میں بہت بڑے بڑے ترقیاتی کام کروائے گئے۔ اسلام آباد کا شہر اسی دور میں آباد کیا گیا۔ تربیلا اور منگلا ڈیم بھی ایوب خان نے ہی بنوائے۔ پاکستان کا دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔



۱۹۵۸ء

۱۹۵۸ء پاکستان، عمان سے، گوادر کا علاقہ ساڑھے پانچ ارب روپے میں خرید لیتا ہے۔ رقم کا زیادہ تر حصہ پرنس کریم آغا خان کی طرف سے دیا گیا۔ گوادر گوکہ بلوچستان کا حصہ تھا، مگر انگریزوں نے تقریباً ایک صدی قبل اسے عمان کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت پاکستان نے گوادر کو واپس خرید کر اسے پاکستان میں شامل کیا۔ آج گوادر پاکستان کی تعمیر و ترقی میں ایک مرکزی حیثیت کا اختیار کر گیا ہے۔



THE AUSTRALIAN
TUESDAY SEPTEMBER 14 1965
NUMBER 364
PRICE SIXPENCE

BIGGEST TANK BATTLE SINCE WORLD WAR II
PAKISTANI VICTORY
Huge losses on both sides

From OUR WORLD CABLE SERVICES in NEW DELHI and RAWALPINDI, Monday

Pakistani forces have repulsed a massive Indian armored assault in the greatest tank battle since the African desert campaign of World War II.

In a desperate, two-day battle among the maize fields of West Pakistan, the Pakistani forces have turned back an Indian force estimated at 50,000 men supported by hundreds of tanks.

RIVER THEIR LAST ENEMY
ABANDONED BY THE INDIAN ARMY in its retreat from the battle of Sialkot, a tank and two trucks lie awreck in a frontier river. The battle was the biggest clash of armored units since the World War II campaign in North Africa and appears to have been won by Pakistan. Any advantages pressed home could be the deciding factor in the present Indo-Pakistan conflict.

DRUG CUT V SAVE
Price reduction drugs will cut £2.6 cost of Australia's Scheme.
The Minister for Health announced the reduction following negotiations between the Government and the pharmaceutical industry.

Australia will give away £60m this year
By OUR DIPLOMATIC CORRESPONDENT, NEW DELHI



۱۹۶۵ء

۱۹۶۵ء میں پہلی باقاعدہ پاک بھارت جنگ ہوئی۔ پاکستان کی جانب سے کشمیر کی تحریک آزادی کی حمایت کے جواب میں بھارت پوری قوت کے ساتھ لاہور اور سیالکوٹ پر حملہ آور ہو گیا۔ سترہ روز تک جاری رہنے والی اس گھمسان کی جنگ میں بھارت کو شدید ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، وہ پاکستان کے کسی بھی شہر یا علاقے پر قبضہ نہ کر سکا اور تین گنا زیادہ فوج، فضائیہ اور بحریہ ہونے کے باوجود پاکستان کے ہاتھوں اس بری طرح سے شکست سے دوچار ہوا کہ عالمی طاقتوں کو بیچ میں ڈال کر جنگ بندی پر مجبور ہو گیا۔

۱۹۷۱ء



۱۹۷۱ء میں پاک فوج اور آئی ایس آئی نے مشرقی پاکستان میں اگر تلہ سازش پکڑی۔ اس سازش کے تحت مشرقی پاکستان کا سب سے بڑا سیاستدان شیخ مجیب الرحمن بھارت کے ساتھ سازش کر کے پاکستان توڑنے کی مسلح بغاوت پر عمل کرنے چاہا تھا۔ مجیب الرحمن کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس کے خلاف عداری کا مقدمہ بنایا گیا۔ مگر تمام سیاسی جماعتوں نے فوجی حکومت کے خلاف شدید احتجاج کر کے مجیب الرحمن کے خلاف قائم عداری کے مقدمات کو ختم کروا دیا اور ۱۹۷۱ء میں پورے ملک میں عام انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ عدالہ ملک و قوم شیخ مجیب الرحمن اب مشرقی پاکستان میں پوری طرح سے آزاد تھا کہ انتخابات میں حصہ لیکر پاکستان توڑنے کی سازش کو ختم تک پہنچائے۔

۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان ایک عالمی سازش اور داخلی بغاوت کے نتیجے میں پاکستان سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ عدالہ شیخ مجیب الرحمن بھارتی فوج کے ساتھ ملکر لاکھوں بستی بستی کے ویش گرد تیار کرتا ہے کہ جو مشرقی پاکستان میں بغاوت برپا کر دیتے ہیں۔ پاک فوج کی صرف چالیس ہزار سے بھی کم نفری، اپنے مرکز سے ایک ہزار میل دور، بشیر کسی ٹینک، توپخانے، بیوی یا فضا نیکی مدد کے بڑی دلیری سے چھ لاکھ سے بھی زائد بھارتی افواج اور بستی بستی کا مقابلہ کرتی ہے۔ مگر بالآخر ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھارتی فوج ڈھاکہ پر قبضہ کر لیتی ہے۔ تقریباً چالیس ہزار پاک فوج اور تقریباً پچاس ہزار کے قریب حکومت پاکستان کے سول ملازمین، ان کے خاندان، پولیس، اور دیگر ریاستی اداروں کے افراد جنگی قیدی بنائے جاتے ہیں۔ مشرقی پاکستان، پاکستان سے علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش کے نام سے ایک الگ ملک کے طور پر سامنے آتا ہے۔ چند ہی سالوں میں خود بنگلہ دیش کے اندر بغاوت برپا ہوتی ہے اور بنگالی فوج شیخ مجیب الرحمن کو خاندان سمیت قتل کر دیتی ہے۔



۱۹۷۹ء

۱۹۷۹ء میں روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہو کر ملک پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ چالیس لاکھ کے قریب افغان مہاجر پاکستان میں داخل ہو کر پناہ لیتے ہیں۔ پورے افغانستان میں اعلان جہاد کے نتیجے میں تحریک مزاحمت شروع ہو جاتی ہے۔ روسی ٹینک پشاور کے نزدیک طورخم کی سرحد تک آ پہنچتے ہیں۔ پاکستان اپنے اتحادی ممالک کی مدد سے روس کو افغانستان میں روکنے کی حکمت عملی بناتا ہے، اور اگلے دس برس تک ایک زبردست تحریک مزاحمت کے ذریعے روس کو افغانستان سے نکلنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اس شکست کے نتیجے میں سوویت یونین حصے بخرے ہو جاتا ہے اور ایشیاء وسطیٰ اور مشرقی یورپ کے کئی ممالک سوویت تسلط سے آزادی حاصل کر لیتے ہیں۔ دیوار برلن گر جاتی ہے، اور پاکستان کا ایشیاء وسطیٰ کی مسلمان ریاستوں سے رابطہ ممکن ہو جاتا ہے۔



۱۹۹۸ء

۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو پاکستان ہندوستان کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں چھ ایٹمی دھماکے کر کے مسلم دنیا کا پہلا جوہری صلاحیت کا حامل ملک بن جاتا ہے، اور دنیا کا ساتواں ایٹمی ملک کہلاتا ہے۔ آج پاکستان کی ایٹمی اور میزائل طاقت پورے عالم اسلام کے لیے فخر کا باعث ہے اور پاکستان کے دشمنوں کیلئے خوف و وحشت کی علامت۔



۱۹۹۹ء

۱۹۹۹ء میں پاکستان اور بھارت کی کارگل کے محاذ پر ایک اور شدید جنگ ہوتی ہے۔ کشمیری مجاہدین اور پاک فوج کے دستے کارگل کے راستے کشمیر میں داخل ہو کر کئی اہم چوٹیوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ کئی ماہ جاری رہنے والی اس گھمسان کی لڑائی میں ہندوستانی فوجوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بالآخر عالمی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ سے پاکستان اپنی فوجوں کو واپس لائن آف کنٹرول پر بلا لیتا ہے۔ اس جنگ میں دونشان حیدر دیئے جاتے ہیں: کپٹن شیر خان، حوالدار لالک جان۔

۲۰۰۱ء

۲۰۰۱ء میں امریکہ افغانستان پر حملہ آور ہو چکا ہوتا ہے۔ افغان طالبان کی حکومت کو ہٹانے کے بعد کابل میں بنائی گئی حکومت بھارت نواز ہوتی ہے۔ بھارت اس موقع کا فائدہ اٹھا کر افغانستان کے راستے پاکستان کے خلاف ایک طویل المدتی دہشت گردی کی جنگ کا آغاز کرتا ہے۔ ۲۰۰۱ء سے لیکر آج تک ایک لاکھ سے زائد پاکستانی اس جنگ کے نتیجے میں شہید و زخمی ہو چکے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ سے زائد پاک فوج افغانستان کی سرحد پر ٹی ٹی پی کے خوارج اور بی ایل اے کے دہشت گردوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ بے مثال قربانیوں اور جرات اور دلیری کی لازوال داستانوں کو رقم کیا گیا ہے۔ ملک کے بچے بچے کے دفاع کیلئے پاک فوج کے افسروں اور جوانوں نے جس طرح قربانیاں دی ہیں اس نے پوری دنیا کو حیران و ششدر کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ جنگ ابھی جاری ہے۔ امریکہ افغانستان میں موجود ہے اور اب براہ راست بھارت کے ساتھ ملکر پاکستان کے خلاف جارحانہ کارروائیاں کر رہا ہے۔

پاکستانی قوم کو آزمائشوں کا سامنا ہے، داخلی غداریوں اور خارجی دشمنوں کی وجہ سے ملک کے دفاع کو شدید خطرات لاحق ہیں، مگر اللہ کے فضل سے پاکستانی قوم، پاک فوج کے ساتھ ملکر دشمنوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔



اللہ پاکستان کا حامی و ناصر ہے۔ یہ پاکستان قائم و دائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ کیلئے قائم و دائم رہے گا۔

شاد باد منزل مراد